امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف
احسان الٰہی ظہیر کی افترا پردازیوں کا تحقیقی جائزہ

البریلویہ

کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

مولف:
علامہ عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

“البریلویہ”

کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ

نام کتاب : ’’البریلویہ‘‘ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ
مصنف : علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ
کمپوزنگ : خلیل احمد رانا (جہانیاں)
ویب لے آؤٹ : راؤ ریاض شاہد قادری رضوی

(احسان الٰہی ظہیر وہابی نے دنیا بھر کے مسلمانانِ وعلماء اہلِ سنت و اعلیٰحضرت مجدد دین وملت الشاہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بے سروپا الزامات پر مبنی کتاب ’’البریلویہ‘‘ لکھی۔ کتاب ہذا میں ان اعتراضات کا مدلل اور شافی جواب دیا گیا ہے)

برائے : www.RazaNW.org
www.AlahazratNetwork.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ آغاز

متحدہ پاک وہند میں ہمیشہ اہل سنت وجماعت کی غالب اکثریت رہی ہے، سرزمین ہند میں بڑے بڑے نامور اور باکمال علماء ومشائخ پیدا ہوئے، جنہوں نے دین اسلام کی زرّیں خدمات انجام دیں اور اُن کے دینی اور علمی کارنامے آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں اُفق ہند پر ایک ایسی شخصیت اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ نظر آتی ہے جس کی ہمہ گیر اسلامی خدمات اسے تمام معاصرین میں امتیازی حیثیت عطا کرتی ہیں، شخص واحد جو عظمتِ الوہیت، ناموسِ رسالت، مقام صحابہ واہل بیت اور حرمتِ ولایت کا پہرہ دیتا ہوا نظر آتا ہے، عرب وعجم کے ارباب علم جسے خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، ہماری مراد ہے امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ العزیز، جنہوں نے مسلک اہل سنت اور مذہب حنفی کے خلاف اُٹھنے والے نت نئے فتنوں کا کامیابی سے مقابلہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہر مرحلے پر سرخرو ہوئے۔

اہل سنت وجماعت کے عقائد ہوں یا معمولات جس موضوع پر بھی انہوں نے قلم اُٹھایا، اُسے کتاب وسنت، ائمہ دین اور فقہاء اسلام کے ارشادات کی روشنی میں پایۂ ثبوت تک پہنچایا، آپ کی سینکڑوں تصانیف میں سے کسی کو اُٹھا کر دیکھ لیجئے، ہر کتاب میں آپ کو یہ انداز بیان مل جائے گا۔

بریلوی نیا فرقہ؟

امام احمد رضا بریلوی کے افکار ونظریات کی بے پناہ مقبولیت سے متاثر ہو کر مخالفین نے ان کے ہم مسلک علماء ومشائخ کو بریلوی کا نام دے دیا، مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ دوسرے فرقوں کی طرح یہ بھی ایک نیا فرقہ ہے جو سرزمین ہند میں پیدا ہوا ہے۔

ابو یحیٰی امام خاں نوشہروی اہل حدیث لکھتے ہیں:

> ”یہ جماعت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کی مدعی ہے، مگر دیو بندی مقلدین (اور یہ بھی بجائے خود ایک جدید اصطلاح ہے) یعنی تعلیم یافتگانِ مدرسہ دیو بند اور ان کے اتباع انہیں ”بریلوی“ کہتے ہیں“۔ (ابو یحیٰی امام خاں نوشہروی، تراجم علمائے حدیث ہند، مطبوعہ سبحانی اکیڈمی لاہور، ص ۳۷۶)

جب کہ حقیقت حال اس سے مختلف ہے، بریلی کے رہنے والے یا اس سے سلسلہ شاگردی یا بیعت کا تعلق رکھنے والے اپنے آپ کو بریلوی کہیں تو یہ ایسا ہی ہوگا، جیسے کوئی اپنے آپ کو قادری، چشتی، یا نقشبندی اور سہروردی کہلائے، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خیر آبادی، بدایونی، رامپوری سلسلہ کا بھی وہی عقیدہ ہے جو علماء بریلی کا ہے، کیا ان سب حضرات کو بھی بریلوی کہا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے، اگرچہ مخالفین ان تمام حضرات کو بھی بریلوی ہی کہیں گے، اسی طرح اسلاف کے طریقے پر چلنے والے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی اور رفائی مخالفین کی نگاہ میں بریلوی ہی ہیں۔

(ظہیر، البریلویہ ص ۷)

مبلغ اسلام حضرت علامہ سیّد محمد مدنی کچھوچھوی فرماتے ہیں:

> ’’غور فرمایئے کہ فاضل بریلوی کسی نئے مذہب کے بانی نہ تھے، از اوّل تا آخر مقلد رہے، ان کی ہر تحریر کتاب وسنت اور اجماع وقیاس کی صحیح ترجمان رہی، نیز سلف صالحین وائمہ ومجتہدین کے ارشادات اور مسلکِ اسلاف کو واضح طور پر پیش کرتی رہی، وہ زندگی کے کسی گوشے میں ایک پل کے لئے بھی ’’سبیل مومنین صالحین‘‘ سے نہیں ہٹے۔

اب اگر ایسے کے ارشادات حقانیہ اور توضیحات وتشریحات پر اعتماد کرنے والوں، انہیں سلفِ صالحین کی روش کے مطابق یقین کرنے والوں کو ’’بریلوی‘‘ کہہ دیا گیا تو کیا بریلویت وسنیت کو بالکل مترادف المعنی نہیں قرار دیا گیا؟ اور بریلویت کے وجود کا آغاز فاضل بریلوی کے وجود سے پہلے ہی تسلیم نہیں کرلیا گیا؟‘‘۔

(سیّد محمد مدنی، شیخ الاسلام، تقدیم ’’دورِ حاضر میں بریلوی، اہل سنت کا علامتی نشان‘‘، مکتبہ حبیبیہ لاہور، ص ۱۰۔۱۱)

خود مخالفین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں:

> ’’یہ جماعت اپنی پیدائش اور نام کے لحاظ سے نئی ہے، لیکن افکار اور عقائد کے اعتبار سے قدیم ہے‘‘

(احسان الٰہی ظہیر، البریلویہ ص ۷)

اب اس کے سوا اور کیا کہا جائے کہ بریلویت کا نام لے کر مخالفت کرنے والے دراصل ان ہی عقائد وافکار کو نشانہ بنا رہے ہیں جو زمانہ قدیم سے اہل سنت وجماعت کے چلے آ رہے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ ان میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہے کہ کھلے بندوں اہل سنت کے عقائد کو مشرکانہ اور غیر اسلامی قرار دے سکیں، باب عقائد میں آپ دیکھیں گے کہ جن عقائد کو بریلوی عقائد کہہ کر مشرکانہ قرار دیا گیا ہے، وہ قرآن وحدیث اور متقدمین علمائے اہل سنت سے ثابت اور منقول ہیں، کوئی ایک ایسا عقیدہ بھی تو پیش نہیں کیا جاسکا جو بریلویوں کی ایجاد ہو، اور متقدمین ائمہ اہل سنت سے ثابت نہ ہو۔

امام اہل سنت شاہ احمد رضا بریلوی کے القاب میں سے ایک لقب ہی عالم اہل السنۃ تھا۔ اہل سنت وجماعت کی نمائندہ

جماعت آل انڈیا سُنی کانفرنس کا رکن بننے کے لئے سُنی ہونا شرط تھا، اس کے فارم پر سُنی کی یہ تعریف درج تھی :

> ”سُنی وہ ہے جو ما انا علیہ واصحابی کا مصداق ہوسکتا ہو، یہ وہ لوگ ہیں، جو ائمہ دین، خلفاء اسلام اور مسلم مشائخ طریقت اور متاخرین علماء دین سے شیخ عبدالحق صاحب محدّث دہلوی، حضرت ملک العلماء بحرالعلوم صاحب فرنگی محلی، حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی، حضرت مولانا فضل رسول صاحب بدایونی، حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری، اعلیٰ حضرت مولانا مفتی احمد رضا خاں رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک پر ہو“۔

(مولانا محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مطبوعہ مکتبہ رضویہ لاہور ص ۸۲،۸۵)

خود مخالفین بھی اس حقیقت کا اعتراف کرتے ہیں کہ یہ لوگ قدیم طریقوں پر کاربند رہے، مشہور مورخ سلیمان ندوی جن کا میلان طبع اہل حدیث کی طرف تھا، لکھتے ہیں :

> ”تیسرا فریق وہ تھا جو شدّت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے آپ کو اہل السنۃ کہتا رہا، اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے“۔

(سلیمان ندوی، حیات شبلی ص ۴۶ (بحوالہ تقریب تذکرہ اکابر اہل سنت ص ۲۲)

مشہور رائٹر شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں :

> ”انہوں (امام احمد رضا بریلوی) نے نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی“۔

(محمد اکرام شیخ، موج کوثر، طبع ہفتم ۱۹۶۶ء، ص ۷۰)

اہل حدیث کے شیخ الاسلام مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتے ہیں :

> ”امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے، اسّی سال قبل پہلے سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے“۔

(ثناء اللہ امرتسری، شمع توحید، مطبوعہ سرگودھا (پنجاب) ص ۴۰)

یہ امر بھی سامنے رہے کہ غیر مقلدین براہ راست قرآن وحدیث سے استنباط کے قائل ہیں اور ائمہ مجتہدین کو استنادی درجہ دینے کے قائل نہیں ہیں، دیوبندی مکتب فکر رکھنے والے اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، تاہم وہ بھی ہندوستان کی مسلم شخصیت یہاں تک کہ شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور شیخ عبدالحق محدّث دہلوی کو دیوبندیت کی ابتدا ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

علامہ انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے، دارالعلوم دیوبند کے استاذ التفسیر مولوی انظر شاہ کشمیری لکھتے ہیں:

> ”میرے نزدیک دیوبندیت خالص ولی اللّٰہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خانوادہ کی لگی بندھی

فکر دولت ومتاع ہے، میرا یقین ہے کہ اکابر دیوبند جن کی ابتداء میرے خیال میں سیدنا الامام مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور فقیہ اکبر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے ہے...... دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے کرنے کے بجائے مذکورہ بالا دو عظیم انسانوں سے کرتا ہوں"۔

(انظر شاہ کشمیری، استاذ دیوبند، ماہنامہ البلاغ، کراچی، شمارہ مارچ ۱۹۶۹ء/۱۳۸۸ھ، ص ۳۹)

پھر شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے دیوبند کا تعلق قائم نہ کرنے کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں:

"اوّل تو اس وجہ سے کہ شیخ مرحوم تک ہماری سند ہی نہیں پہنچتی، نیز حضرت شیخ عبدالحق کا فکر کلیۃً دیوبندیت سے جوڑ بھی نہیں کھاتا...... سنا ہے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری فرماتے تھے کہ "شامی اور شیخ عبدالحق پر بعض مسائل میں بدعت وسنت کا فرق واضح نہیں ہوسکا" بس اسی اجمال میں ہزارہا تفصیلات ہیں، جنہیں شیخ کی تالیفات کا مطالعہ کرنے والے خوب سمجھیں گے"۔

(فٹ نوٹ، انظر شاہ کشمیری، استاذ دیوبند، ماہنامہ البلاغ، کراچی، شمارہ مارچ ۱۹۶۹ء/۱۳۸۸ھ، ص ۳۹)

امام احمد رضا اور عالمی جامعات

امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد نصف صدی تک ان پر کوئی قابل ذکر کام نہیں ہوا، لیکن گذشتہ چند سال سے مرکزی مجلس رضا لاہور اور المجمع الاسلامی، مبارک پور (انڈیا) نے دور جدید کے تقاضوں کے مطابق جو کام کیا ہے، عالمی سطح پر اس کے خوش گوار اثرات مرتب ہوئے ہیں، پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) میں حال ہی میں فاضل بریلوی کی فقاہت پر مولانا حسن رضا خاں نے کام کیا ہے، جس پر انہیں ڈاکٹریٹ کی ڈگری مل گئی ہے، جبل پور یونیورسٹی (بھارت)، سندھ یونیورسٹی (پاکستان) اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد (پاکستان) میں بھی کام ہو رہا ہے۔

(مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری کی یہ تحریر ۱۹۸۵ء کی ہے، اب تک بہت سی یونیورسٹیز میں امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ پر کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے، الحمدللہ۔ خلیل رانا)

۱۹۷۵ء میں جامعہ ازہر، مصر کے پروفیسر محی الدین الوائی (اہل حدیث) نے فاضل بریلوی پر عربی میں ایک مقالہ لکھا جو "صوت الشرق" قاہرہ میں شائع ہوا، کیلیفورنیا یونیورسٹی، امریکہ کے شعبہ تاریخ کی فاضلہ ڈاکٹر باربرا مٹکاف نے فاضل بریلوی پر اپنے انگریزی مقالہ میں اظہار خیال کیا ہے، مگر انہوں نے گہرا مطالعہ نہیں کیا، ہالینڈ کی لیڈن یونیورسٹی شعبۂ اسلامیات کے پروفیسر جے ایم ایس بلیان بھی اس طرف متوجہ ہوئے اور دیگر فتاویٰ کے ساتھ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کر رہے ہیں۔

(محمد مسعود احمد، ڈاکٹر، حیات امام اہل سنت (مرکزی مجلس رضا، لاہور)، ص ۴۶،۴۵)

البریلویۃ

امام احمد رضا بریلوی کی روز افزوں مقبولیت نے مخالفین کو تشویش اور اضطراب میں مبتلا کردیا ہے، جس کے نتیجے میں بعض لوگ محض عناد کی بنا پر انصاف ودیانت کے تمام اصولوں کو پس پشت ڈال کر الزام کی حد سے گزر کر اتہام تک جا پہنچے ہیں، ایسی ہی کوشش بقلم خود علامہ احسان الٰہی ظہیر نے کی ہے اور عربی زبان میں البریلویہ نامی کتاب لکھ کر سعودی ریال کھرے کیے ہیں، خدا جانے علماء نجد کی آنکھوں پر کون سا پردہ پڑا ہوا ہے کہ وہ ہر اس کتاب کے دل وجان سے خریدار ہیں، جس میں عامۃ المسلمین کو مشرک اور بدعتی قرار دیا گیا ہو۔

اس کتاب کی چند نمایاں خصوصیات یہ ہیں :

۱۔ پہلے باب میں کوئی بات بھی اُس کے صحیح پس منظر میں بیان نہیں کی گئی، ہر جگہ دستِ تصرف نے خوبصورت کو بدصورت بنا کر پیش کیا ہے، ایک فاضل نے اس کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا :

''یہ کتاب تنقید کی بجائے تنقیص کی حد میں داخل ہوگئی ہے''

حافظ عبدالرحمٰن مدنی اہل حدیث لکھتے ہیں:

''یہ شکایت اُس (ظہیر) کی کتابوں میں اُردو اور عربی اقتباسات کا مطالعہ کرنے والے عام حضرات کو بھی ہے کہ اُردو عبارت کچھ، جو یونہی عربی میں من گھڑت طور پر شائع کردی جاتی ہے''۔

(عبدالرحمٰن مدنی، حافظ ہفت روزہ اہل حدیث لاہور شمارہ ۳۰/اگست ۱۹۸۱ء، ص ۶)

۲۔ دوسرے اور تیسرے باب میں وہی عقائد ومعمولات مضحکہ خیز انداز میں بریلویوں کی طرف منسوب کیے ہیں، جن کے قائل اور عامل متقدمین اہل سنت وجماعت رہے، اور نجدی وہابی علماء ان کی مخالفت کرتے رہے ہیں، بلکہ ایسے عقائد کا بھی تمسخر اُڑایا ہے جن کے خود اُن کے اپنے اکابر مثلاً علامہ ابن قیم، شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، نواب وحید الزماں قائل ہیں، جیسا کہ آئندہ ابواب میں بیان کیا جائے گا۔

۳۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کی عربی زبان پر جا بجا چوٹیں کی ہیں، جب کہ اپنی حالت یہ ہے کہ اُن کی عربی تحریر سمجھنے کی لیاقت بھی نہیں ہے اور اپنی عربی زبان کا عالم یہ ہے کہ عجمیت زدہ ہے۔

حافظ عبدالرحمٰن مدنی اہل حدیث لکھتے ہیں :

''جہاں تک اس کی عربی دانی کا تعلق ہے، اس کا بھی صرف دعویٰ ہے ورنہ اس کی مطبوعہ کتابوں کا شاید ہی کوئی صفحہ گرامر یا زبان کی غلطیوں سے پاک ہوگا، چنانچہ عربی دان حضرات اپنی مجلسوں میں احسان الٰہی کی عربی کتب کے سلسلہ میں ایسی باتوں کا اکثر ذکر کرتے ہیں''۔

(عبدالرحمٰن مدنی، حافظ، ہفت روزہ اہل حدیث لاہور شمارہ ۳۰/اگست ۱۹۸۱ء، ص ۶)

چند مثالیں ملاحظہ ہوں جو چند صفحات کے سرسری مطالعہ سے سامنے آئی ہیں، گہری نظر سے پوری کتاب کا مطالعہ کیا جائے تو طویل فہرست تیار کی جاسکتی ہے، البریلویۃ کے ص ۲۳ پر ایک درود شریف نقل کیا ہے جس میں امام احمد رضا بریلوی نے صنعتِ ایہام میں مشائخ سلسلہ قادریہ کے اسماء ذکر کئے ہیں، ظہیر صاحب اس عبارت کا مطلب ہی نہیں سمجھے، جیسا کہ آئندہ صفحات میں وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک جگہ لکھتے ہیں :

فانهم اعطو اللعصاة البغاة رسيد الجنة (ظہیر: البریلویۃ، ص ۱۳۵)

ظہیر صاحب کو یہ احساس ہی نہ ہوا کہ ''رسید'' لفظ عربی نہیں فارسی ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

بل اصدروا فرمانا (ظہیر: البریلویۃ: ص ۳۷)

انہیں کون سمجھائے کہ ''فرمان'' لفظ عربی نہیں ہے، فارسی ہے، ذیل میں اغلاط کی مختصر فہرست ملاحظہ ہو :

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
ط	طط	ان اخلص المحبّين قلوه	قلاه
ایضا	ط	انفصلت البريلوية	عن البريلوية
ط	ط	مع الثابت	مع ان الثابت
طم	ط	عبدالحق خير آبادى	الخير آبادى
ایضاً	ط	من ابنه ابى الحسين	من ابن ابنه
طط	ط	لم تكن رائجة بين السنّة	بين اهل السنّة
طط	طم	يروجها بين السنّة	بين اهل السنّة
ط	لاط	كتب فيها لآل البيت	لاهل البيت
ط	لا	كفر السنّة	اهل السنّة
طح	لا	حلى	حلياً
ایضاً	طط	ولا فلسا	فلسا
طم	لاط	اى يصفه بها	ان يصفه بها
ط	ط	ان القوم	الىٰ ان القوم
ایضاً	طط	المواضيع	المواضع
ط	طط	هذه الكتب	تلك الكتب

ایضاً	ایضا	الی البریلویة	الی البریلوی
[illegible]	[illegible]	الحجم الصغیر	القطع الصغیر
ایضاً	[illegible]	یشتمل علی [illegible] صفحة	[illegible] صفحة
[illegible]	[illegible]	اصدروا فرمانا	حکما (فرمان لفظ فارسی)
[illegible]	[illegible]	نظرة تقدیر واحترام	نظرة تعظیم واحترام
[illegible]	[illegible]	اعتزلت البریلوی	اعتزال البریلوی
ایضاً	[illegible]	غضبوها	غصبوها
ایضاً	[illegible]	استرتفاق	استرقاق
ایضاً	[illegible]	فی صالح المستعمرین	فی مصالحة المستعمرین
[illegible]	[illegible]	استخالاص	استخلاص
[illegible]	[illegible]	والاالمقصود الاصلی	والافالمقصود الاصلی
ایضاً	[illegible]	مناصرة للاستمار	للاستعمار
[illegible]	[illegible]	الاستعمرا	الاستعمار
[illegible]	[illegible]	ستمبر	سبتمبر
[illegible]	[illegible]	من ابن البریلوی احمد رضا	حامد رضا
[illegible]	[illegible]	بعد ماکنت مرفوضة	کانت
[illegible]	[illegible]	فلینصف القراء ة	القراء
ایضاً	[illegible]	ومن جاء	الی من جاء
ایضاً	[illegible]	کبیب النمل	کدبیب النمل
[illegible]	[illegible]	فیکتیت	فیکتب
[illegible]	[illegible]	الّذی بینهما	الّتی بینهما
[illegible]	[illegible]	ولم یبقی	ولم یبق
[illegible]	[illegible]	ولکنّ تعمی	ولکنْ تعمی
[illegible]	[illegible]	ردّ المختار	ردّالمختار
ایضاً	ایضاً	دارالمختار	الدُّرّ المختار
[illegible]	[illegible]	رسید الجنة	رسید عجمی لفظ ہے

مُط	عط	ان يبوس	عجمی، بوسہ سے ماخوذ
طبع	لا	ترك التكايا	تکیہ کی جمع، عجمی لفظ

۴۔ بریلویت کی آڑ میں دنیا بھر کے عامۃ المسلمین اور اہل سنت و جماعت کو مشرک قرار دیا گیا ہے، تصریح ملاحظہ ہو

- ''ابتداءً میرا گمان تھا کہ یہ فرقہ پاک و ہند سے باہر موجود نہیں ہوگا، مگر یہ گمان زیادہ دیر قائم نہیں رہا، میں نے یہی عقائد مشرق کے آخری حصے سے مغرب کے آخری حصے تک اور افریقہ سے ایشیا تک اسلامی ممالک میں دیکھے'' (ملخصاً) (ظہیر : البریلویہ :ص۱۰)

اب ذرا دنیا بھر کے مسلمانوں کے خلاف یلغار کے چند نمونے بھی دیکھتے چلیں:

- ''سال کے مخصوص دنوں میں ان لوگوں کی قبروں پر حاضر ہونا، جنہیں وہ اولیاء وصالحین گمان کرتے ہیں، عرسوں کا قائم کرنا، عید میلاد وغیرہ منکرات جو ہندوؤں، مجوسیوں اور بت پرستوں سے مسلمانوں میں در آئے ہیں'' (ترجمہ وتلخیص) ۔(ظہیر : البریلویہ :ص۸۔۷)
- ''ان کے عقائد کا اسلام سے دور و نزدیک کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ یہ بعینہ وہی عقائد ہیں جو جزیرۂ عرب کے مشرک اور بت پرست رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے رکھتے تھے، بلکہ دورِ جاہلیت کے لوگ بھی شرک میں اس قدر غرق نہ تھے، جس قدر یہ ہیں''۔(ظہیر : البریلویہ :ص۹)
- ''بریلویوں کے امتیازی عقائد وہ ہیں جو دین کے نام پر بت پرستوں، عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکوں سے مسلمانوں کی طرف منتقل ہوئے ہیں''۔(ظہیر :البریلویہ :ص۵۵)
- ''کفار مکہ، جزیرۂ عرب کے مشرکین اور دورِ جاہلیت کے بت پرست بھی ان سے زیادہ فاسد اور ردی عقیدہ والے نہیں تھے''۔(ظہیر :البریلویہ :ص۶۵)

یہ وہ کیفِ باطن ہے جو کتاب کے مختلف صفحات پر بکھرا ہوا ہے، اگر یہی وہابیت ہے اور یقیناً یہی ہے تو علماء حق نے وہابیوں کے خلاف جو فتوے دیئے تھے، بالکل صحیح دیئے تھے، جو فرقہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو مشرک اور جہنمی قرار دے، وہ خود ان خلعتوں کا مستحق ہے۔

قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفى صدورهم اكبر

طرفہ یہ کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دیتے دیتے خود اپنے مشرک ہونے کا فیصلہ بھی دے گئے ہیں، اتحاد کی دعوت دینے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''میں جانتا ہوں کہ وحدت واتحاد اور اسلامی فرقوں کو قریب کرنے کے احمق اور بے وقوف داعیوں کی پیشانی پر بل پڑ جائیں گے، لیکن میں کئی دفعہ یہ کہہ چکا ہوں کہ عقائد وافکار کے اتحاد واتفاق کے بغیر، اتحاد واتفاق نہیں ہوسکتا، کیونکہ اتحاد کا مطلب ہی یہ

ہے کہ بنیادی امور میں اتفاق ہو"

(ترجمہ وتلخیص)(ظہیر،البریلویہ،ص ۱۱)

دوسری طرف اہل سنت وجماعت (بریلوی) کی نمائندہ سیاسی جماعت جمعیۃ العلماء پاکستان کے ساتھ ظہیر صاحب کی جماعت کا اتحاد ہو چکا ہے، جو سہ جماعتی اتحاد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (حافظ عبدالرحمٰن مدنی ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور، شمارہ ۳ راگست ۱۹۸۴ء، ص ۷) اور وہ خود تصریح کر رہے ہیں کہ بنیادی امور میں اتحاد کے بغیر اتحاد نہیں ہو سکتا، تو جس کا مشرکوں کے ساتھ بنیادی امور میں اتحاد ہوگا، وہ مشرک نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟

۵۔ خاص طور پر امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں تو وہ غلط بیانی کی ہے کہ حیرت ہوتی ہے:

"وہ شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں (ظہیر، البریلویہ، ص ۲۱)۔ انہوں نے سنیت کا نقاب اُوڑھ رکھا تھا (ظہیر، البریلویہ، ص ۳۴)۔ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی کے شاگرد تھے (ظہیر، البریلویہ، ص ۱۹)۔ انگریز نے مسلمانوں میں تفریق کے لئے ایک تو قادیانی کو مقرر کیا اور دوسرا بریلوی کو (ظہیر، البریلویہ، ص ۳۸) وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ کہ:

شرم نبی، خوف خدا ، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

۶۔ غلط بیانی ان کا شیوہ ہے اور اس پر انہیں فخر ہے، ایک مثال دیکھئے تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں ہاتھ اُٹھانے اور نہ اُٹھانے کے بارے میں مختلف احادیث وارد ہیں، شافعیہ نے امام شافعی کی پیروی میں احادیث کی پہلی قسم پر عمل کیا اور احناف نے امام ابوحنیفہ کی پیروی میں احادیث کی دوسری قسم پر عمل کیا، کوئی فریق بھی دوسرے فریق کو شرک یا مخالفتِ رسول کا الزام نہیں دے سکتا، کیونکہ ہر فریق کا عمل احادیث مبارکہ پر ہے:

شاہ اسمٰعیل دہلوی امام معین کی تقلید پر رد کرتے ہوئے "تنویر العینین" میں لکھتے ہیں:

> "شخص معین کی تقلید سے چمٹے رہنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ جب کہ امام کے قول کے خلاف صریح دلالت کرنے والی نبی اکرم ﷺ سے منقول احادیث موجود ہوں، اگر امام کے قول کو ترک نہ کرے، تو اس میں شرک کا شائبہ ہوگا"۔

اس پر امام احمد رضا بریلوی نے رد کرتے ہوئے فرمایا کہ امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سب امام معین (امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) کے مقلد تھے، اور شاہ اسمٰعیل دہلوی کے مسلّم پیشوا، اب دو ہی صورتیں ہیں:

(۱) یا تو یہ تمام بزرگ، امام معین کی تقلید کے سبب مشرک ہوں (معاذ اللہ)، اور جب امام ومقتدا مشرک ہو تو مقتدی اور مداح بطریقِ اولیٰ مشرک ہوگا۔

(۲) یہ بزرگ، مقلد ہوتے ہوئے بھی مومن، مسلمان تھے اور اسمٰعیل دہلوی البتہ گمراہ، بددین، مسلمانوں کو کافر کہنے

والا تھا۔

بہرصورت اس کا اپنا حکم ظاہر ہوگیا (ملخصا) (امام احمد رضا بریلوی : الکوکبۃ الشھابیۃ :مطبوعہ مرادآباد: ص ۵۰۔۵۱)

یہ بہت ہی معقول گرفت تھی، جسے ظہیر نے من مانی کرتے ہوئے من گھڑت انداز میں پیش کیا ہے، اُس نے لکھا ہے :

”یعنی دہلوی اس لئے کافر ہے کہ اس کے نزدیک تقلید شخصی جائز نہیں ہے، جب کہ امام کے قول کے خلاف پر دلالت کرنے والی احادیث کی طرف رجوع کیا جا سکے اور اس کے نزدیک کسی بھی شخص کے قول کے مقابل سنت کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، تو یہ بریلوی کی نظر میں کفر ہے اور اگر یہ کفر ہے تو ہم نہیں جانتے کہ اسلام کیا ہے؟“۔ (ظہیر : البریلویۃ : ص ۱۶۶۔۱۶۷)

سبحٰنک ھذا بہتان عظیم

امام احمد رضا بریلوی نے قطعاً یہ نہیں فرمایا جو ان کے ذمہ لگایا جا رہا ہے، انہوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ ائمہ کرام کے مقلدین، عامۃ المسلمین کو مشرک کہنے والا خود بھی مشرک یا گمراہ ہونے سے نہیں بچ سکتا، کیونکہ اس کا فتویٰ اگر صحیح ہے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی اور دیگر مسلّم حضرات کا مشرک ہونا لازم آئے گا اور جب امام مشرک ہو تو مقتدی اور مداح بھی اُسی خانے میں جائے گا، اور اگر فتویٰ غلط ہے تو خود اُس کا گمراہ ہونا ثابت ہوگیا۔

پھر یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ ائمہ دین مجتہدین نے جو احکام بیان کئے ہیں، وہ ان کے خود ساختہ نہیں ہیں، بلکہ یا تو صراحۃً کتاب وسنت میں بیان کئے گئے ہیں یا قیاس صحیح کے ساتھ کتاب وسنت سے مستنبط ہیں، لہٰذا غیر مقلدین کا یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ ہم کتاب وسنت کی پیروی کرتے ہیں اور مقلدین ائمہ کی پیروی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مقلدین کتاب وسنت کے ان احکام پر عمل پیرا ہیں جو ائمہ مجتہدین نے بیان کئے ہیں اور غیر مقلدین براہ راست استنباطِ احکام کے مدعی ہیں، گویا یہ لوگ اپنے فہم پر اعتماد کرتے ہیں اور مجتہدین کے فہم پر اعتماد نہیں کرتے، جن پر مسلمانوں کی غالب اکثریت نے اعتماد کیا ہے اور جن کے علم وفضل اور تقویٰ و پرہیزگاری کی قسم کھائی جا سکتی ہے۔

۷۔ اہل سنت پر بریلویت کی آڑ میں رد کرنے کے لئے ان امور پر بھی طعن کیا ہے جو صراحۃً کتب احادیث یا کتب سلف میں وارد ہیں۔

- ایک جگہ بطور اعتراض لکھا ہے :

”ایک بریلوی کہتا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں، چلتے پھرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں“۔ (ظہیر : البریلویۃ : ص ۸۰)

حالانکہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبیّ اللہ حیٌّ یرزق رواہ ابن ماجۃ ۔ (شیخ ولی الدین خطیب :مشکوٰۃ شریف :مطبوعہ نور محمد، کراچی :۱۲۱)

"اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے اجسام کا کھانا حرام فرمایا ہے، پس اللہ تعالیٰ کا نبی زندہ ہے، اسے رزق دیا جاتا ہے، اس حدیث کو امام ابن ماجہ نے (کتاب الجنائز کے آخر میں) روایت کیا"۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مررت علی موسیٰ لیلۃ اسریٰ بی عندالکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہٖ۔ (امام مسلم بن الحجاج القشیری: مسلم شریف: مطبوعہ رشیدیہ، دہلی: ج ۲: ص ۲۶۸)

"شب معراج کثیب احمر (سرخ ٹیلے) کے پاس، میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا، وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے"۔

- ایک دوسرا بریلوی کہتا ہے:

"جب واقعہ حرّہ میں لوگ مدینہ سے تین دن کے لئے چلے گئے اور مسجد نبوی میں کوئی بھی داخل نہ ہوا، تو پانچوں وقت نبی ﷺ کی قبر سے اذان سنی جاتی تھی"۔ (ظہیر: البریلویہ: ص ۸۱)

جب کہ امام ابو محمد عبدالرحمٰن دارمی راوی ہیں کہ سعید بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ واقعۂ حرّہ کے دنوں میں تین دن نبی اکرم ﷺ کی مسجد میں نہ تو اذان کہی گئی اور نہ تکبیر، حضرت سعید بن مسیب (جو اجلہ تابعین میں سے ہیں) مسجد ہی میں رہے۔

وکان لا یعرف وقت الصلوٰۃ الا بھمھمۃ یسمعھا من قبر النبی ﷺ (امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی: سنن الدارمی: مطبوعہ دار المحاسن، قاہرہ: ج ۱: ص ۴۴)

"انہیں نماز کا وقت صرف اُس دھیمی آواز سے معلوم ہوتا تھا جو انہیں نبی اکرم ﷺ کے روضۂ مبارکہ سے سنائی دیتی تھی"۔

- ایک اور بریلوی کہتا ہے:

"جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جنازہ حجرۂ شریفہ کے سامنے رکھا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور لوگوں نے سنا کہ حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ"۔ (ظہیر: البریلویہ: ص ۸۱)

حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس کرامت کا تذکرہ امام فخر الدین رازی نے ان الفاظ میں کیا ہے:

فاما ابوبکر فمن کراماتہ انہ لما حملت جنازتہ الیٰ باب قبر النبی ﷺ ونودی السلام علیك یا رسول اللہ ھذا ابوبکر بالباب قد انفتح واذابھا تف یھتف من القبر ادخلوا الحبیب الی الحبیب۔ (امام فخر الدین رازی: تفسیر کبیر: مطبوعہ عبدالرحمٰن محمد، مصر: ج ۲۱: ص ۸۷)

"حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک کرامت یہ ہے کہ جب آپ کا جنازہ، نبی اکرم ﷺ کے روضۂ مبارکہ کے دروازہ پر حاضر کیا گیا اور عرض کیا گیا السلام علیک یا رسول اللہ! یہ ابوبکر دروازے پر حاضر ہیں، تو دروازہ کھل گیا اور قبر انور سے یہ آواز آئی کہ حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ"۔

اب کوئی شخص یہ پوچھ سکتا ہے کہ یہ کیسے اہل حدیث ہیں اور کیسے سلفی ہیں جو حدیثوں اور ارشاداتِ سلف کو ہی نہیں مانتے۔

۸۔ اہل سنت کو بدنام کرنے کے لئے بے دریغ غلط باتیں ان کی طرف منسوب کردی ہیں، مثلاً :

- ''بریلویوں نے اللہ تعالیٰ کو معطل اور اختیار، قدرت اور اقتدار سے معزول قرار دے رکھا ہے اور ان کے گمان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کا ملک اور اختیارات، انبیاء واولیاء کی طرف منتقل ہوچکے ہیں'' (ملخصاً) (ظہیر : البریلویۃ : ص۶۵)

یہ افتراء محض ہے، یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے، یہ بیان اس مفروضۂ باطلہ پرمبنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مخلوق کو قدرت واختیار دے دے تو معاذ اللہ؛ نہ اس کے پاس قدرت رہتی ہے، نہ اختیار۔

- ''رسول اللہ پر ایک لحظہ کے لئے بھی موت طاری نہیں ہوئی''۔ (ظہیر: البریلویۃ : ص۸۰)

یہ بھی افتراء ہے، خود اسی صفحہ پر اہل سنت کا یہ عقیدہ نقل کیا ہے:

ان حياة الانبياء حياة حقيقة حسية دنيوية يطرأ عليهم الموت لثانية من الثوانی ليصدق وعدالله۔ (ظہیر : البریلویۃ : ص۸۰، سطر۱)

''انبیاء کی حیات، حقیقی، حسی، دنیاوی ہے، ان پر ایک لحظہ کے لئے موت طاری ہوتی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوجائے''۔

- ''بریلویوں نے انبیاء اور رسل کی بشریت کا انکار کیا ہے''۔ (ظہیر : البریلویۃ : ص۱۰۲)

یہ بھی غلط محض ہے، امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں :

''جو مطلقاً حضور سے بشریت کی نفی کرے، وہ کافر ہے'' (امام احمد رضا بریلوی: فتاویٰ رضویہ، مطبوعہ مبارکپور، انڈیا، ج۶، ص۶۷)

یہ چند مثالیں ہیں ورنہ اس قسم کی غلط بیانیاں اس کتاب میں کثرت سے ہیں۔

۹۔ مصنف کا دعویٰ یہ ہے :

''ہم نے بریلویوں کا جو عقیدہ بھی ذکر کیا ہے، وہ ان کی معتبر اور معتمد کتابوں سے صفحہ اور جلد کے حوالہ سے ذکر کیا ہے''۔ (ظہیر : البریلویۃ : ص۱۱۲)

اور حال یہ ہے کہ تجانب اہل سنت، نغمۃ الروح، باغ فردوس اور مدائح اعلیٰ حضرت وغیرہ قسم کی کتابوں کے جابجا حوالے دیئے گئے ہیں، یہ کہاں کی مستند اور معتبر کتابیں ہیں؟

۱۰۔ پانچویں باب میں مختلف حکایتیں بیان کرکے یہ تاثر دینے کی ناکام کوشش کی ہے کہ اہل سنت کے عقائد کا دارومدار ان حکایات پر ہے، حالانکہ معمولی سمجھ بوجھ رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ حکایات کسی عقیدے کی عکاسی تو کرسکتی ہیں، مگر عقائد کے لئے بنیاد نہیں بن سکتیں۔

البتہ کوئی صاحب کرامات کا تذکرہ پڑھنا چاہے تو وہ عبدالمجید خادم سوہدروی کی تالیف ''کراماتِ اہل حدیث'' کا مطالعہ کرے، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ سے اس کا عکس چھپ چکا ہے، یا پھر ''سوانح حیات مولانا غلام رسول''، قلعہ میہاں سنگھ، گوجرانوالہ کا

مطالعہ کرے، جو اُن کے صاحبزادے عبدالقادر نے لکھی ہے اور حال ہی میں دوبارہ شائع ہوئی ہے۔

یادرہے کہ یہ مولانا غلام رسول اہل حدیث کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔

(عبدالقادر، سوانح حیات مولانا غلام رسول، فضل بکڈپو گوجرانوالہ، ص ۳۹)

ایک کرامت سن لیجئے:

قلعہ میہاں سنگھ کا ایک چوکیدار گلاب نامی موضع مرالیوالہ میں چوکیدار مقرر ہوا اور وہاں کی ایک بیوہ دھوبن پر فریفتہ ہوگیا، مرالیوالہ کے لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے چوکیدار کو نکال دیا، وہ روزانہ مولوی صاحب کے پاس جاتا اور کہتا کہ حضرت میں مر چکا ہوں، کوئی تدبیر کریں، ایک دن مولوی صاحب نے اپنے خادم بڈھا کشمیری کو کہا کہ اس سے قسم لے لو کہ نکاح کے بغیر اُسے نہیں چھوڑے گا، اُس نے قسم اُٹھالی، مولوی صاحب نے کہا کہ عشاء کے بعد اپنے گھر کی چھت پر کھڑے ہوکر مرالیوالہ کی طرف منہ کر کے تین دفعہ کہنا، آجا، آجا، آجا، پھر مجھے بتانا، باقی حصہ عبدالقادر صاحب کے الفاظ میں سنئے:

”تیسرے روز عصر کے قریب عورت مذکورہ گلاب کے گھر آگئی اور کہنے لگی کہ پرسوں عشاء سے لے کر اب تک میرے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی، تمہارے گھر میں داخل ہوتے ہی آرام ہوگیا، گلاب اس عورت کو پکڑ کر اندر لے گیا اور متواتر تین روز اندر رہا۔

تیسرے روز قیلولہ کے وقت مولوی صاحب نے بڈھا کشمیری کو بلا کر فرمایا کہ جاؤ اُس موذی کو پکڑ لاؤ، وہ اس وقت زنا کر رہا ہے، بڈھا گیا اور گلاب کو فوراً پکڑ لایا، مولوی صاحب نے کہا جا میری آنکھوں کے سامنے سے دور ہوجا، وہ لوٹ کر گھر گیا، وہ عورت جیسے آئی تھی، ویسے ہی خفا ہو کر چلی گئی“۔

(عبدالقادر، سوانح حیات مولانا غلام رسول، ص ۹۹ ـ ۱۰۰)

دیکھا آپ نے قدرت واختیار کا مظاہرہ کہ وہ عورت کس طرح کھنچی ہوئی چلی آئی اور یہ علمِ غیب کہ گلاب اس وقت فعلِ بد میں مصروف ہے، شاید اس کرامت پر اس لئے اعتراض نہ ہو کہ یہ ایک اہل حدیث مولوی کی کرامت ہے، لیکن کوئی شخص یہ بھی تو پوچھ سکتا ہے کہ اتنی قدرت اور اتنا علمِ غیب رکھنے کے باوجود گلاب کو اتنی چھٹی کیوں دیئے رکھی کہ وہ اس عورت کے ساتھ تین دن تک اندر رہا اور اپنی حسرتیں نکالتا رہا، کیونکہ یہ کہنے کی تو گنجائش نہیں ہے کہ یہ فعلِ بد تیسرے دن ہی ہوا ہوگا۔

کچھ اس تالیف کے بارے میں

پیشِ نظر کتاب کے پہلے باب (اندھیرے سے اُجالے تک) میں آپ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے حالاتِ زندگی، مذہبی اور سیاسی خدمات کا مطالعہ کریں گے، نیز اہل علم ونظر دانشوروں کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں گے جو انہوں نے امام اہل سنت احمد رضا خاں بریلوی کے بارے میں بیان کئے، اس کے علاوہ البریلویہ، دھماکہ، بریلوی مذہب وغیرہ قسم کی کتابوں میں جو اتہامات اور مطاعن امام احمد رضا بریلوی پر قائم کئے گئے ہیں، ان کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیا گیا ہے، اُمید ہے کہ

تعصب کا چشمہ لگائے بغیر حقائق کا مطالعہ کرنے سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اس میں تسکین کا بہت کچھ سامان پائیں گے اور جو تاریخ کو عقیدے کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں، اُن کے لئے یہ کوشش بھی بے سود ہوگی، اللہ تعالیٰ قادر کریم ہے جو چاہے تو انہیں بھی فائدہ عطا فرمادے۔

دوسرے باب ''شیشے کے گھر'' میں علمائے اہل حدیث کو آئینہ حقائق کے سامنے رکھا گیا ہے کہ اس طبقہ نے انگریزی حکومت کے ساتھ کس طرح کے روابطِ عقیدت ومحبت قائم کئے ہوئے تھے اور کن مراحل سے گزر کر ترقی کی منزلیں طے کیں، اس باب کے مطالعے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ ''پولیٹکل ذہن'' رکھنے والے کس طرح زندگی گزارتے ہیں اور یہ کہ اگر ذرہ برابر انصاف ہو تو یہ الزام زبان پر بھی نہ لائیں کہ انگریز گورنمنٹ کے ساتھ علمائے اہل سنت کا کوئی تعلق بھی تھا۔

آئیندہ باب میں اہل سنت وجماعت کے عقائد ومعمولات پر گفتگو کی جائے گی۔ (انشاء اللہ)

تیسرے باب میں اہل سنت وجماعت کے عقائد ونظریات پر گفتگو کی گئی ہے، اس باب کے مضامین علیحدہ ''اسلامی ایجوکیشن ڈاٹ کام'' پر شائع کئے جا رہے ہیں، جن میں مضمون ''نور وبشر'' اور ''شہر یار علم'' سائٹ پر شائع ہو چکا ہے۔

شیخ عطیہ محمد سالم کے نام

مسلمانوں کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ اس کے قول وفعل میں مطابقت پائی جاتی ہے۔ یہی کتاب وسنت کی تعلیم ہے اور یہی عقلِ سلیم کا تقاضا ہے۔ اس کے برعکس آج کل یہ فیشن بن چکا ہے کہ الفاظ کی دنیا میں اتحاد اور یک جہتی کی تلقین کی جاتی ہے اور جیسے ہی کسی مخالف کا ذکر آیا، ہر قسم کی احتیاط بالائے طاق رکھ کر شدید سے شدید تر فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ ایسا فتویٰ اگر تحقیق اور دیانت پر مبنی ہو تو بیشک قابلِ قبول ہوگا، لیکن اگر محض جانبداری، ظن وتخمین اور سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہو تو وہ ہرگز لائقِ قبول نہ ہوگا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

کفیٰ بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع (مسلم بن الحجاج قشیری، امام، مسلم شریف، عربی (نور محمد، کراچی) ج ۱ ص ۸)

''آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کردے۔''

شیخ عطیہ محمد سالم نجدی، نے البریلویہ کی تقدیم میں بڑی خوبصورت خواہش کا اظہار کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

وفی ھذا الوقت الذی نحن احوج مانکون الی وحدۃ الکمۃ وتوحید الصف (ظہیر: البریلویۃ (تقدیم) ص ۵)

''اس وقت کی شدید ترین ضرورت یہ ہے کہ ہمارے درمیان اتحاد پایا جائے اور ہماری صفیں وحدت کی لڑی میں پروئی ہوئی ہوں۔''

اس حسین آرزو کے باوجود چھ صفحے کی تقدیم میں سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کے بارے میں جو تبصرہ کیا ہے، وہ اس آرزو کے یکسر منافی اور قول وفعل کے تضاد کی واضح مثال ہے۔

مصنف کو اعتراف ہے کہ دنیا کے ہر خطے میں پائے جانے والے تمام قادری، سہروردی، نقشبندی، چشتی، رفاعی، وہی عقائد و تعلیمات رکھتے ہیں؛ جو بریلویوں کے ہیں۔ (ظہیر: (مقدمہ) البریلویہ ص ۷) اور تقدیم نگار بریلویوں کو کافر، مشرک، قادیانیوں کے بھائی، انگریز کے خادم اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہے ہیں۔ (تقدیم، البریلویہ ص ۲-۴) مقامِ حیرت ہے کہ وحدت و اتحاد کو ایک ضرورت قرار دینے والا دنیا بھر کے عامۃ المسلمین کو کس بے دردی سے کافر و مشرک قرار دے رہا ہے۔

پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ایسا سنگین فیصلہ صادر کرتے وقت کسی تحقیق و جستجو کی ضرورت محسوس نہیں کی، بلکہ ایک مخالف کے بیان پر آنکھیں بند کر کے بے دھڑک فیصلہ دے دیا ہے، انہیں خود اعتراف ہے:

اگر فاضل مصنف کا اس گروہ کے ساتھ میل جول اور ہمیں ان کی علمی دیانت پر اعتماد نہ ہوتا تو ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ایسا فرقہ موجود ہوگا۔" (تقدیم، البریہ ص ۱۰)۔ علمی دنیا میں ایسی تحقیقات کا کیا مقام و مرتبہ ہوگا کہ ایک شخص اپنے کنوئیں سے باہر جھانکنے کی زحمت بھی گوارا نہ کرے، اربابِ علم و دانش پر مخفی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

یا ایھا الذین امنو جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا ○ (القرآن: الحجرات: ۴۹ آیت ۶)

"اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو تم تحقیق کرو"۔

شیخ عطیہ محمد سالم نے چونکہ تحقیق کی زحمت گوارا نہیں کی اور ہوسکتا ہے کہ وہ تحقیق کرنا ہی نہ چاہتے ہوں، ذیل میں ہم ان کے "فاضل مصنف" کے بارے میں ایک اہل حدیث فاضل کے تاثرات بلا تبصرہ پیش کرتے ہیں تا کہ اندازہ ہو جائے کہ شیخ عطیہ محمد سالم کی تحریر قطعاً غیر تحقیقی ہے۔

ظہیر، حافظ عبدالرحمٰن مدنی کی نظر میں

میاں فضل حق صاحب اہل حدیث پاکستان کے راہنما اور سنجیدہ شخصیت کے مالک ہیں ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور ان کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ اس پرچے کا شمارہ ۳؍اگست ۱۹۸۴ء ہمارے پیشِ نظر ہے۔ اس میں صفحہ پانچ سے سات تک حافظ عبدالرحمٰن مدنی، فاضل مدینہ یونیورسٹی کا ایک مضمون ہے، جس کا عنوان ہے:

"احسان الٰہی ظہیر کے لیے چیلنج مباہلہ"

ذیل میں اس مضمون کے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:

- حقیقت یہ ہے کہ دنیا اس شخص کی محبت میں نہیں، بلکہ اس کے شر سے بچنے کے لیے اسے سلام کرنے کی روادار ہے، چنانچہ اس کے چھچھورے پن کا یہ عالم ہے کہ بات بات پر لوگوں کو گالیاں دیتا ہے۔
- الحمدللہ! مجھے اس شخص کی طرح کسی احساسِ کمتری کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں کہ اپنی تعریف میں خود ہی مضمون لکھ کر دوسروں کے نام سے یا دوسروں سے مضامین اور کتابیں لکھوا کر اپنے نام سے شائع کروں، اس سلسلہ میں میں کسی غیر کی

گواہی کا محتاج بھی نہیں، بلکہ میرے گواہ، میرے اپنے شاگرد ہیں، جو خود احسان الٰہی ظہیر کے لیے عربی، اردو میں کتابیں لکھتے ہیں اور پھر احسان الٰہی ظہیر ان کا نام دیئے بغیر اپنے نام سے یہ کتابیں شائع کر کے اپنی شہرت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔

- کیا دنیا اس پر تعجب نہ کرے گی کہ جو شخص انگریزی زبان نہ بول سکتا ہو، نہ پڑھ اور سمجھ سکتا ہو، اس کی مستقل کتابیں انگریزی زبان میں اس کے نام سے شائع ہوں۔
- جہاں تک عربی دانی کا تعلق ہے، اس کا بھی صرف دعویٰ ہی ہے، ورنہ اس کی مطبوعہ کتابوں کا شاید ہی کوئی صفحہ گرامر یا زبان کی غلطیوں سے پاک ہوگا، چنانچہ عربی دان حضرات اپنی مجلسوں میں احسان الٰہی ظہیر کی عربی کتب کے سلسلہ میں ایسی باتوں کا اکثر ذکر کرتے ہیں۔
- یہ شکایت اس کی کتابوں میں اردو اور عربی اقتباسات کا مطالعہ کرنے والے عام حضرات کو بھی ہے کہ اُردو عبارت کچھ ہوتی ہے اور عربی عبارت کچھ، جو یونہی عربی میں من گھڑت طور پر شائع کر دی جاتی ہے۔
- مسجد چینیاں والی اور احسان الٰہی ظہیر کے سابق اہل محلہ، ان دنوں کو نہیں بھولے جب یہ شخص چھوٹے بچوں کو چند ٹکے بلکہ بسا اوقات روپے دے کر یہ سکھلایا کرتا تھا کہ مجھے علامہ کہا کرو اور اب بھی اس شخص نے اپنی ذات سے دوستی یا دشمنی کا یہی معیار قرار دے رکھا ہے کہ کون ان کے نام سے پہلے ''علامہ'' لگاتا ہے اور کون نہیں۔
- ان خود ساختہ علامہ صاحب کے کویتی سرپرستوں کو تو ہم نے مباہلہ کا چیلنج پہلے سے دے رکھا ہے۔ اب ہم ان کے پیش کردہ نہ صرف جملہ نکات پر ان کا مباہلہ کا چیلنج قبول کرتے ہیں، بلکہ ان نکات میں ان حضرات کے بدنامِ زمانہ کا اضافہ کر کے اس کو بھی شاملِ مباہلہ کرتے ہیں۔

یعنی:

۱۔ کیا ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف قومی اتحاد کی تحریک میں اس شخص نے قومی اتحاد کی جاسوسی کے عوض بھٹو حکومت سے لاکھوں روپے بطورِ رشوت یا برائے نام قیمت پر پلاٹ اور کاروں کے پرمٹ حاصل نہ کیے تھے؟

۲۔ یورپ کے نائٹ کلبوں میں پاکستان کے یہ علامہ صاحب ''رئیس التحریر مجلہ ترجمان الحدیث'' کیا گل کھلاتے رہے ہیں؟

۳۔ اس شخص کے وہ ''رازہائے دروں'' جو اس کی جلوتوں اور خلوتوں کے امین ساتھیوں کی شہادتوں سے منظرِ عام پر آنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں، کیا یہ ان کی صداقت کے خلاف مباہلہ کر سکتا ہے۔

۴۔ اپنے گھر میں جوان نوکرانیوں کے قصوں کے بارے میں مباہلہ کی جرأت پاتا ہے؟

۵۔ حکومتِ عراق سے لاکھوں روپے آپ نے کس کارِ خیر کے سلسلہ میں وصول فرمائے تھے؟

۶۔ حکومتِ سعودیہ کو ورغلانے کے لیے موجودہ حکومت پاکستان کی شیعہ حمایت کے بے بنیاد قصوں کے محاسبہ اور دونوں حکومتوں کے درمیان جاسوسی کے متضاد کردار کو بھی شاملِ مباہلہ فرما لیجئے۔

۷۔ شاہی مسجد لاہور کے حالیہ واقعہ ''یارسول اللہ کانفرنس'' کے سلسلہ میں حکومتِ پاکستان کے خلاف پروپگینڈہ کے لیے حکومتِ سعودیہ کو رپورٹیں دینے اور کویتی وفد سے طویل مجلس کو بھی عنوان مباہلہ کا شرف عنایت کیجئے۔

۸۔ ''البریلویۃ'' کے نام سے عرب ممالک میں ایک عربی کتاب کی وسیع پیمانہ پر اشاعت، لیکن انہی دنوں میں پاکستان کے بریلویوں سے اتحاد، جسے اخبارات نے ''سہ جماعتی اتحاد'' کا نام دیا۔

اسی طرح ''الشیعہ والسنۃ'' لکھنے کے باوجود شیعہ علماء کے لیے عرب ممالک کے ویزے کے لیے کوششیں کرنے، نیز حکومت کے ایک اعلیٰ عہدیدار کی والدہ کی وفات کی رسمِ قل میں شرکت، لیکن بھتیجوں پر اس رسم کو بدعت قرار دینے کو بھی موضوع مباہلہ بنا لیجئے۔

۹۔ ریس کورس کے لیے گھوڑوں پر شرطیں بدنے اور اس خلافِ اسلام کاروبار میں شرکت پر بھی مباہلہ کے سلسلہ میں نظر، کرم ہو جائے۔

۱۰۔ کویتی وفد کی اعلیٰ حیثیت اور ان کی طرف سے کروڑوں روپے کے تعاون کے اعلانات کے پسِ پردہ حالیہ حکومتِ پاکستان کے خلاف، اسلام دشمن سیاسی تنظیموں کی سرپرستی اور ایم۔ آر۔ ڈی کو تقویت بھی مباہلہ شرکت کی اجازت چاہتی ہے۔

قارئین کرام! مندرجہ بالا الزامات، جناب علامہ (احسان الٰہی ظہیر) صاحب کے خلاف سماجی اور سیاسی حلقوں میں مشہور ہیں۔ ان سے بعض رسائل وجرائد میں چھپ بھی چکے ہیں، لیکن حقیقت حال کی وضاحت نہ کی گئی اور ایک چپ میں ہزار بلائیں ٹال دی گئیں۔

علاوہ ازیں ان جملہ ''خدمات'' کے ثبوت کے عینی شاہدانِ حضرت کے منہ پر یہ باتیں بیان کرنے کی خواہش رکھتے تھے، لیکن چونکہ بات مباہلہ تک پہنچ چکی ہے، اس لیے مباہلہ میں، مولویت کے لبادے میں اس فتنہ پرور آدمی کے کردار سے پردہ اٹھ ہی جانا چاہیے، جس کے باعث جماعتِ اہلحدیث کسی بھی شرعی مسئلہ میں اختلاف نہ رکھنے کے باوجود بُری طرح انتشار کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔

- درحقیقت مذکورہ بالا الزامات حکومت کے ریکارڈ اور عین (عینی) گواہوں کی شہادتوں سے ثابت کیے جا سکتے تھے، لیکن احسان ظہیر نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے گھناؤنے کردار کو چھپانے کے لیے خود پہلا وار کرنا مناسب سمجھا اور بوکھلا کر خود ہی مباہلہ کا چیلنج دے دیا، حالانکہ یہ بھی ایک دھوکہ ہے۔

- ہمیں یقین ہے کہ انشاءاللہ اس مباہلہ کے ذریعے ہم سرخرو ہوں گے، اور اس کے جھوٹوں اور بہتانوں، نیز اس کے اپنے کردار پر ایک عظیم اجتماع گواہ ہو سکے گا۔ یوں معلوم ہوتا ہے یہ شخص جس کی دراز دستیوں اور زبان درازیوں کی ابتداء اپنے ہی باپ پر زیادتی سے ہوئی تھی اپنے انجام کو جلد پہنچنا چاہتا ہے۔'' (عبدالرحمٰن مدنی، حافظ: ہفت روزہ حدیث لاہور، شمارہ ۳ آگست ۱۹۸۴ء، ص ۷-۵)

یہ طویل اقتباسات کسی سنی بریلوی عالم کے نہیں ہیں، بلکہ خود ان کے ہم مسلک بھائی، اہل حدیث حافظ عبدالرحمٰن مدنی، فاضل مدینہ یونیورسٹی کے ارشادات ہیں۔ شائستگی اور متانت ہمیں اس قسم کی گفتگو کی اجازت نہیں دیتی، ورنہ یہ سلسلہ مزید دراز ہو سکتا

ہے، اسی لیے قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں گے ہم نے انتہائی تند و تیز زبان میں عائد کیے گئے الزامات کے جواب میں وہ زبان استعمال نہیں کی، صرف حقائق کے چہرہ سے نقاب الٹنے پر اکتفا کیا ہے۔ کاش کہ شیخ عطیہ محمد سالم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر تھوڑی توجہ مبذول کر دیتے:

یا ایھاالذین اٰمنوا ان جآء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبو قوما بجھالۃ فتصبحو اعلیٰ مافعلتم نٰدمین

(القرآن: الحجرات ۴۹ آیت ۶)

"اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لو کہ کہیں کسی
قوم کو بے جا ایذا نہ دے بیٹھو، پھر اپنے کئے پر پچھتاتے رہ جاؤ"۔ (کنز الایمان)

جہاں مذہبی اختلافات اس حد تک پہنچ جائیں کہ ایک فریق دوسرے کو کافر و مشرک قرار دے رہا ہو، وہاں محض کسی ایک فریق کے بیان پر اعتماد کر کے دوسرے کے حق میں فیصلہ صادر کر دینا کسی طرح بھی معقول نہیں، جب تک دوسرے فریق کے اقوال و معتقدات کا جائزہ نہ لے لیا جائے۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی کے بعد کعب بن اشرف پیچ و تاب کھاتا ہوا مکہ معظمہ پہنچا، ابوسفیان (جو ابھی ایمان نہیں لائے تھے) نے پوچھا، کیسے آئے؟ کعب نے کہا: ہم محمد ﷺ سے معاہدہ ختم کر کے جنگ کرنا چاہتے ہیں۔ ابوسفیان کے کہنے پر کعب نے بت کو سجدہ کیا، پھر ابوسفیان نے کہا تم کتاب پڑھتے ہو اور ہم امّی ہیں یہ تو بتاؤ کہ ہم میں سے کون ہدایت پر ہے، ہم یا محمد ﷺ؟ کعب نے کہا تمہارا دین کیا ہے؟ ابوسفیان نے کہا:

"ہم حجاج کے لیے اونٹ نحر کرتے ہیں، انہیں پانی پلاتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، قیدیوں کو رہائی دلانا، بیت اللہ شریف کو تعمیر اور اس کا طواف ہمارا کام ہے اور ہم اہل حرم ہیں۔

اور محمد ﷺ نے اپنا آبائی دین اور حرم بیت اللہ چھوڑ دیا، قطع رحمی کی، ہمارا دین قدیم اور محمد ﷺ کا دین نیا ہے۔ کعب نے آنکھیں بند کر کے ابوسفیان پر اعتماد کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا:

انتم واللہ اھدٰی سبیلا ممّا علیہ محمد ٥ (احمد بن محمد الصاوی المالکی، علامہ: حاشیۃ الصاوی علی الجلالین (مصطفیٰ البابی، مصر) ج ۱، ص ۲۱۰)

اس پر اللہ نے قرآن پاک کی یہ آیت نازل فرمائی:

الم ترالی الذین اوتو انصیبا من الکتاب یؤمنون بالجبت والطّاغوت ویقولون للذین کفروا ھٰؤلاء اھدٰی من الذین امنوا سبیلا اولٰئک الذین لعنھم اللہ ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا ٥

(القرآن: النساء ۴ الآیۃ ۵۱)

"کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا، ایمان لاتے ہیں، بت اور شیطان
پر اور کافروں کو کہتے ہیں یہ کہ مسلمانوں سے زیادہ راہ پر ہیں، یہ ہیں جن پر اللہ نے

لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے، تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا"۔

کہنا یہ ہے کہ محض مخالف کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے بلا تحقیق فیصلہ صادر کر دینا نہ تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول اور پسندیدہ ہے اور نہ ہی اسے اہلِ علم و دانش قبول کر سکتے ہیں۔ ابوسفیان نے جس طرح اپنے دین کی خوبیاں اور دینِ مصطفےٰ کی خامیاں بیان کیں، کیا کوئی ہوشمند اور منصف جج اس بیان پر یک طرفہ فیصلہ کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو شیخ عطیہ محمد سالم کے لیے یک طرفہ فیصلہ کا کیا جواز رہ جاتا ہے؟

شیخ عطیہ محمد سالم نے محض ایک مخالف کے بیانات پر اعتماد کر کے اہل سنت و جماعت کے خلاف جو ایک طرفہ فیصلہ دیا ہے اور جارحانہ رویہ اختیار کیا ہے، اس سے ان کے غیر علمی اور غیر ذمہ دارانہ اندازِ فکر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

وہ کہتے ہیں:

"اس کتاب (البریلویۃ) کے مصنف نے فرقۂ بریلویہ اور ان کے قریبی فرقوں قادیانیہ اور بابیہ کو قومی اسلوب اور علمی تحقیق کے ساتھ پیش کیا ہے (عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص ۴) (ترجمہ ملحضاً)

"اس کی تمام تحریرات پختگی، اعتدال، دلائل اور صداقت سے مالا مال ہیں"۔ (ایضاً: تقدیم البریلویۃ ص ۴)

کاش؛ کہ وہ انصاف اور دیانت کے تقاضوں کے مطابق اہل سنت کے لٹریچر کا مطالعہ کرنے کی زحمت اٹھا لیتے، تو ان کا فیصلہ یقیناً مختلف ہوتا۔

دَورِ زوال یا دَورِ کمال؟

امام احمد رضا بریلوی (۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء-۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کا دور سیاسی اعتبار سے پہلے زوال اور پھر عروج کا زمانہ ہے، لیکن علمی، ادبی اور فکری لحاظ سے یہ دور مسلمانانِ ہند کا زرّین دور ہے۔ اس عرصے میں جتنی قدر آور شخصیتیں، افق متحدہ پاک و ہند پر نمودار ہوئیں، بعد کے زمانوں میں ان کی مثال نہیں ملتی۔

حکیم عبدالحی لکھنوی نے نزہتہ الخواطر میں علماء ہند کا تذکرہ کیا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں جلد میں تیرھویں اور چودھویں صدی کے علماء کا تذکرہ ہے۔ ایک نظر ان جلدوں کے دیکھنے سے ہمارے بیان کی صداقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

ابوالحسن علی ندوی، آٹھویں جلد کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"اس جلد میں سابقہ تمام زمانوں کی نسبت، حالاتِ علماء کی کثرت اور رنگارنگی میں زیادہ وسعت ہے، اس میں بڑے بڑے علماء نابغۂ عصر مؤلفین، اجلّہ مشائخ، تربیت دینے والے اربابِ قلوب، عظیم معلّم، اصحاب درس و تخریج ہیں، ان میں جدید فکر کے قائدین اور تحریکوں کے راہنما ہیں، ان میں ادباء ہیں، شعراء ہیں اور سیاسی معرکوں میں بے خطر کود جانے والے لیڈر ہیں"، (ابوالحسن علی ندوی: مقدمہ نزہتہ الخواطر (نور محمد، کراچی ج ۸، ص ۸) شیخ عطیہ محمد سالم نے تاریخ ہند کا مطالعہ نہیں کیا، اس لیے وہ کہتے ہیں:

"یہ دور، ہند میں علمی، فکری، حتیٰ کہ ادبی ترقی کا دور نہیں ہے"۔ (عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص ۳)

لطف کی بات یہ ہے کہ مصنف علمی اور فکری لحاظ سے اس دور کو سنہری قرار دے رہا ہے، ان کا بیان ہے:

''۱۸۵۷ء کے بعد ۱۸۶۳ء سے ۱۸۶۵ء تک وہابیوں کو بیخ وبن سے اُکھیڑنے کے لیے ان کے علماء زعماء اور قائدین کو تختہ دار تک پہنچایا گیا' اس دور میں جنھیں قید کیا گیا، وہ اہلِ توحید کے عموماً اور اہل حدیث کے خصوصاً سر برآوردہ علماء تھے۔ مثلاً شیخ جعفر تھانیسری، شیخ عبدالرحیم، عبدالغفار، شیخ المسلمین شیخ یحیٰ علی صادق پوری اور شیخ احمد اللہ وغیرہ، پھر ان کے بعد اہل حدیث کے قائد، زعیم اور سلف صالح کے متبع العلم الرفیع، شیخ الکل سید نذیر حسین دہلوی'' (ظہیر: البریلویہ ص ۳۷)

جبکہ عطیہ محمد سالم، اس دور کو بانجھ اور نا قابل ذکر قرار دے رہے ہیں، گویا تقدیم نگار، خود مصنف کی تکذیب کر رہے ہیں، بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ گئے کہ:

''استعمار کی عادت یہ ہے کہ ہر اس تحریک کا گلا گھونٹ دے جس میں زندگی کی رمق موجود ہو، لہٰذا یہ طائفہ (بریلویہ) استعمار کے سائے میں اس کی خدمت کے بغیر ابھر ہی نہیں سکتا تھا'' (عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویہ ص ۳)

یہ تو آپ الگ باب میں ملاحظہ کریں گے کہ اہل حدیث نے انگریزی دور میں کتنی ترقی کی اور کس قدر خادمانہ روابط استوار رکھے، اس جگہ صرف ایک اقتباس پیش کرنا مناسب رہے گا۔ ایک دفعہ کسی مخالف کی شکایت پر میاں نذیر حسین دہلوی گرفتار ہو گئے۔ پھر کچھ وقت کے بعد رہا کر دیئے گئے، ایسا کیوں ہوا؟

''انگریز ان کی ہیبتِ علمی، بلند مقام اور مسلمانوں میں ان کے اثر ورسوخ سے خائف تھے۔ اس لیے ان کے معاملہ میں پریشان ہو گئے، کہیں مسلمان بھڑک نہ اٹھیں اور قیامت نہ آجائے''۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۳۸)

عطیہ محمد سالم کے بیان کی روشنی میں سوچیئے کہ میاں صاحب کو اس قدر عروج اور قوت وشوکت کیسے حاصل ہو گئی، جبکہ استعمار ہر اس تحریک کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔ جس میں زندگی کی کوئی بھی علامت موجود ہو۔

مرزا غلام قادر بیگ؟

ہٹلر کے دستِ راست گوبلز کا قول ہے کہ ''جھوٹ اتنا بولو کہ اس پر سچ کا گمان ہونے لگے'' امام احمد رضا بریلوی کے چند ابتدائی کتب کے استاد، مرزا غلام قادر بیگ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے بارے میں مخالفین نے اسی مقولے پر عمل کرتے ہوئے زور شور سے یہ پروپگینڈا کیا کہ وہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ **نعوذ بالله من ذالك**

مرزا کا بھائی ۱۸۸۳ء میں فوت ہو گیا تھا، جبکہ مرزا غلام قادر بیگ ۱۸۹۷ء میں کلکتہ میں حیات تھے۔ تفصیل آئندہ صفحات میں ملاحظہ کی جائے۔ دراصل نام کے اشتراک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہوں نے ایک صحیح العقیدہ مسلمان کو مرزائی اور کافر بنا دیا اور اس سے ان کے دل پر کوئی ملال نہیں آیا کہ کسی دلیل اور ثبوت کے بغیر ہم نے ایک مسلمان کو کافر کیوں قرار دیا؟ اور ملال آئے بھی تو کیوں کر؟ جبکہ یہ لوگ تمام عامۃ المسلمین کو کافر قرار دے کر بھی اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ محسوس نہیں کرتے۔

عطیہ محمد سالم بھی اسی پروپگینڈا کے زیرِ اثر یہ کہہ گئے:

”بریلویۃ کے بانی کا پہلا استاذ، مرزا غلام قادر بیگ، مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا۔ لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ قادیانیت اور بریلویت دونوں استعمار کی خدمت میں بھائی بھائی ہیں“۔ (عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص۴)

اگر کسی دعویٰ کا ثابت کرنا واقعی محتاج دلیل ہوتا ہے، تو ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں، کہ اپنے دعوے کی صداقت پر کوئی دلیل پیش کریں۔ ہمیں یقین ہے کہ وہ قیامت تک کوئی دلیل نہ لا سکیں گے۔

نادر استدلال

عطیہ محمد سالم نہ جانے کس قابلیت کی بناء پر قاضی بنا دیئے گئے کہ وہ فیصلہ دیتے وقت محض سنی سنائی باتوں پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ دلائل وشواہد پر توجہ دینے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے اور جن امور کو وہ منطقی دلائل کے طور پر پیش کرتے ہیں، انہیں دیکھ کر منطق کا ابتدائی طالب علم بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے گا۔

ذرا اندازِ استدلال ملاحظہ ہو، مغالطہ کی صحیح تصویر آپ کے سامنے آجائے گی، وہ لکھتے ہیں:

”بریلویوں نے دیوبندیوں کی تکفیر کی ہے
دیوبندی حنفی ہیں
بریلوی بھی حنفی ہیں
لہٰذا بریلوی خود کافر ہوں گے
یہ واضح منطقی قیاس ہے“ (تقدیم البریلویۃ ص۴)

اگر عطیہ محمد سالم نے منطق کی کوئی ابتدائی کتاب بھی پڑھی ہوتی، تو وہ کبھی اس مغالطہ کو قیاسِ منطقی قرار دینے کی جرأت نہ کرتے۔ ان کی منطق کے مطابق کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے،

”عطیہ محمد سالم اور دیگر نجدی علماء بریلویوں کو کافر ومشرک قرار دیتے ہیں‘

حالانکہ:

بریلوی کلمہ گو ہیں
اور نجدی بھی کلمہ گو ہیں
لہٰذا نجدی خود کافر ومشرک ہوں گے
اور یہ واضح قیاس منطقی ہے

منطقی اصلاح کے مطابق یہ قیاس اقترانی حملی، شکل ثانی ہے جس میں حد اوسط، صغریٰ اور کبریٰ دونوں میں محمول ہوتی ہے، لیکن اس شکل کے نتیجہ دینے کے لیے ضروری ہے۔ کہ دونوں مقدمے ایجاب وسلب میں مختلف ہوں، یعنی ایک موجبہ ہو تو دوسرا سالبہ ہو۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

وفی الثانی اخلافھما فی الکیف وکلیة الکبریٰ ٥ (مسعود بن عمر تفتازانی، سعد الدین: تہذیب مع شرح (سکندر علی، کراچی) ص ۳۶)

ترجمہ: شکل ثانی میں شرط یہ ہے کہ دونوں مقدمے ایجاب وسلب میں مختلف ہوں، اور کبریٰ کلیہ ہو:

شیخ عطیہ کے پیش کردہ دونوں مقدمے موجبے ہیں:

دیوبندی حنفی ہیں

بریلوی بھی حنفی ہیں

اول تو یہ قیاس منطق کے قواعد کی رو سے ہے ہی غلط اور اگر صحیح بھی ہوتا تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا: ----- دیوبندی، بریلوی ہیں۔

سبحان اللہ! کیا منطق ہے اور کیا شانِ استدلال؟

یہ تو عقلی استدلال تھا، نقلی دلیل بھی ملاحظہ ہو:

"علماء کا قدیم مقولہ ہے کہ جس نے اپنی جنس کو گالی دی، اس نے اپنے آپ کو گالی دی، تو انہوں نے غیر محسوس طریقے پر اپنے آپ کو کافر قرار دے دیا"۔ (عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویہ ص ۴)

قطع نظر اس سے کہ حکم شرعی کے بیان کو گالی دینا نہیں کہہ سکتے، یہ کہنا سرے سے غلط ہے، کہ دیوبندی، بریلوی کی جنس ہے، انہوں نے خود کہا ہے:

"دیوبندی مذہب حنفی کی طرف منسوب ہونے میں بریلویوں کے ساتھ شریک ہیں" (عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویہ ص ۴)

اس لیے دیوبندی اور بریلوی میں سے کسی کو دوسرے کے لیے جنس نہیں کہہ سکتے۔ ہر ایک الگ الگ نوع ہے اور ضروری نہیں کہ ایک نوع کا حکم دوسری نوع پر بھی لگے۔

قائداعظم، اقبال اور ضیاء

تحریک پاکستان کے دور میں سیاسی لیڈر مختلف گروہوں میں منقسم تھے۔ کچھ لوگ انگریز کے حامی اور موید تھے۔ کچھ انگریز کے دشمن لیکن ہندو کے دل وجان سے دوست اور اتحادی تھے۔ امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء کا دینی اور اسلامی نقطۂ نظر یہ تھا کہ انگریز اور ہندو دونوں ہی ہمارے دشمن ہیں، ہندو اور مسلمان دو الگ الگ قومیں ہیں، یہی وہ دوقومی نظریہ تھا جسے بعد میں علامہ اقبال اور قائداعظم نے اپنایا اور اسی نظریئے کی بناء پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا بنارس میں تاریخی اجلاس ہوا جس میں اہل سنت وجماعت (بریلوی) کے تمام علماء اور مشائخ نے شرکت کی اور مطالبۂ پاکستان کی بھرپور حمایت کی۔ اس دور میں مسلم لیگ اور قائداعظم کے مطالبۂ پاکستان کی حمایت جس زوردار اور اجتماعی انداز میں اہل سنت وجماعت کے سٹیج سے کی گئی اور کسی طرف سے نہیں کی گئی۔

عطیہ محمد سالم کی تاریخ سے بے خبری ملاحظہ ہو، وہ کہتے ہیں:

''بریلویوں نے بانی پاکستان محمد علی جناح اور شاعرِ اسلامی پاکستانی محمد اقبال بلکہ پاکستان کے موجودہ صدر محمد ضیاء الحق کی تکفیر کی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ بریلویوں کے دوست انگریزی استعمار کے دشمن تھے اور انہوں نے انگریز کو نکالنے کے لیے جہاد کیا تھا۔ (عطیہ محمد سالم: تقدیم البریویۃ ص ۵)

حالانکہ تحریکِ پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ اگر علماء اور مشائخ اہل سنت حمایت نہ کرتے، تو یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکتی تھی یا پھر پاکستان کا نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

تفصیل آئندہ اوراق میں ''اسلامی سیاست'' کے عنوان کے تحت ملاحظہ ہو۔

علامہ اقبال اور قائداعظم کے خلاف فتوی دینے کے سلسلے میں تجانب اہل السنۃ کا حوالہ دیا جاتا ہے۔ (ظہیر: البریلویۃ ص۷۔۵۔۴) حالانکہ یہ مولانا محمد طیب کی انفرادی رائے تھی جسے علماء اہل سنت کی جماعتی طور پر تائید حاصل نہیں ہوئی۔ شخص واحد کی انفرادی رائے کو پوری جماعت پر ٹھوس دینا کسی طرح بھی قرینِ انصاف نہیں ہے۔

احسان الٰہی ظہیر لکھتے ہیں:

''ہم یہ عقائد و معتقدات اور ان کے دلائل خود احمد رضا بریلوی، ان کے خواص اور اس گروہ کے خواص و عوام کے نزدیک معتمد حضرات اور ان نمایاں شخصیات سے نقل کرینگے جو ان کے نزدیک بغیر کسی اختلاف کے مسلم ہوں'' (ظہیر: البریلویۃ ص ۵۶)

اَب ان لوگوں سے کون پوچھے کہ تجانب اہل السنۃ کے مصنف مولانا محمد طیب کہاں کی مسلم نمایاں اور غیر متنازع فیہ شخصیت ہیں؟ خود ظہیر صاحب نے بریلویوں کے جن زعماء کا ذکر کیا ہے۔ (ظہیر: البریلویۃ ص۴۔۵۱) ان میں مولانا محمد طیب کا ذکر نہیں ہے، یہ کہاں کی دیانت ہے کہ ان کے اقوال تمام اہل سنت کے سر تھوپ دیئے جائیں؟

علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

''مولانا طیب صاحب ہمدانی مصنف تجانبِ اہلِ سنت'' علمی اعتبار سے کسی گنتی اور شمار میں نہیں ہیں، وہ مولانا حشمت علی کے داماد تھے اور ان کا مبلغ علم فقط اتنا تھا کہ وہ شرقپور کی ایک چھوٹی سی مسجد کے امام تھے اور بس! ''تجانب اہل سنت میں جو کچھ انہوں نے لکھا، وہ ان کے ذاتی خیالات تھے، اہل سنت کے پانچ ہزار علماء و مشائخ نے بنارس کانفرنس میں قرار دادِ قیام پاکستان منظور کر کے مولانا حشمت علی کے سیاسی افکار اور تجانب اہل سنت'' کے مندرجات کو عملاً رد کر دیا تھا، لہٰذا سیاسی نظریات میں ایک غیر معروف مسجد کے غیر معروف امام (مولانا طیب) اور غیر مستند شخص کے سیاسی خیالات کو سوادِ اعظم اہل سنت پر لاگو نہیں کیا جا سکتا، نہ یہ شخص ہمارے لیے حجت ہے اور نہ اس کے سیاسی افکار''۔ (غلام رسول سعیدی، علامہ: ماہنامہ فیضان، فیصل آباد شمارہ اپریل ۱۹۷۸ء، ص ۲۸۔۲۷)

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی فرماتے ہیں:

''تجانبِ اہل سنت کسی غیر معروف شخص کی تصنیف ہے جو ہمارے نزدیک قطعاً قابلِ اعتماد نہیں ہے، لہٰذا اہل سنت کے مسلمات میں اس کتاب کو شامل کرنا قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے اور اس کا کوئی حوالہ ہم پر حجت نہیں ہے، سالہا سال سے یہ وضاحت اہل

سنت کی طرف سے ہو چکی ہے کہ ہم اس کے کسی حوالہ کے ذمہ دار نہیں'' (قلمی یادداشت، حضرت غزالیٔ زماں، تحریر ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء محفوظ نزد راقم (شرف قادری)۔

اس جگہ اس امر کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا کہ تحریکِ پاکستان کے زمانے میں علماء اہلحدیث اور علماء دیوبند کی اکثریت مخالف تھی البتہ بعض علماء حامی تھے۔ مولوی داؤد غزنوی اہلحدیث اور علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی آخر میں جا کر مسلم لیگ میں شریک ہوئے، جبکہ اہل سنت وجماعت (بریلوی) کے تمام تر علماء پاکستان اور مسلم لیگ کے حامی تھے۔ اِکا دُکا علماء جیسے مولانا حشمت علی وغیرہ ضرور اختلاف رکھتے تھے، لیکن وہ بھی نظریہ پاکستان کے مخالف یا کانگریس کے حامی نہ تھے۔ ان کا اختلاف محض اس بناء پر تھا کہ مسلم لیگ مختلف بد مذہبوں کا ملغوبہ ہے، ہم اس کی حمایت نہیں کر سکتے، اہل سنت کی نمائندہ تنظیم آل انڈیا سُنّی کانفرنس چونکہ مسلم لیگ کی حامی تھی، اس لیے وہ اس تنظیم سے بھی اختلاف رکھتے تھے۔ ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس، بنارس کے اجلاس میں پانچ ہزار علماء مشائخ نے ڈنکے کی چوٹ پر مطالبۂ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت کر کے ان حضرات کا انفرادی موقف مسترد کر دیا تھا۔ بعد میں مولانا حشمت علی خان نے بریلی جا کر سُنّی کانفرنس کی مخالفت سے رجوع کر لیا تھا، جس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے سُنّی کانفرنس کی مسلم لیگ حمایت کو تسلیم کر لیا تھا۔

حضرت علامہ احمد سعید کاظمی مدظلہ فرماتے ہیں:

''مولانا حشمت علی خاں کے بارے میں مشہور اور ناقابلِ انکار واقعہ ہے کہ انہوں نے بریلی شریف جا کر مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ کے سامنے قیامِ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں منعقد ہونے والی آل انڈیا سُنّی کانفرنس بنارس کی مخالفت سے توبہ کی تھی۔ (قلمی یادداشت، حضرت غزالیٔ زماں، تحریر ۲۹ اکتوبر ۱۹۸۴ء محفوظ نزد راقم (شرف قادری)

علامہ عثمانی دیوبندی نے حفظ الرحمٰن سیوہاروی وغیرہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں اور فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کیے جن میں ہم کو ابو جہل تک کہا گیا اور ہمارا جنازہ نکالا گیا، آپ حضرات نے اس کا بھی کوئی تدارک کیا تھا؟'' (ظاہر احمد قاسمی: مکالمۃ الصدرین (دارالاشاعت، دیوبند) ص ۲۱)

اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پاکستان کی حمایت کرنے پر دیوبند کی فضا میں ان کے خلاف کس قدر اشتعال تھا؟

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی زیرِ عنوان تحریک پاکستان میں غیر مقلدین کا طرزِ عمل لکھتے ہیں:

''برصغیر پاک وہند کے ہر کہ ومہ کو معلوم ہے کہ آپ کے اکثر اکابر نے تحریکِ پاکستان کی سر توڑ مزاحمت کی، بلکہ پاکستان دشمن جماعتوں کے سرخیل اور سرگروہ رہے ہیں۔ مولانا سید اسمٰعیل صاحب غزنوی کی ذات مستثنیٰ ہے کہ انہوں نے اصولی طور پر پاکستان کی حمایت کی، مگر ان کا کردار نمایاں نہیں رہا، دوسرے عظیم رہنما حضرت مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی جو پنجاب میں ہندو نیشنل کانگریس کے صدر رہتے تھے، کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے اور مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ مل کر مسلمانوں پر خضر وزارت کو مسلط کیا، البتہ عوام اہل حدیث کا رجحان نظریۂ پاکستان کے حق میں تھا اور بالا آخر ان کے دباؤ سے مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنوی بھی

تحریک پاکستان میں شامل ہوگئے۔" (عبدالستار خان نیازی مولانا: نعرۂ حق (مکتبہ رضویہ، گجرات) ص ۳۵)

احسان الٰہی ظہیر وکیل اہل حدیث محمد حسین بٹالوی کی انگریز نوازی سے انکار نہیں کر سکے، اس لیے گلو خلاصی کرانے کے لیے اپنے خیال میں آسان راستہ تجویز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"رہا معاملہ محمد حسین بٹالوی کے دو ایڈریسوں کا، تو ہم اس سلسلہ مین متنبی قادیانی کی امت کی طرح کسی قسم کی تاویل وتحریف کے چکر میں پڑنے کی بجائے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا چند افراد نے ایسا کیا، تو غلط کیا ہم انہیں نہ معصوم سمجھتے ہیں نہ صاحب شریعت کہ ان کی ہر بات ہمارے لیے حجت وسند ہو قوم میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں، جن سے غلطیوں اور لغزشوں کا صدور ہوتا ہے، ان سے مجموعی طور پر قوم کے دامن پر دھبہ نہیں لگ سکتا اور نہ ہی ان کی بنا پر کسی گروہ کو مطعون کیا جا سکتا ہے"۔ (ظہیر: مرزائیت اور اسلام (ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور) ص ۲۳۳)

یہی فارمولا اہل سنت کی طرف سے پیش کیا جائے، تو قابلِ قبول کیوں نہیں ہے۔ چند افراد کے افکار کی ذمہ داری تمام جماعت پر کس طرح ڈالی جا سکتی ہے؟ ہمارے علماء نے بھی لگی لپٹی کے بغیر تجانب اہل السنۃ کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

پھر یہ امر بھی لائقِ توجہ ہے کہ جن ایڈریسوں کی ذمہ داری تنہا بٹالوی صاحب پر ڈالی جاری ہے، ان میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ اہل حدیث کے بڑے بڑے (شیخ الکل قسم کے) علماء بھی شامل ہیں، چند اسماء ملاحظہ ہوں، لارڈ ڈفرن، گورنر جنرل اور وائسرائے ہند کو دیئے گئے ایڈریس (سپاس نامہ) میں شامل چند علماء کے نام یہ ہیں:

"مولوی سید محمد نذیر حسین دہلوی، ابو سعید محمد حسین (بٹالوی) وکیل اہلحدیث ہند، مولوی محمد یونس خاں، رئیس دتاولی علیگڑھ، مولوی قطب الدین، پیشوائے اہل حدیث روپڑ، مولوی محمد سعید، بنارس، مولوی الٰہی بخش پلیڈر، لاہور، مولوی سید نظام الدین پیشوائے اہل حدیث، مدراس وغیرہ"۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ ج ۱۱ شمارہ ۲، ص ۳۲-۳۱) اس وقت کہ اہل حدیث کے جتنے بڑے بڑے پیشوا ہیں وہ سب اس ایڈریس سپاس نامے میں شریک ہیں، مگر پوری قوم کا جرم ایک بے چارے بٹالوی کے سر منڈھا جا رہا ہے، اس کے برعکس اہل سنت وجماعت کے چند افراد کے افکار کی ذمہ داری پوری جماعت پر ڈالی جاری ہے۔ اس الٹی گنگا کا کیا علاج؟

پھر لطف کی بات یہ کہ سر فہرست میاں نذیر حسین دہلوی کا نام ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ کون ہیں؟ خود ان سے سنیئے:

"قائدِ اہل حدیث، سلف صالح کے متبعین کے زعیم، بلند پہاڑ، شیخ الکل، سید نذیر حسین محدث دہلوی۔" (ظہیر: البریلویۃ ص ۳۷)

"محدثِ جلیل، عالمِ نبیل، اپنے دور میں طائفۂ منصورہ کے شیخ ربانی، اولادِ رسول، سید نذیر حسین دہلوی، جنہوں نے پاک و ہند میں سنت کا جھنڈا بلند کیا، جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کو دور کیا، اس خطے کو کتاب وسنت کے نور سے منور کیا، جو شاہ ولی اللہ دہلوی کی مسند پر بیٹھا اور اس نے ان کی تعلیمات کی تنقیح، تہذیب اور تجدید کی۔" (ایضا: البریلویۃ ص ۱۶۲)

ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں، اہل حدیث کے شیخ الکل کی اس سپاسنامے میں حاضری ہی پوری جماعت اہل حدیث کی

حاضری تھی، لیکن ان کے ساتھ ساتھ علی گڑھ ، روپڑ بنارس ، لاہور اور مدراس وغیرہ مقامات کے پیشوایانِ اہل حدیث بھی شامل ہوں تو اس سپاسنامے کی ذمہ داری صرف بٹالوی کے سر ڈال دینا انصاف کا خون بہا دینے کے مترادف ہوگا۔ پھر محمد حسین بٹالوی بھی اہل حدیث جماعت کا کوئی معمولی فرد نہیں ہے، بلکہ تمام اہلحدیث کا وکیل ہے، اس کی ایک اپیل پر ہزاروں قرار دادیں ملک کے طول وعرض سے موصول ہو جاتی ہیں۔

علامہ اقبال نجدی علماء کی نظر میں

عطیہ محمد سالم ، علامہ اقبال کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اسلامی پاکستانی شاعر محمد اقبال (عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویہ ص ۵)

البریلویہ کے مصنف ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

’’شاعرِ رسالت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، ہندو پاک میں مسلمانوں کا شاعر جس نے اس خطہ کے لوگوں میں جہاد کی روح پھونکی۔۔۔۔۔۔ڈاکٹر محمد اقبال‘‘ (ظہیر: البریلویہ ص ۵-۲)

غالباً ان دونوں (مصنف اور مقدمہ نگار) کو معلوم نہیں ہے کہ نجدی علماء کی علامہ اقبال کے بارے میں کیا رائے ہے؟

روزنامہ نوائے وقت لاہور ، میں جناب محمد امین کا ریاض (سعودی عرب) سے بھیجا ہوا مراسلہ چھپا تھا، جس کا عنوان ہے:

سعودی عرب میں اقبالیات کا ابلاغ

ان کا بیان ہے کہ ۱۹ نومبر (۱۹۸۰ء) کو ریاض یونیورسٹی میں اسلامی فکر کی تجدید کے عنوان سے ایک سیمینار ہوا، جس میں سعودی عرب کے سب سے بڑے مذہبی رہنما شیخ عبدالعزیز بن باز ، معروف مصری مفکر محمد قطب (سید قطب شہید کے بھائی) سوڈان کے ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس اور معروف مؤلف اور روشن نظر عالم دین جناب محمد صباغ نے خطاب کیا۔ سیمینار کے آخر میں سوال وجواب کا ایک پروگرام ہوا اور اس نشست کا آخری سوال اقبال کی کتاب تشکیل جدید الٰہیات اسلامی کے بارے میں تھا جس کا عربی ترجمہ تجدید التفکیر الدینی فی الاسلام کے نام سے موجود ہے۔ ڈاکٹر جعفر شیخ ادریس نے یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ اس کتاب میں کچھ باتیں قابلِ اعتراض ہیں۔ معتدل مؤقف اختیار کیا، لیکن استاذ صباغ نے اقبال پر شدید تنقید کی اور کہا:

’’اس کتاب کی عبارتیں گمراہ کن ہیں، بلکہ اس میں بعض باتیں کفر تک لے جانے والی ہیں، یہ انتہائی خطرناک کتاب ہے اور طلباء کو اس سے متنبہ رہنا چاہیے۔ انہوں نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ ایسی کتابیں بغیر تعلیق اور حواشی کے نہیں چھپنی چاہئیں۔‘‘

مراسلہ نگار لکھتے ہیں:

’’سوءِ اتفاق سے جناب محمد قطب نے بھی استاذ صباغ کی تائید کی اور کہا کہ اس کتاب کا پڑھنا عام طلباء کے لیے خطرے سے خالی نہیں، اس میں بہت سی باتیں خلافِ حقیقت ہیں، نیز یہ کہ اقبال مغربی فلسفے اور خاص کر جرمن فلسفے سے متاثر ہے اور تصوف کے بعض غیر اسلامی نظریوں کا قائل ہے۔‘‘ (روزنامہ نوائے وقت، لاہور: شمارہ یکم دسمبر ۱۹۸۰ء ص ۳)

کیا البریلویۃ کے مصنف اور تقدیم نگار یہ وضاحت کریں گے کہ شاعرِ اسلامی، شاعر رسالت محمدیہ کے بارے میں یہ رویہ کیوں اختیار کیا گیا؟ اور شیخ عبدالعزیز اور دیگر سکالروں نے یہ سب فتوے سن کر اختلاف کیوں نہ کیا؟ کیا یہ نجدی علماء کا اجماع سکوتی نہ ہوگا؟ پھر تصوف کے ان غیر اسلامی نظریوں کی وضاحت بھی ہونی چاہیے، جن کا اقبال قائل ہے۔

صدرِ پاکستان

عطیہ محمد سالم کہتے ہیں کہ "یہ لوگ تکفیر میں جلد باز واقع ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان کے موجودہ صدر محمد ضیاء الحق کو بھی کافر قرار دے چکے ہیں۔" (عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویۃ ص ۵) اس کھوکھلے دعوے کی بنیاد یہ فراہم کی گئی ہے کہ جب مسجد نبوی اور مکہ معظمہ کے امام پاکستان آئے، تو صدر اور گورنر پنجاب سوار خاں نے ان کے پیچھے نماز ادا کی، کسی نے سوال کیا کہ ان کا کیا حکم ہے؟ مفتی سید شجاعت علی قادری نے جواب دیا:

"حضرت نورانی فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص وہابی نجدیوں کو مسلمان جانے یا ان کے پیچھے نماز پڑھے، وہ کافر و مرتد ہے۔" (ظہیر: البریلویۃ ص ۲۰۸)۔

اس مضحکہ خیز دعویٰ اور اس کی دلیل کا بودا پن اس سے ظاہر ہے کہ مفتی سید شجاعت علی قادری کو حکومتِ پاکستان نے وفاقی شرعی عدالت کا جج بنا دیا ہے۔ کیا عقلِ سلیم یہ باور کر سکتی ہے؟ کہ صدر پاکستان محمد ضیاء الحق اس شخص کو وفاقی شرعی عدالت کا جج بنا دیں گے جو ان کا کفر کا فتویٰ دے چکا ہو، گویا تکفیر ایسا کارنامہ ہے، جس پر اعزاز اکرام سے نوازا جا رہا ہے۔

مفتی سید شجاعت علی قادری کی وضاحت بھی ملاحظہ ہو:

"میرے نام سے بہت سے ایسے فتاویٰ شائع ہو چکے ہیں، جن پر کوئی ذی ہوش انسان کبھی یقین نہیں کر سکتا ہے اور جن کی تردید میں بارہا کر چکا ہوں، مثلاً یہ کہ میں نے صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب وغیرہ کو کافر کہا ہے۔" (قلمی یادداشت، مفتی سید شجاعت علی قادری، تحریر ۱۱ جولائی ۱۹۸۳ء، محفوظ نزد راقم ۱۲ اشرف قادری) پاکستان کے موجودہ صدر سعودی عرب حکومت اور علماء کے منظور نظر ہیں سعودی عرب اور اس کے زیر اثر عرب ریاستوں میں امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کے ترجمہ قرآن کنز الایمان اور مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی تفسیر خزائن العرفان پر پابندی عائد کی گئی تو علمائے اہل سنت کا ایک وفد صدر صاحب سے ملا صدر نے کہا کہ یہ ان ممالک کا داخلی معاملہ ہے میں کس طرح مداخلت کر سکتا ہوں بادشاہی مسجد میں نعرہ رسالت کے جواب میں ذلیل جواب دینے والے شخص کے خلاف یا رسول اللہ کانفرنس کے مطالبہ پر قائم کردہ ٹریبونل کا فیصلہ آج تک منظر عام پر نہ آ سکا حالانکہ یہ تو پاکستان کا خالص داخلی معاملہ تھا۔

سعودیہ کا مکتبۃ الدعوۃ لاہور، کروڑوں روپے کا دل آزاد لٹریچر پاکستان میں مفت تقسیم کر رہا ہے، جس میں عامۃ المسلمین کو مشرک اور بت پرست قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ تو پاکستان کا خالص داخلی معاملہ ہے، لیکن حکومت نے اس کا بھی کوئی نوٹس نہیں لیا ہے۔

چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

- ''پاکستان میں قبروں پر پھول ونذر و نیاز کے سلسلے کہ وجہ سے لوگوں کی عقیدت، اللہ تعالیٰ سے ختم کی جارہی ہے۔ ایسے ملک کی حکومت کو اسلامی کہنا کسی طرح زیب نہیں دیتا۔'' (محمد صادق خلیل، فیصل آباد: مقدمہ محمد بن عبدالوہاب ص ۱۶)۔

- ''جو شخص حضور علیہ السلام کی قبر کی طرف منہ کرتا ہے، اس نے آپ کی قبر کو قبلہ و کعبہ بنالیا، یہی شرک اکبر ہے اور یہی بعینہٖ بتوں کی عبادت ہے۔'' (محمد سلطان المعصومی المکی: المشاہدات المعصومیہ (ادارات البحوث العلمیہ السعودیہ) ص ۷)۔

- ''باہر سے آنے والے لوگ قبر النبی کو بت سمجھ کر پوجتے ہیں۔'' (المشاہدات المعصومیہ (ادارات البحوث العلمیہ السعودیہ) ص ۷)۔

- ''تمام عالم اسلام میں شرک کیا جارہا ہے اور وہ ہے قبروں کی عقیدت۔'' (محمد بن اسماعیل یمنی: تطہیر الاعتقاد (ادارات البحوث العلمیہ السعودیہ) ص ۴)۔

- ''صحابۂ کرام اور اہل بیت کی قبروں کے سامنے دعا مانگنا اور غارِ حراء و ثور سے تبرک لینا حرام ہے۔'' (عبدالعزیز بن عبداللہ: حج اور زیارت کے شرعی آداب، مطابع النصر، الریاض، ص ۴)

- ''مسجد نبوی اور قبر شریف (روضۂ رسول علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے درمیان ایک دیوار کھڑی کی جائے تاکہ موحد کو اطمینان ہو۔'' (عطیہ محمد سالم: تقدیم البریلویہ ص ۵)۔

- ''انبیاء اور صلحاء کو سفارشی ماننا بالکل مشرکوں کا عقیدہ ہے۔'' (ناصر الدین البانی: قبروں پر مسجدیں (ضیاء السنہ، لائل پور) ص ۱۲۵)۔

- ''صالحین کی قبروں سے تبرک حاصل کرنے والے اس زمانے کے مسلمان تو مشرکین عرب سے کہیں آگے ہیں۔'' (احمد بن حجر آل ابوطامی سلفی: التوحید (الدار السلفیہ، بمبئی) ص ۵۷)۔

عطیہ محمد سالم کہتے ہیں:

''اس وقت جبکہ ہمیں وحدت کلمہ اور اپنی صفوں میں اتحاد کی شدید ضرورت ہے، بریلوی اپنے علاوہ ہر شخص کی تکفیر کرتا ہے۔''

(عبدالرحمٰن بن حسن: ہدایۃ المستفید شرح کتاب التوحید، ترجمہ (انصار السنہ، لاہور) ج ۵ ص ۴۵۵)

یہ صریح بہتان ہے کہ فاضل بریلوی اپنے علاوہ ہر شخص کی تکفیر کرتے ہیں۔ انہوں نے صرف ایسے لوگوں کی تکفیر کی، جنہوں نے خدا اور رسول کی بارگاہ میں صریح گستاخی کی یا گستاخی پر آگاہ ہو کر بھی اسے صحیح قرار دیا۔

شیخ عطیہ نے اپنے ہم خیال نجدی علماء کے رویے پر غور نہیں کیا جو اپنے علاوہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو مشرک قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ چند اقتباسات ابھی ابھی پیش کیے جاچکے ہیں، چند مزید حوالے دیکھ لیجئے۔

مترجم قرآن پاک جلادو

شیخ عبدالعزیز باز ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"ہمیں بھی مختلف اداروں کی طرف سے اس مترجم کے نمونے موصول ہوئے ہیں، جن کی تحقیق سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ اس میں تحریفات اور جھوٹ بھرا پڑا ہے۔۔۔۔۔لہذا تمام متعلقہ اداروں کو یہ اطلاع کردی جائے کہ جن مساجد میں اس کے نسخے ہیں یا کسی اور جگہ ہوں تو ان کو ضبط کرلیا جائے اور جلادیا جائے۔" (عبدالستار خاں نیازی، مولانا: اتحاد بین المسلمین رضویہ، لاہور) ص ۳۵)

قصیدہ بردہ اور دلائل الخیرات جلادو

محمود مہدی استانبولی کی ایک تصنیف **کتبٌ لیست من الاسلام** (غیر اسلامی کتابیں) المکتب الاسلامی، بیروت سے طبع ہوئی ہے، اس کا ایک عنوان ہے:

حرقوا ھذہ الکتب (محمود مہدی استانبولی: کتب لیست من الاسلام (بیروت) ص ۷ (ان کتابوں کو جلادو)

اس میں غیر اسلامی کتب میں سرفہرست جن کتابوں کو شمار کیا گیا ہے وہ یہ ہیں:

"قصیدہ بردہ اور دلائل الخیرات"۔ (محمود مہدی استانبولی: کتب لیست من الاسلام (بیروت) ص ۲۷-11)

بخاری شریف جلادو

۱۹۸۲ء میں عالمی کانفرنس، تہران میں اتحاد امت کے موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے گوجرانوالہ کے اہل حدیث کے مولوی بشیراحمد مستحسن نے اپنی تقریر میں کہا:

"اب تک جو کچھ کہا گیا ہے، وہ قابلِ قدر ضرور ہے، قابلِ عمل نہیں، اختلاف ختم کرنا ضروری ہے، مگر اختلاف ختم کرنے کے لئے اسبابِ اختلاف کو مٹانا ہوگا۔ فریقین کی جو کتب قابلِ اعتراض ہیں، ان کی موجودگی اختلاف کی بھٹی کو تیز تر کررہی ہے، کیوں نہ ہم ان اسباب ہی کو ختم کردیں۔

اگر آپ صدقِ دل سے اتحاد چاہتے ہیں، تو ان تمام روایات کو جلانا ہوگا، جو ایک دوسرے کی دل آزاری کا سبب ہیں، ہم "بخاری" کو آگ میں ڈالتے ہیں، آپ "اصولِ کافی" کو نذرِ آتش کردیں۔ آپ اپنی فقہ صاف کریں ہم اپنی فقہ صاف کردیں گے۔"

(اختر کاشمیری: آتشکدۂ ایران (ندیم بک ہاؤس، لاہور ۱۹۸۳ء) ص ۹-1)

اگر خدانخواستہ جلانے اور آگ لگانے کی یہ تحریک چل پڑی اور کامیاب ہوگئی، تو اس کا نتیجہ تخریب ہی تخریب ہوگا، تعمیر کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔

حکومتِ پاکستان فتوے کی زد میں

اربابِ اقتدار کو اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہیے کہ یہ سب اہل سنت و جماعت کا مسئلہ ہے، ہمیں اس سے کیا سروکار؟

کیونکہ اس فکر کے حاملین تو حکومتِ پاکستان کے بارے میں بھی وہی رائے رکھتے ہیں، جو عامۃ المسلمین سے متعلق رکھتے ہیں۔ فیصل آباد کے محمد صادق خلیل لکھتے ہیں:

"جس ملک میں مزارات کو مذہبی حیثیت دی جائے اور ان کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے کوششیں کی جائیں، ان پر قبے تعمیر کیے جائیں اور ان پر سالانہ عرسوں کا انعقاد حکومت کی جانب سے کیا جائے، ان کی عظمت کو اجاگر کیا جائے، مزارات پر پھولوں کی چادریں چڑھائی جائیں۔ عرق گلاب اور خوشبودار عطریات سے ان کو غسل دیا جائے اور نذر و نیاز کے سلسلے کو بجائے بند کرنے کے اس کو بقاعطا کیا جائے اور اللہ پاک سے لوگوں کی عقیدت کو ختم کر کے مزارات کی جانب ان کی عقیدت کو پھیرا جائے اور اللہ پاک کے ساتھ بغاوت کا ثبوت پیش کیا جائے تو ایسے ملک کی حکومت کو اسلامی کہنا، کسی طرح زیب نہیں دیتا۔" (محمد صادق خلیل، فیصل آباد: مقدمہ محمد بن عبدالوہاب، ص ١٦)۔

یادرہے کہ یہ کتاب سعودی عرب کے خرچ پر چھاپ کر پاکستان میں مفت تقسیم کی گئی ہے۔

یہ سب آلِ شیخ کا کیا دھرا ہے

سعودی عرب میں ملکی زمام اقتدار آل سعود اور مذہبی قیادت آل شیخ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ فرقہ ورانہ لٹریچر اور پروپیگنڈا سب آلِ شیخ کی کوششوں سے ہے۔ حکومت پاکستان فرقہ ورانہ انتشار کے حق میں نہیں ہے، تو اسے حکومتِ سعودیہ سے براہِ راست اس مسئلے پر گفتگو کرنی چاہیے کہ منافرت انگیز لٹریچر کی پاکستان میں تقسیم پر پابندی عائد کی جائے اور ملک کے داخلی امن عامہ کو تباہ کرنے کے اسباب مہیا نہ کیے جائیں۔

اس جگہ اس امر کا تذکرہ بھی بے جا نہ ہوگا کہ جب نجدی علماء عامۃ المسلمین کو بے دریغ کافر و مشرک قرار دیں گے، تو اس کے جواب میں انہیں دوستی اور اخوت و محبت کی ہرگز توقع نہیں رکھنی چاہیے، جواباً جتنا بھی سخت سے سخت لب ولہجہ اختیار کیا جائے، وہ جائز اور روا ہوگا۔ وہ اگر اپنے دلوں میں وسعت پیدا کریں اور تنگ نظری کا راستہ چھوڑ دیں تو عامۃ المسلمین کو اپنے سے زیادہ وسیع القلب پائیں گے۔

شرک کا ہوّا کیوں

نجدی اور اہل حدیث علماء کو ہروقت شرک کی فکر سوار رہتی ہے۔ بات بات پر دنیا بھر کے مسلمانوں کو بلا تردد، مشرک اور شرک اکبر میں مبتلا قرار دے دیتے ہیں، حالانکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے، (قریب قیامت، حالت اس سے البتہ مختلف ہوگی)۔

حضرت عقبہ ابن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور اقدس ﷺ نے شہدائے احد کے لیے دعا فرمائی، اس کے بعد منبر پر تشریف فرما ہوئے، انداز ایسا تھا گویا زندوں اور مردوں کو الوداع فرما رہے ہوں، دورانِ خطبہ فرمایا:

انی لست اخشیٰ ان تشرکوا بعدی ولکنی اخشیٰ علیکم الدنیا ان تتنا فسوا فیھا وتقتلوا فتھلکوا

كما هلك من كان قبلكم○

(مسلم بن الحجاج القشیری، امام: مسلم شریف عربی (رشیدیہ، دہلی) ج ۲، ص ۲۵)

"مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کروگے، البتہ مجھے خوف ہے کہ تم دنیا میں دلچسپی لوگے اور مرنے مارنے پر تل جاؤ گے، تم ہلاک ہو جاؤ گے جس طرح تم سے پہلے ہلاک ہو گئے۔"

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے اپنی امت پر شرک اور شہوتِ خفیہ کا خطرہ ہے۔ میں عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کے بعد آپ کی امت شرک کرے گی۔ فرمایا: ہاں:

اما انهم لا يعبدون شمسا ولا قمرا ولا حجرا ولا وثناء ولكن يراء ون باعمالهم○ (ولی الدین، امام شیخ: مشکوٰۃ شریف، باب الریا والسمعۃ ص ۶-۴۵۵)

"یہ لوگ چاند، سورج یا کسی پتھر اور بت کی عبادت نہیں کریں گے، بلکہ اپنے اعمال کی نمائش کریں گے۔"

دیکھا آپ نے حضور سید عالم ﷺ نے کس صراحت کے ساتھ فرما دیا کہ میری امت بت پرستی نہیں کرے گی، اس کے شرک میں مبتلا ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہے، لیکن نجدیوں وہابیوں پر شرک کا بھوت اس طرح سوار ہے کہ ہر طرف شرک ہی شرک دکھائی دیتا ہے۔ حضور سید عالم ﷺ نے دنیا اور مال و زر کے خطرے کی واضح نشان دہی فرمائی ہے، لیکن اس طرف کوئی توجہ ہی نہیں دیتا۔

اسی طرح ایران، عراق جنگ میں محض دنیا کی خاطر اربوں، کھربوں، روپے ضائع کیے جا چکے ہیں، امریکہ، روس اور دیگر ممالک کی اسلحہ ساز فیکٹریوں کو بہترین مارکیٹ مل چکی ہے۔ کئی سال سے فریقین کا خون بہا کر غیر مسلموں کے خزانے بھرنے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ عطیہ محمد سالم کہتے ہیں:

"میں بریلوی جماعت کو اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی ابتداء کی طرف لوٹ جائے اور اپنے مذہب اور اپنے امام (ابو حنیفہ) رحمہ اللہ تعالیٰ کے عقیدے اور خاص طور پر ان کی کتاب "الفقہ الاکبر" پر از سرِ نو نظر ڈالیں۔ کتاب، سنتِ رسول اللہ ﷺ اور امت مسلمہ کے سلف صالحین کی سیرت میں غور کرے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بصیرتوں کو روشن فرما دے۔" (رپورٹ عبد اللہ طارق سہیل: روزنامہ جنگ، لاہور، ۲۳ جون، ۱۹۸۳ء) (عطیہ محمد سالم تقدیم البریلویہ، ص ۶)

آئندہ ابواب میں انشاء اللہ العزیز اہل سنت و جماعت کے عقائد اور معمولات، کتاب وسنت اور سلف صالحین کے ارشادات کی روشنی میں پیش کیے جائیں گے، کسی کو قائل کر دینا ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ دلوں کی دنیا کو ہدایت آشنا کرنا، رب کریم جل مجدہٗ کا کام ہے۔

وهو ولی التوفیق والهدایة وصلی الله تعالیٰ علیٰ حبیبه محمد وعلیٰ آله و اصحابه اجمعین○

امام احمد رضا بریلوی

مفکر اسلام ------- امامِ اہل سنت

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی ۱۰ شوال المکرم ۱۴ جون ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۶ء کو بریلی (یوپی۔ بھارت) میں پیدا ہوئے۔ (محمد مسعود احمد، پروفیسر: حیات مولانا احمد رضا خاں (اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ) ص ۹۲) والد ماجد مولانا شاہ نقی علی خاں اور جد امجد مولانا رضا علی خاں اپنے دور کے اکابر علماء اہل سنت اور اولیاء اللہ میں سے تھے۔

حبیب کبریا علیہ التحیۃ والثناء کی محبت واطاعت آپ کی رگ وپے میں رچی بسی تھی۔ اپنے تو اپنے بیگانے بھی برملا اقرار کرتے ہیں کہ وہ واقعی عاشقِ رسول تھے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ آپ کی تصانیف اور نعتیہ کلام نے لاکھوں دلوں کو عشقِ مصطفےٰ ﷺ کی حلاوت سے آشنا کردیا۔

امام احمد رضا اکثر وبیشتر اپنے نام کے ساتھ عبد المصطفےٰ کا سابقہ نام استعمال کیا کرتے تھے۔ بعض لوگ اس کے جواز اور عدم جواز میں کلام کرتے ہیں، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایسا نام رکھنے کے بارے میں شرعی حکم معلوم کیا جائے۔

عبد المصطفےٰ

لفظِ عبد دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے: (۱) عابد (۲) غلام اور خادم۔ پہلے معنی کے اعتبار سے اس کی اضافت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہوگی۔ اپنے آپ کو اس کے ماسوا کا عبد کہنا شرک ہوگا۔ لیکن دوسرے معنی کے اعتبار سے محبوبانِ خدا کی نسبت سے اپنے آپ کو عبد کہنا قطعاً شرک نہیں ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وانکحو الا یامیٰ منکم والصلحین من عبادکم واما ئکم o

(القرآن، النور ۲۴، الآیۃ ۳۲)

''اور نکاح کردو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔''

اس جگہ غلاموں کے لیے عباد کا لفظ وارد ہوا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہo[۲] (۲ القرآن، الزمر ۳۹، الآیۃ ۵۳)

''تم فرماؤ! اے میرے وہ بندو، جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔''

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''چونکہ آنحضرت ﷺ واصل بحق ہیں، عباد اللہ کو عباد رسول کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **قل یا عبادی**

الذین اسر فوا علیٰ انفسهم مرجع ضمیر متکلم آنحضرت ﷺ ہیں۔" (امداد اللہ مہاجر مکی، حاجی: شمائم امدادیہ (قومی پریس لکھنؤ) ص ۱۳۵)

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"قرینہ بھی انہیں معنی کا ہے، آگے فرماتا ہے: لا تقنطوا من رحمة الله ٥ اگر مرجع اس کا اللہ ہوتا، فرماتا من رحمتی، تا کہ مناسبت عبادی کی ہوتی۔ (امداد اللہ مہاجر مکی، حاجی: شمائم امدادیہ ص ۱۳۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ ہم نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ خیبر کی طرف نکلے، اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔ غنیمت میں سونا چاندی تو نہیں ملا، البتہ ساز وسامان اور طعام دستیاب ہوا، واپسی پر ایک جگہ قیام فرمایا اس اثناء میں:

قام عبد رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یحل رحلهٗ ٥

(مسلم بن الحجاج القشیری: مسلم شریف (نور محمد کراچی) ج ۱ ص ۴۷)

"رسول اللہ ﷺ کا غلام ساز وسامان کھولنے لگا"

اس حدیث میں صراحۃً عبد کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کی گئی ہے۔

قاضی شوکانی لکھتے ہیں:

وقد ذهب الجمهور الی انه یجوز للسید ان یکره عبده وامة علی النکاح ٥ (محمد بن علی الشوکانی: تفسیر فتح القدیر (دار المعرفہ، بیروت) ج ۴، ص ۲۹)

"جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ آقا اپنے غلام اور کنیز کو نکاح پر مجبور کر سکتا ہے۔"

اس جگہ عبد، غلام کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور فقہ کی کتابوں میں استعمال بکثرت ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ کسی کا نام عبد النبی یا عبد الرسول رکھنا شرک نہیں ہے۔

مولوی اسمٰعیل دہلوی لکھتا ہے:

> "کوئی اپنے بیٹے کا نام عبد النبی رکھتا ہے ------ کوئی غلام محی الدین ---- کوئی غلام معین الدین ---------- اور دعویٰ مسلمانی کیے جاتے ہیں۔ سبحان اللہ! یہ منہ اور یہ دعویٰ!" (شاہ اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۵ - ٦)

امام احمد رضا بریلوی نے اس قسم کے فتووں کا نہ صرف تحریری رد کیا، بلکہ اپنے نام کے ساتھ "عبد المصطفےٰ" کا اضافہ فرمایا:

احسان الٰہی ظہیر لکھتے ہیں:

"ان کا نام محمد رکھا گیا، والدہ نے امن میاں، والد نے احمد میاں اور دادا نے احمد رضا نام رکھا، لیکن وہ ان میں سے کسی نام پر راضی نہ ہوئے اور اپنا نام عبد المصطفےٰ رکھا اور اسے بالالتزام استعمال کرتے تھے" (ترجمہ) (احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ ص ۱۴)

حالانکہ یہ کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ امام احمد رضا بریلوی کسی نام پر بھی راضی نہ ہوئے کیونکہ انہوں نے ہمیشہ دستخط

کرتے ہوئے اپنا نام احمد رضا ہی لکھا ہے اور اکثر اس نام کا ابتداء میں عبدالمصطفےٰ کا اضافہ کیا ہے تاکہ نام سے پہلے ہی غلامی مصطفےٰ کا پتہ چل جائے۔ یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہ ہوگا کہ والد ماجد نے جد امجد کا اور والدۂ ماجدہ نے والد ماجد کا تجویز کیا ہوا نام پسند نہ کیا اور اپنی طرف سے ایک نام رکھ دیا، بلکہ ہوتا یہ ہے کہ سرپرست اپنی اپنی پسند کا نام تجویز کر دیتے ہیں، یہ بھی اظہار محبت کا ایک انداز ہوتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

خدا کے بندے تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا، جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

ظہیر صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ان کا رنگ انتہائی سیاہ تھا اور اکے مخالفین ہمیشہ چہرے کی سیاہی کا طعنہ دیا کرتے تھے۔ اس کا اقرار ان کے بھتیجے نے بھی کیا ہے۔'' (ترجمہ) (ایضاً البریلویہ ص ۱۴)

مولانا حسنین رضا خاں بریلوی لکھتے ہیں:

''ابتدائی عمر میں آپ کا رنگ چمکدار گندمی تھا۔ ابتداء سے وصال تک مسلسل محنت ہائے شاقہ نے رنگ کی آب وتاب ختم کردی تھی۔'' (نسیم بستوی: اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۴۰)

دن رات کی محنت سے وہ چمک نہیں رہتی جو ابتداء میں ہوتی ہے، لیکن یہ کہاں لکھا ہے کہ ان کا رنگ انتہائی سیاہ تھا؟ جہاں تک مخالفین کا تعلق ہے، تو ان کی مخالفت ہی خوبصورت کو بدصورت دکھانے کے لیے کافی ہے۔

حضرت رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

دید بو جہلے محمد راہ وہ گفت
زشت روئے در بنی ہاشم شگفت

کیا ابوجہل کا قول بھی بہ طور حجت پیش کیا جا سکتا ہے۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہنرش در نظر

ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری لاہور، اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں:

''منبر پر ان کے بیٹھنے اور ان کے حلیۂ مبارک کا منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ حضرت والا بلند قامت، خوبرو اور سرخ وسفید رنگ کے مالک تھے۔ ڈاڑھی اس وقت سفید ہو چکی تھی، مگر نہایت خوبصورت تھی۔''

(عابد احمد علی، ڈاکٹر: مقالات یوم رضا (رضا اکیڈمی، لاہور) حصہ ۳، ص ۱۷)

مشہور ادیب اور نقاد نیاز فتح پوری نے آپ کو دیکھا تھا، وہ لکھتے ہیں:

''ان کا نورِ علم ان کے چہرے بشرے سے ہویدا تھا، فروتنی، خاکساری کے باوجود ان کے روئے زیبا سے حیرت انگیز

حدتک رعب ظاہر ہوتا تھا۔“

(محمد مسعود احمد پروفیسر: افتتاحیہ رضا (عظیم پبلی کیشنز، لاہور) ص ۱۷)

ص۱۴ پر لکھا:

”انہیں ہمیشہ شدید دردِسر اور بخار رہتا تھا۔“

یہ ہمیشہ اور شدید کی قید کہاں سے آگئی؟ ملفوظات میں صرف اس قدر ہے:

”الحمدللہ! کہ مجھے اکثر حرارت، دردِسر رہتا ہے۔“

(محمد مصطفیٰ رضا خاں، مفتی اعظم: ملفوظات (حامد اینڈ کمپنی، لاہور) ص۶۴)

ص۱۴ پر یہ بھی لکھا:

”ان کی داہنی آنکھ پانی اُتر آنے سے بے نور ہو گئی تھی۔“

حقیقتاً یہ بالکل واقع کے خلاف ہے، ہوا یہ کہ ۱۳۰۰ھ میں مسلسل ایک مہینہ باریک خط کی کتابیں دیکھتے رہے۔ گرمی کی شدت کے پیشِ نظر ایک دن غسل کیا:

”سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے دہنی آنکھ میں اتر آئی، بائیں آنکھ بند کر کے دہنی سے دیکھا تو وسطِ شے مرئی میں ایک سیاہ حلقہ نظر آیا۔“

(ملفوظات (حامد اینڈ کمپنی، لاہور) ص ۲۰)

مولانا سید اشفاق حسین سہسوانی نے آنکھ کا معائنہ کر کے کہا کہ بیس سال بعد پانی اتر آئے گا۔ پھر ۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب نے رائے دی کہ چار سال بعد پانی اتر آئے گا۔ پہلے طبیب کے مطابق ان کا حساب بالکل درست تھا۔ امام احمد رضا بریلوی، حضور اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی دعا رمدِ چشم کے مریض کو دیکھ کر پڑھ چکے تھے، وہ دعا یہ ہے: **الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاك به وفضلی علیٰ كثیر ممن خلق تفضیلاo**

امام احمد رضا خاں بریلوی کا یقین محکم دیکھئے فرماتے ہیں:

”محبوب ﷺ کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے متزلزل ہوتا۔ الحمدللہ! کہ بیس در کنار، تیس برس سے زائد گزر چکے ہیں اور وہ حلقہ ذرہ بھر بھی نہیں بڑھا، نہ بعونہٖ تعالیٰ بڑھے، نہ میں نے کتاب بینی میں کمی کی، نہ ان شاء اللہ تعالیٰ کمی کروں۔“ (محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا: ملفوظات ص۲۱)

لیکن مخالف لوگوں نے سینہ زوری سے لکھ دیا:

”وانطفئت لنزول الماء فیها“

خدا نہ کرے اگر کسی کو واقعی ایسا عارضہ لاحق ہو جائے، تو کیا اس بنا پر اس کے علم وفضل پر طعن کیا جا سکتا ہے؟

”مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر عبدالعزیز بن باز نابینا ہیں۔ ریاض ہائی کورٹ کے چیف جج محمد ابراہیم اور مسجد

نبوی کے ایک خطیب بھی نابینا ہیں۔

(منظور احمد شاہ، مولانا: حضور الحرامین (مکتبہ فریدیہ، ساہیوال) ص ۶۳)

ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا؟

قوتِ حافظہ

”امام احمد رضا خاں بریلوی کی زیارت کرنے والے جانتے ہیں کہ ان کا حافظہ غضب کا تھا، ان کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا ان کی یاداشت اور قوتِ استحضار پر حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، انہوں نے ایک ماہ میں قرآن پاک یاد کیا۔“ (نسیم بستوی، مولانا: اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۲-۱۰۱)

ایک دن اور رات میں ”تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ“ کی دو جلدیں دیکھ کر مولانا وصی احمد محدث سورتی کو واپس کر دیں اور جب انہوں نے فرمایا کہ ملاحظہ فرمالیں تو بھیج دیں۔ امام احمد رضا نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے امید ہے کہ دو تین مہینے تک تو جہاں کی عبارت کی ضرورت ہوگی، فتویٰ لکھ دوں گا اور مضمون تو انشاء اللہ تعالیٰ عمر بھر کے لیے محفوظ ہوگیا۔“ (نسیم بستوی، مولانا: اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۸۲)۔

۱۳۲۳ھ میں دوبارہ حج زیارت کے لیے گئے تو مکہ معظمہ میں مسئلہ علم غیب میں عظیم وجلیل کتاب ”الدولۃ المکیۃ“ مجموعی طور پر آٹھ گھنٹوں میں لکھوادی، (احمد رضا البریلوی، امام: الدولۃ المکیہ (مکتبہ ایشیق، ترکی) ص ۱۵۱)۔ باوجودیکہ آپ کے پاس کتابیں موجود نہ تھیں اور مدینہ طیبہ حاضری کی جلدی تھی۔ (احمد رضا البریلوی، امام: الدولۃ المکیہ (مکتبہ ایشیق، ترکی) ص ۹) ۔مزید برآں بخار کی حالت میں آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ مبارکہ اور اقوالِ ائمہ سے اپنے موقف کو ثابت کیا اور بڑی عمدگی سے ثابت کیا۔

ان کی تصانیف کے مطالعہ سے یہ حقیقت عیاں ہوجاتی ہے کہ مبدأ فیاض نے انہیں حیرت انگیز حافظہ اور قوتِ استحضار سے نوازا تھا۔

لیکن دیانت کے بجائے محض مخالفت کی عینک سے دیکھا جائے تو اس قسم کا تاثر ابھرتا ہے،

”وہ غائب دماغ تھے، یادداشت کمزور اور نسیان غالب تھا۔ ایک دفعہ عینک اونچی کر کے ماتھے پر رکھ لی، گفتگو کے بعد تلاش کرنے لگے، کچھ دیر بعد ہاتھ چہرے پر پھیرا تو عینک مل گئی۔“

(احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ ص ۱۴)

واقعہ یہ ہے کہ جب انسان کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہو تو اس کی توجہ آس پاس کی کئی چیزوں کی طرف نہیں ہوتی۔ امام مسلم (صاحب صحیح مسلم) ایک حدیث کے تلاش کرنے میں اس قدر منہمک ہوئے کہ پاس رکھی ہوئی کھجوروں کی بڑی تعداد تناول فرماگئے اور یہی حادثہ ان کے وصال کا سبب بن گیا۔ عینک کی طرف توجہ نہ ہونے کو غلبہ نسیان کی دلیل بنانا اور تحقیق مسائل کے دوران صرف سالن کھالینے اور روٹی کی طرف نظر نہ جانے سے آنکھ کے بے نور ہونے پر استدلال، کسی طرح بھی معقول نہیں ہے۔

قوتِ ایمان

حدیث شریف میں سرورِ عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے گا، اس بلا سے محفوظ رہے گا، وہ دعا یہ ہے:

الحمد لله الذی عافانی مما ابتلاك به و فضلنی علیٰ کثیرٍ ممن خلق تفضیلا ○

امام احمد رضا بریلوی، طاعون کے کئی بیماروں کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ چکے تھے اور انہیں یقین تھا کہ یہ مرض مجھے لاحق نہ ہوگا۔

ایک دعوت میں گائے کے گوشت کے کباب تیار کئے گئے تھے۔ گائے کا گوشت آپ کی طبیعت کے لیے سخت مضر تھا، لیکن ازراہِ اخلاق صاحبِ خانہ سے کوئی اور چیز طلب نہ کی، وہی کباب کھالیے۔ اسی دن مسوڑھوں میں ورم ہوگیا اور اتنا بڑھا کہ بات چیت بند ہوگئی۔ کان کے پیچھے گلٹیاں نمودار ہوگئیں۔ ساتھ ہی تیز بخار آگیا، ان دنوں بریلی شریف میں طاعون کی وبا پھیلی ہوئی تھی۔ طبیب کو بلایا اس نے کہا یہ وہی ہے۔ امام احمد رضا مطمئن تھے کہ طاعون نہیں ہے۔ رات کے آخری حصے میں بے چینی بڑھی تو دعا کی:

اللھم صدق الحبیب و کذب الطبیب○

”اے اللہ! اپنے حبیب کریم ﷺ کی بات سچی کر دکھا اور طبیب کی بات جھوٹی بنا دے۔“

اتنے میں کسی نے دائیں کان کے قریب منہ کرکے کہا کالی مرچ اور مسواک استعمال کرو۔ ان دونوں چیزوں کا استعمال کرنا تھا کہ کلی بھر خون آیا اور طبیعت بحال ہوگئی اور طبیب کو پیغام بھجوا دیا کہ آپ کا وہ طاعون دفع ہوگیا۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

> **”میں خوب جانتا تھا کہ یہ (طبیب) غلط کہہ رہا ہے، نہ مجھے طاعون ہے، نہ انشاء اللہ العزیز کبھی ہوگا، اس لیے کہ میں نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا وہ دعا پڑھ لی ہے۔“ (محمد مصطفےٰ رضا خاں، مفتی اعظم: ملفوظات (حامد اینڈ کمپنی، لاہور) ص ۱۹-۲۰)**

اس کے برعکس مخالف کا قلم یہ کہتا ہے:

”وہ طاعون میں مبتلا ہوئے اور خون کی قے کی۔“ (احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ، ص۱۵)

خود انصاف کیجئے کہ اس بیان کا حقیقت سے ذرہ بھر بھی تعلق ہے؟

غیرتِ عشق

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ، کا اللہ تعالیٰ اور نبی اکرم ﷺ کی محبت میں سرشار ہونا ایک عالم کے نزدیک مسلم ہے اور محبت وہ نازک اور لطیف جذبہ ہے۔ جو محبوب کی شان میں کسی توہین اور بے ادبی کو برداشت نہیں کرسکتا۔ امام احمد رضا کی وصیت کے

الفاظ ملاحظہ ہوں، فرماتے ہیں:

”جس سے اللہ ورسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔۔۔۔۔ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔“ (حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف (مکتبہ اشرفیہ، مرید کے، ص ۱۹)

پروفیسر محمد مسعود احمد، امام احمد رضا کے اس انداز پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس میں شک نہیں کہ مخالفین کی قابلِ اعتراض تحریرات پر فاضل بریلوی نے سخت تنقید فرمائی ہے اور بسا اوقات لہجہ بھی نہایت درشت ہے، لیکن کسی مقام پر تہذیب وشائستگی سے گرا ہوا نہیں ہے۔ وہ ناموسِ مصطفےٰ ﷺ کی حفاظت میں شمشیر بکف نظر آتے ہیں۔ مگر ان کے مخالفین، ناموسِ اسلاف کی حفاظت میں تیغ براں لیے نظر آتے ہیں، دونوں کے طرزِ عمل میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔“ (محمد مسعود احمد، پروفیسر: فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں (مرکزی مجلس، رضا، لاہور) ۲۰۰-۱۹۹)

پروفیسر صاحب، امام احمد رضا کے اس وصف کو تعریف وتحسین کے انداز میں پیش کر رہے ہیں، لیکن مخالف اپنے جگر کی ٹھنڈک کے لیے تحریف کر کے اسی وصف کو مذموم انداز میں پیش کرتا ہے، ملاحظہ ہو:

سریع الانفعال، شدید الغضب، طویل اللسان○ (احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ، ص ۱۵)

”وہ جلد منفعل ہو جاتے، سخت غضب ناک اور زبان دراز تھے۔“

ہمیں تسلیم کہ امام احمد رضا بہت غیور تھے، لیکن کس لیے؟ خدا اور رسول کے بے ادب اور گستاخ کے لیے، جبکہ اہلِ ایمان ومحبت کے لیے سراپا لطف وکرم تھے، بقولِ اقبال:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو شمشیر ہے مومن

لیکن یہ سریع الانفعال، طویل اللسان“ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ یہ تو سراسر ایجادِ بندہ ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اپنے پاس سے یہ بھی اضافہ کر دیا۔

لعانا، سبابا، فاحشا (احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ، ص ۱۵) ”کثرت سے لعنت بھیجتے، گالیاں دیتے اور فحش گوئی کرتے تھے۔“

یہ ہے خالص تحریف اور تلبیس، یہ عبارت نہ ماقبل سے متعلق ہے اور نہ مابعد سے، درمیان میں اپنے پاس سے یہ الفاظ بڑھا دیئے اور تاثر یہ دینے کی کوشش کی کہ باحوالہ بات کی جارہی ہے، حالانکہ اس کا کوئی حوالہ نہیں۔ یہ انداز دین اور دیانت کے سراسر خلاف ہے۔

حزم واحتیاط

امام احمد رضا بریلوی کی شانِ افتاء اور فقہی جزئیات پر عبور کو مخالفین بھی تسلیم کرتے ہیں:

ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

یندر نظیرہ فی عصرہ فی الا طلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاتہ یشہد بذالک مجموع فتاواہ وکتابہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم ٥ (عبدالحی لکھنوی حکیم: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۴۱)

''فقہ حنفی اوراس کی جزئیات پرعبور رکھنے میں ان کے زمانے میں شاید ہی کوئی ان کا ہم پلہ ہو، اس پر ان کا فتاویٰ اوران کی تصنیف ''کفل الفقیہ'' شاہد ہے۔''

مسئلہ تکفیر میں امام رضا بریلوی کی احتیاط کے بارے میں قاضی عبدالنبی کوکب لکھتے ہیں:

''مقالاتِ یوم رضا کی تقدیم میں امامِ اہل سنت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے فتوائے تکفیر کی حیثیت اوراہمیت اوراس فتویٰ میں ان کی شرعی احتیاط اوراحساسِ ذمہ داری کے بارے میں، میں نے کس انداز میں بحث کی ہے؟ تقدیم مذکور کے ۱۲ پر میں نے صاف طور پر یہ کہا ہے کہ اعلیٰ حضرت نے جن دیوبندی عبارات پر کفر کا فتویٰ دیا ہے، وہ مفتی شرع کے نزدیک واقعی اور حتمی طور پر کفریہ تھیں، جن میں کسی تاویل کی قطعاً کوئی گنجائش نہ تھی۔''

میرے الفاظ یہ ہیں:

مولانا احمد رضا کے نزدیک بعض علماء دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انہوں نے انہیں سمجھا، یعنی ان کے نزدیک عبارات زیرِ بحث یقیناً کفریہ عبارات تھیں اور کفریہ بھی ایسی کہ جن میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں پا سکے تھے۔

اس کے بعد میں نے اسی تقدیم کے ص ۱۳ پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ، کے بارے میں بتایا ہے کہ مسئلہ تکفیر میں وہ از حد محتاط اور احساس ذمہ داری سے معمور تھے اور یہاں اعلیٰ حضرت کی عباراتِ سبحان السبوح نقل کرتے ہوئے ان کا اپنا موقف دکھایا ہے کہ کفر کا حکم صرف اسی وقت لگایا جاتا ہے۔ جب کوئی ادنیٰ سا احتمال بھی حکم اسلام کا باقی نہ رہے۔

نیز اپنی کتاب مقالاتِ یوم رضا کے ص ۱۵ پر اس بندۂ قاصر نے اعلیٰ حضرت کے فتوائے تکفیر کے بارے میں پوری صراحت کے ساتھ یہ اعلان کیا ہے کہ انہوں نے یہ فتویٰ کامل نیک نفسی اور دیانتِ شرعیہ سے لگایا کہ وہ بالیقین عباراتِ دیوبندیہ کو ہرگز قابل تاویل تصور نہیں فرماتے تھے، میرے الفاظ صفحہ مذکورہ پر حسب ذیل ہیں:

''مولانا احمد رضا (اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز) نے جن عبارات پر کفر کا فتویٰ لگایا، وہ یقیناً نیک نفسی شرعی دیانت سے لگایا تھا اور یہ کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور تھے، کیونکہ ان کے نزدیک یہ عبارت قابلِ تاویل ہرگز نہ تھیں۔'' (مقالاتِ یوم رضا ۱۵)

قارئین نے اندازہ کرلیا ہوگا کہ میں مقالاتِ یوم رضا کی تقدیم میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کو بحیثیت مفتی شرع مبین، کس قدر محتاط اور حقیقت پسند ان کے فتاویٰ مبارکہ کو قاطبۃً (تمام کے تمام مبنی بر اصول افتاء قرار دیا ہے۔''

(قاضی عبدالنبی کوکب: ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ (جمادی الاولیٰ ۱۳۹۶ھ) ص ۱۱-۹)

لیکن مخالفانہ ذہنیت یہ تاثر دیتی ہے:

''ان (امام احمد رضا) کے محب اوران کے معتقدات وافکار کے معاون (کوکب) یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ وہ مخالفین پر بہت

سخت اور شدید تھے اور اس بارے میں شرعی احتیاط نہیں رکھتے۔" (احسان الٰہی ظہیر: البریلویۃ (بحوالہ مقالات یوم رضا للکوکب، ص ۳۰) ص ۱۵)

یہی بات گکھڑ (ضلع گوجرانوالہ) کے مولوی سرفراز نے اپنی کتاب عباراتِ اکابر میں لکھی تھی، جس کے جواب میں قاضی عبدالنبی کوکب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک بیان جاری کیا جس کا طویل اقتباس اس سے پہلے پیش کیا جاچکا ہے، اس بیان میں قاضی صاحب لکھتے ہیں:

کچھ عرصہ ہوا مجھے ایک دیوبندی مؤلف کی کتاب دکھائی گئی اور نشان دہی کی گئی کہ اس کے صفحات ۳۹ تا ۴۱ پر آپ (مضمون نگار، کوکبؔ) کی طرف یہ نظریہ منسوب کیا گیا کہ آپ اعلیٰ حضرت کے فتاوائے تکفیر دیوبند کو برحق نہیں سمجھتے، بلکہ اس فتویٰ کو مبنی پر جذباتیت قرار دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اس فتویٰ میں شرعی حدود اور افتاء کے تقاضوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ میں نے فوری طور پر اس افتراء سے اظہارِ برأت کیا اور اس پر لعنة الله على الكاذبين پڑھنا ضروری سمجھا۔" (عبدالنبی کوکب، قاضی: رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ (جمادی اولیٰ ۱۳۹۶ھ) ص ۹)۔

قاضی صاحب کے اس بیان کے بعد مخالف کے الزامی حوالہ جات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ ص ۱۵ پر لکھا:

ان کی شدت کے سبب ان کے مخلص ترین لوگ الگ ہو گئے، مثلاً شیخ محمد یٰسین ناظم مدرسہ اشاعت العلوم۔"

یہ بات حیاتِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھی گئی ہے، حالانکہ اس میں صرف اتنا ہے کہ مولوی محمد یٰسین صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ اور اشاعت العلوم، بریلی کے بانی تھے۔ ایک زمانہ تک خاموشی سے درس وتدریس میں مصروف رہے۔ امام احمد رضا بریلوی کو اپنے استاد کے مرتبہ میں سمجھتے تھے، کیونکہ وہ اعلیٰ حضرت کے دوست مولانا احمد حسن کانپوری کے شاگرد تھے۔ ۱۳۲۷ھ میں جب دارالعلوم دیوبند کے تمام فارغ ہونے والوں کو جمع کر کے ان کی دستار بندی کی گئی تو ان کا رجحان دیوبندی مکتب فکر کی طرف ہو گیا۔" واقعہ صرف اتنا ہے باقی خود ساختہ داستان ہے کہ وہ امام احمد رضا بریلوی کی شدت کے سبب ان سے الگ ہو گئے تھے۔

ص ۱۶-۱۵ پر حیاتِ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"مولانا احمد رضا خاں کے والد کا قائم کردہ مدرسہ مصباح التہذیب ان کی شدت کے سبب ان سے جدا ہو گیا اور عین ان کے گھر میں بریلویوں کے لیے کوئی مدرسہ نہ رہ گیا۔" (ترجمہ)

حالانکہ مولانا ظفرالدین بہاری تحریر فرماتے ہیں:

"بریلی میں ۱۲۸۹ھ میں اعلیٰ حضرت کے والد ماجد قدس سرہ العزیز نے ایک مدرسہ قائم کیا اور اس کا تاریخی نام مصباح التہذیب (۱۲۸۹ھ) رکھا تھا، دستبرد زمانہ سے آہستہ آہستہ تنزل کرتا دوسروں کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ اہل سنت کے لیے سوا بارگاہِ رضوی کے دوسری جگہ تعلیم کی نہ تھی۔ (ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت (مکتبہ رضویہ کراچی) ج ۱، ص ۲۱۱)۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ مدرسہ مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے سبب دوسروں کے ہاتھوں چلا گیا۔ امام احمد رضا بریلوی کی شدت کا اس میں دخل نہ تھا۔ نیز یہ کہ بارگاہِ رضوی میں اہل سنت کی تعلیم کا انتظام تھا، لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں کہ خود ان کے گھر میں کوئی مدرسہ نہ رہ گیا۔

عبقریت

بعض افراد پیدائشی طور پر جینئس ہوتے ہیں، قدرتِ کاملہ انہیں حیرت انگیز صلاحیتیں عطا فرما کر دنیا میں بھیجتی ہے۔ بڑے بڑے عقلا ان کی صلاحیتوں کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی بھی ایسے ہی عبقری تھے، ایک واقعہ ملاحظہ ہو:

استاذ نے جب ابتدائی قاعدہ شروع کروایا، تو الف باء تاء پڑھاتے ہوئے جب لام الف (لا) پر پہنچے تو نوعمر صاحبزادے خاموش ہو گئے استاذ نے جب کہا پڑھو لام الف، تو عرض کیا یہ دونوں تو پہلے ہی پڑھ لیے، دوبارہ کیوں؟ آپ کے جدامجد حضرت مولانا رضا علی خاں پاس ہی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے فرمایا: سب سے پہلے جو الف پڑھا گیا ہے، وہ دراصل ہمزہ ہے، الف چونکہ ساکن ہوتا ہے، اور ساکن کے ساتھ ابتداء مشکل ہوتی ہے، اس لیے اس کی ابتداء میں لام ملا کر پڑھا جاتا ہے تاکہ الف، حالتِ سکون میں پڑھا جا سکے۔ اس پر ذہین صاحبزادے نے عرض کیا کہ پھر لام ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ باء تاء وغیر کوئی اور حرف ملا کر بھی پڑھ سکتے تھے۔ جدِ امجد نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا: دعائیں دیں اور فرمایا:

”لام اور الف میں سورۃً خاص مناسبت ہے اور ظاہراً لکھنے میں بھی دونوں کی صورت ایک ہی ہے لا یا لا اور سیرۃً اس وجہ سے کہ لام کا قلب الف اور الف کا قلب لام، یعنی یہ اس کے بیچ میں اور وہ اس کے بیچ میں۔ (نسیم بستوی، مولانا: اعلیٰ حضرت بریلوی (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۲۷-۲۶)

احسان الٰہی ظہیر اس باریک نکتے کو نہیں سمجھتے اور تعجب سے پوچھتے ہیں:

”ان عجمیوں سے کوئی پوچھے کہ الف اور لام میں صورۃً اور سیرۃً کونسا اتفاق ہے، جسے تین چار سال کے بچے نے سمجھ لیا اور جسے لسانیات کے معلم اور ماہر نہیں سمجھ سکے؟ (ترجمہ) (احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ، ص ۱۷)

حالانکہ بات ظاہر ہے کہ لام اور الف میں صورۃً مناسبت یہ ہے کہ دونوں کو ملا کر اس طرح لکھا جاتا ہے کہ لا سے اگر الٹ لکھیں تو بھی لا ہی لکھا جائے گا، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ لام بصورتِ الف اور الف بصورتِ لام لکھا گیا ہے اور سیرۃً مناسبت یہ ہے کہ ل حرف ہے اور اس کا اسم لام (ل ا م) ہے جس کے درمیان الف آیا ہوا ہے اور حروف تہجی کا پہلا حرف ا ہے، اس کا اسم الف (ا ل ف) ہے، اس کے درمیان لام آیا ہوا ہے، چونکہ ان کے درمیان صورۃً و سیرۃً مناسبت ہے، لہٰذا جب الف کو کسی حرف کے ساتھ ملا کر لکھنے کا ارادہ کیا گیا، تو لام کو الف کے ساتھ ملا کر لکھا گیا۔ لا یہ وہ باریک نکتہ تھا جو امام احمد رضا نے بچپن میں سمجھ لیا اور نام کے ماہرین تعلیم اب بھی سمجھنے سے قاصر ہیں۔

اتباعِ سنت

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ، کی حیاتِ طیبہ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ انہیں اتباعِ سنت سے کس قدر شغف تھا، ان کے ایک ایک فعل کو میزانِ سنت میں تولا جا سکتا تھا، انہیں اکثر طور پر دردِ سر اور بخار کا عارضہ رہتا تھا۔ اگرچہ یہ غیر اختیاری اور تکلیف دہ امر تھا، لیکن انہوں نے اس میں بھی اتباعِ سنت کا پہلو ڈھونڈ نکالا، فرماتے ہیں:

”دردِسراور بخار وہ مبارک امراض ہیں جو انبیاء علیہم السلام کو ہوتے تھے، ایک ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دردِسر ہوا آپ نے اس شکر میں تمام رات نوافل میں گزاردی کہ رب العزت نے مجھے وہ مرض دیا جو انبیاء علیہم السلام کو ہوتا تھا۔ ہر ایک مرض یا تکلیف جسم میں جس موضع پر ہوتی ہے، وہ زیادہ کفارہ اسی موقع کا ہے کہ جس کا تعلق خاص اس سے ہے، لیکن بخار وہ مرض ہے کہ تمام جسم میں سرایت کر جاتا ہے، جس سے باذنہٖ تعالیٰ تمام رگ رگ کے گناہ نکل جاتے ہیں۔ الحمد للہ کہ مجھے اکثر حرارت، دردِسر رہتا ہے۔“ ملخصاً
(محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا: ملفوظات (حامد اینڈ کمپنی، لاہور) ص۶۴)

نگاہِ عداوت، اتباعِ سنت کی فضیلت کو کس انداز میں پیش کرتی ہے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

”وہ (امام احمد رضا) انبیاء سے کم شان پر راضی نہیں ہوتے تھے۔ ایک دفعہ اپنے مریدین کو دردِسر اور بخار کی شکایت کرتے ہوئے کہا:

یہ بیماریاں مبارک ہیں اور ہمیشہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہوا کرتی تھیں، الحمد للہ مجھے بھی لازم ہیں، جیسے انہیں لازم تھیں۔“ (ظہیر: البریلویہ ص۱۷)

دیکھا آپ نے کہاں اتباعِ سنت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا اور کہاں انبیا کی ہمسری کا دعویٰ کرنا؟ پھر یہ کہ انہوں نے ان عوارض پر شکایت کہاں کی ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہے ہیں کہ ارادہ واختیار کے بغیر سنتِ انبیا حاصل ہوگئی۔

ہمسری کا دعویٰ دیکھنا ہو تو تقویۃ الایمان کا مطالعہ کر ڈالیے، لکھتے ہیں:

> ”اولیاء وانبیاء وامام زادہ پیر وشہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں، وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑائی دی، وہ بڑے بھائی ہوئے، ہم کو ان کی فرماں برداری کا حکم ہے، ہم ان کے چھوٹے بھائی ہیں۔“ (محمد اسماعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص۴۷)

یہ ہے دعوائے ہمسری کہ ہمارے اور انبیاء کے درمیان اتنا ہی فرق ہے کہ وہ بڑے بھائی اور ہم چھوٹے بھائی۔ اس پر امام احمد رضا بریلوی کا تبصرہ ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

آں یکے گویاں محمد آدمی ست
چوں من و ز وحی آورا بر تریست
جز رسالت نیست فرقے درمیاں
من برا در خورد باشم او کلاں
ایں ندا ند از غبی آں ناسزا
یا خود ست ایں ثمرۂ ختم خدا
کہ بود مر لعل را فضل و شرف
کے بود ہم سنگ او، سنگ و خزف
واں دمے کز حلق ضبوے جہد
کے بفضل مشک او قربی رسد
بے چہ گفتم ایں چنیں شبہ شنیع
کے بود شایان آں قدر رفیع

لعل چہ بود جوہرے با سرخئے — مشک چہ بود خون ناف وحشئے
مصطفےٰ نور جناب امر کن — آفتاب برج علم من لدن
معدن اسرار علام الغیوب — برزخ بحرین، امکان ووجوب

(احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش (مدینہ پبلشنگ، کراچی) ج۳،ص۸۸)

- ☆ ''ایک شخص کہتا ہے کہ محمد ﷺ میری طرح آدمی ہیں، انہیں وحی میں مجھ پر برتری حاصل ہے۔
- ☆ رسالت کے علاوہ اور کوئی فرق نہیں، وہ بڑے بھائی ہوئے اور میں چھوٹا۔
- ☆ وہ نالائق، نابینائی کے سبب نہیں جانتا، یا یہ خدائی مہر کا نتیجہ ہے۔
- ☆ کہ سنگریزہ اور ٹھیکرا، فضیلت وشرافت میں لعل کا ہمسر کیسے ہوسکتا ہے؟
- ☆ وہ خون جو ذبیحہ کی شہ رگ سے نکلتا ہے، وہ مشکِ اذفر کا ہم پایہ کیسے ہوسکتا ہے؟
- ☆ ہائے افسوس! میں نے یہ نامناسب تشبیہ کیا بیان کردی، یہ اس شانِ بلند کے شایان شان کیسے ہوسکتی ہے۔
- ☆ مصطفےٰ ﷺ بارگاہِ الٰہی کا نور اور علم لدنی کے برج کا آفتاب ہیں۔
- ☆ علام الغیوب جل وعلا کے اسرار کی کان اور امکان ووجوب کے دریاؤں کی حد فاصل ہیں۔''

امام احمد رضا بریلوی ، حروف ابجد کے لحاظ سے تاریخ نکالنے میں بے نظیر تھے، ان کی اکثر تصانیف کے نام ایسے جچے تلے ہوتے تھے کہ وہ کتاب کے موضوع کی نشان دہی بھی کرتے اور اس کے ساتھ ہی سن تصنیف کی تعیین بھی کردیتے تھے اور کیا مجال کہ عربی عبارت میں کوئی جھول پیدا ہو۔ انہوں نے اپنی تاریخ پیدائش اس آیت سے استخراج کی یعنی ابجد کے حساب سے اعداد حروف کو جمع کیا جائے تو مجموع ۱۲۷۲ھ ہوگا، یہی آپ کا سالِ ولادت ہے:

اولٰئك كتب فی قلوبهم الايمان وايدهم بروح منه ٥

> ''یہ وہ لوگ ہیں، جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ سے ان کی مدد فرمائی۔''

اور فرماتے ہیں:

> اگر میرے قلب کو دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم، ایک پر لکھا ہوگا لا الٰہ الا اللہ دوسرے پر لکھا ہوگا محمد رسول اللہ اور بحمد اللہ ہر بدمذہب پر ہمیشہ فتح وظفر حاصل ہوئی۔ رب العزۃ جل جلالہٗ نے روح القدس سے تائید فرمائی۔'' (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج۱،ص۱)

اعداء کی نظر میں یہ بھی انبیاء کی ہمسری ہے، لکھا ہے:

وعلیٰ ذلك كان يقول: ان تاريخ ولادتی يستخرج من قول الله عزوجل والذی ينطبق علی ٥ (ظہیر:

البریلویہ، ص ۱۸-۱۷)

’’(انبیاء کی شان سے کم پر راضی نہیں ہوتے) اسی بناء پر کہتے تھے کہ میری ولادت کی تاریخ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے نکلتی ہے اور یہ فرمان مجھ پر منطبق ہے‘‘۔

اسے کہتے ہیں سینہ زوری، دعویٰ اور دلیل میں ہے کہ کوئی مناسبت؟ آیتِ مبارکہ سے تاریخ ولادت کیا نکالی کہ انبیاء کی ہمسری کا دعویٰ ہوگیا، معاذ اللہ ثم معاذ اللہ:

معصوم کون؟

صدر الشریعہ امجد علی اعظمی خلیفہ امام احمد رضا بریلوی نبوت سے متعلق عقائد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ’’نبی کا معصوم ہونا ضروری ہے اور یہ عصمت نبی اور ملک (فرشتے) کا خاصہ ہے کہ نبی اور فرشتے کے سوا کوئی معصوم نہیں، اماموں کو انبیاء کی طرف معصوم سمجھنا گمراہی و بد دینی ہے۔ عصمتِ انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لیے حفظِ الٰہی کا وعدہ ہولیا، جس کے سبب ان سے صدورِ گناہ شرعاً محال ہے، بخلاف آئمہ و اکابر اولیا کہ اللہ عزوجل انہیں محفوظ رکھتا ہے اور ان سے گناہ ہوتا نہیں۔ اگر ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔‘‘ (امجد علی اعظمی، مولانا: بہارِ شریعت (مکتبہ اسلامیہ، لاہور) ج ۱، ص ۱)

خلاصہ یہ کہ انبیاء کرام اور ملائکہ معصوم ہیں اور اولیاء کرام محفوظ۔۔۔۔۔ حیات اعلیٰ حضرت مقدمہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم (مطبوعہ فیصل آباد) اور انوار رضا میں مختلف واقعات کے ضمن میں لکھا گیا کہ امام احمد رضا بریلوی غلطی اور خطاء سے محفوظ اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت کے پہرے میں تھے۔ مخالفت آلودہ قلم نے ان کتابوں کے اقتباس نقل کیے اور حفاظت کا ترجمہ عصمت سے کر دیا اور تاثر یہ دیا کہ امام احمد رضا کے معتقدین انہیں مقامِ نبوت پر فائز کرنا چاہتے ہیں۔

حیاتِ اعلیٰ حضرت کا ایک اقتباس نقل کر کے اپنے پاس سے یہ جملہ بڑھا دیا:

یعنی ان العصمۃ کانت حاصلۃ لہٗ ۝ (احسان الٰہی ظہیر: البریلویہ ص ۱۸)

’’واقعی قلم کی آبرو سے کھیلنا اسی کو کہتے ہیں‘‘

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا یؤ من احد کم حتٰی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہٖ ۝

(شیخ ولی الدین، امام: مشکوٰۃ شریف (ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی) ص ۳۰)

’’تم میں سے کوئی کامل الایمان نہیں ہوگا، جب تک اس کی خواہش میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ ہوجائے‘‘۔

ایک دوسری حدیث میں فرمایا کہ بندہ فرائض کے بعد نوافل ادا کرتے کرتے اس مقام پر فائز ہوجاتا ہے: **ولسانہ الذی**

یتکلم بہo (محمد اسماعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی (مکتبہ سلفیہ، لاہور) ص ۱۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''میں اس کی زبان ہوتا ہوں، جس سے وہ کلام کرتا ہے''۔

اس بناء پر حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

گفتہ اوگفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

محدث اعظم ہند سید محمد کچھوچھوی، امام احمد رضا بریلوی کے متعلق فرماتے ہیں:

درحقیقت اعلیٰ حضرت، غوث پاک کے ہاتھ میں چوں قلم دردست کاتب تھے، جس طرح غوث پاک، سرکارِ دو عالم محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں چوں قلم دردستِ کاتب تھے اور کون نہیں جانتا کہ رسولِ پاک اپنے رب کی بارگاہ میں ایسے تھے جیسے قرآن کریم نے فرمایا: وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰo (سید محمد محدث کچھوچھوی: انوار رضا (شرکتِ حنفیہ، لاہور) ص ۲۷۰)

اس عبارت کو ایک مرتبہ پھر پڑھیے، کیا اس سے سوائے اس کے کچھ اور معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی مکمل طور پر سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تابع فرمان تھے اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرامین نبوی کے مکمل طور پر پیروکار۔ اور حضور نبی اکرم ﷺ کی شان تو یہ ہے: وما ینطق عن الھویٰ ''آپ کی گفتگو بھی اپنی خواہش سے نہیں۔''

لیکن مخالفت کی عینک سے دیکھنے والے کو اس میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ امام احمد رضا کو اپنا ہمسرِ انبیاء بنایا جا رہا ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ من ذالك۔

ملک شیر محمد اعوان (آف کالاباغ) نے لکھا ہے:

> ''آپ نے مختصری عمر میں جو کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں، وہ اس بات کے شاہد عادل ہیں کہ آپ کا وجود آیاتِ خداوندی میں سے ایک محکم آیت کا درجہ رکھتا تھا۔''
>
> (شیر محمد خاں اعوان، ملک: انوار رضا (شرکتِ حنفیہ، لاہور) ص ۱۰۰)

''یہ عبارت بھی بعض لوگوں کو کھٹکتی ہے۔'' (ظہیر: البریلویہ ص ۱۹)

حالانکہ ظاہر ہے کہ آیت سے مراد قرآن پاک کی آیت تو ہے نہیں، آیت کا لغوی معنیٰ مراد ہے۔ امام رضا کی حیاتِ مبارکہ سے واقفیت رکھنے والا ہر منصف اس بات کا اعتراف کرے گا۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''سید العلماء وسند الاولیاء حجۃ اللہ علی العالمین وارث الانبیاء والمرسلین'' (محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی، ص ۱۶۲)

حضرت شاہ صاحب کو حجۃ اللہ علی العالمین کہا جا سکتا ہے تو امام احمد رضا بریلوی کو آیۃ من آیاتِ اللہ کیوں نہیں کہہ سکتے۔

مظہرِ صحابہ کرام

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حیاتِ طیبہ، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب مکرم سرورِ عالم ﷺ کی محبت اور اطاعت سے عبارت تھی۔ ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی کہ محبوب کریم ﷺ کی ایک ایک ادا کو نہ صرف محفوظ کیا جائے، بلکہ اس پر عمل بھی کیا جائے، نیز سرکار دو عالم ﷺ کی عزت وناموس کی حفاظت کی خاطر وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ، کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرنے کے بعد اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تقویٰ وطہارت اور حبِ مصطفےٰ ﷺ کا عکسِ جمیل تھے۔

امام احمد رضا بریلوی کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

> ”بعض مشائخ کرام کو یہ کہتے سنا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اتباع سنت کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زیارت کا لطف آگیا، یعنی اعلیٰ حضرت قبلہ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم کے زہد وتقویٰ کا مکمل نمونہ تھے۔“ (یٰسین اختر مصباحی، مولانا: ضمیمہ ایمان افروز وصایا (مکتبہ اشرفیہ مرید کے) ص ۳۴)

وصایا شریف کے پہلے ایڈیشن کا کاتب اہل سنت وجماعت کا مخالف تھا۔ اس نے یہ عبارت تبدیل کردی اور غلط عبارت چھپ گئی۔ مرتب وصایا مولانا حسنین رضا خان نے وضاحت کی کہ میری مصروفیت کے سبب ”وصایا شریف“ ویسے ہی چھپ گیا۔ پھر انہوں نے مذکورہ بالا صحیح عبارت بھی بیان کردی کہ چونکہ میری غفلت اور بے توجہی شامل ہے، اپنی غفلت سے توبہ کرتا ہوں اور سنی مسلمانوں کو اعلان کرتا ہوں کہ وصایا شریف کے صفحہ ۲۴ میں اس عبارت کو کاٹ کر عبارت مذکورہ بالا لکھیں۔

(یٰسین اختر مصباحی، مولانا: ضمیمہ ایمان افروز وصایا (مکتبہ اشرفیہ مرید کے) ص ۳۵)

اس کے بعد یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا:

وعلیٰ ذٰلك قال احد المهينين لاصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ان زيارة البريلوى قللت اشتيا قنا الیٰ زيارة اصحاب النبى عليه السلام○ (ظہیر: البریلویہ ص ۱۹)

قابلِ رشک بچپن

> امام احمد رضا بریلوی کا بچپن بھی عام بچوں سے حیرت انگیز حد تک مختلف تھا، چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن مجید پڑھ لیا۔“ (ڈاکٹر مختار الدین آرزو: انوارِ رضا ص ۳۵۵)

”چھ سال کی عمر میں بڑے مجمع کے سامنے ماہ ربیع اول میں میلاد شریف کے موضوع پر پہلی طویل تقریر کی۔ (نسیم بستوی، مولانا: اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۳۰)۔ اور تیرہ سال دس ماہ کی عمر میں مروجہ علوم سے فارغ ہوئے۔“ (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص ۳۲)

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ، نے ایک مرتبہ فرمایا:

> "میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا، اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال کی ہوگی۔ ایک صاحب، اہل عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے عربی زبانی میں گفتگو فرمائی میں نے فصیح عربی میں ان سے گفتگو کی، اس بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ دیکھا۔" (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت، ص ۲۲)

کرامات کو تسلیم نہ کرنے والے اس واقعہ کو حیرت بلکہ انکار کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ خود انہیں تسلیم ہے کہ امام احمد رضا بریلوی علمی خاندان میں پیدا ہوئے تھے۔ (البریلویہ ص ۱۳)۔ پھر اس میں تعجب کی کونسی وجہ ہے کہ والد ماجد اور جد امجد کی توجہات کی بدولت وہ بچپن میں عربی میں گفتگو کرنے پر قادر ہوں، قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی مدظلہٗ کے بچے بھی عربی میں گفتگو کرتے ہیں۔

یہ مشہور اور مسلم ہے کہ سید احمد بریلوی ، شاہ اسمٰعیل دہلوی کے پیر و مرشد مروجہ درسی علوم حاصل نہیں کر سکے تھے۔ اس کے باوجود انہیں کتاب و سنت کا عالم ثابت کرنے کے لیے مولوی اسمٰعیل دہلوی نے ایک طریقہ اختیار کیا، وہ لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی عادت اسی قانون پر جاری ہے کہ کتاب و سنت کے مضامین، کتبِ عربیہ اور فنون ادبیہ کے حاصل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں، لیکن بعض نفوس کاملہ کو خرق عادت (کرامت) کے طور پر ان مضامین لطیفہ پر پہلے اطلاع دے دیتے ہیں اور اسے قوم کی اصطلاح میں علم لدنی کہتے ہیں۔ اور وہ فنونِ ادبیہ بعد میں میسر ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات مبادی کے حاصل کرنے میں مبتدیوں کی طرف ان فنون کے اساتذہ کی طرف محتاج ہوتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ابتدائی علوم و فنون سے خالی رہتے ہیں۔" (محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی، ص ۶-۱۲۵)

ملاحظہ فرمایا آپ نے، اپنے پیر و مرشد کا کمال ثابت کرنے کے لیے خرقِ عادت (کرامت بھی تسلیم، علم لدنی بھی مسلّم، بلکہ کتبِ عربیہ اور فنون ادبیہ سے محروم رہنے کے باوجود کتاب و سنت کے مضامین کا حصول نہ صرف مانا جا رہا ہے، بلکہ دوسروں کو منوانے پر زورِ بیان صرف کیا جا رہا ہے۔

لیکن امام احمد رضا بریلوی کا بچپن میں عربی میں گفتگو کرنا ایسا بعید امر ہے کہ حلق سے اترتا ہی نہیں، اس جگہ نہ کرامت تسلیم نہ علمِ لدنی کی گنجائش:

اہل سنت و جماعت پر بلا وجہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے امام کو انبیاء سے تشبیہ دینا چاہتے ہیں، بلکہ انبیاء سے بلند مرتبہ دکھانا چاہتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اور یہ امام احمد رضا بریلوی ، اساتذہ کی تعلیم کے محتاج نہ تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدائش کے وقت ہی علم عطا فرما دیا تھا۔ پھر طنزیہ انداز میں کہتے ہیں: "یا پھر ولادت سے پہلے ہی علم دے دیا تھا۔" (ظہیر: البریلویہ، ص ۱۷)

حالانکہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ولی کو نبی کے برابر یا افضل ماننا کفر ہے۔ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی فرماتے ہیں:

”ولی کتنا ہی بڑے مرتبے والا ہو، کسی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا، جو کسی غیر نبی کو کسی نبی سے افضل یا برابر بتائے، کافر ہے۔“

(امجد علی اعظمی مولانا: بہار شریعت (شیخ غلام علی، لاہور) ج ۱ ص ۱۵)

باقی رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ پیدائش کے وقت یا اس سے پہلے بھی علم عطا فرما دے، تو اس میں کونسی بات قابلِ اعتراض ہے؟ آیا یہ کہ اس وقت انسان میں قابلیت نہیں ہے تو اس کے لیے سید صاحب کے بارے میں مذکورہ بالا عبارت میں نفوس کاملہ، خرقِ عادت، اور علم لدنی کے الفاظ کی یاددہانی کافی ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شبہ ہے تو خود سوچ لیجیے کہ آپ کا ٹھکانا کہاں ہے۔

نبوت کا دعویدار کون؟

مولوی اسمٰعیل دہلوی نے صراط مستقیم نامی کتاب سید صاحب کی امامت بلکہ اس سے بھی بلند مقام ثابت کرنے کے لیے لکھی تھی، اس کا اندازہ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

”جو شخص ذات کا مراقبہ اس لحاظ سے کرے کہ وہ کمالاتِ نبوت کا منشا ہے، اسے نبوت کے ایک معنی پر فائز کر دیں گے، جس کا ادنیٰ درجہ اچھی خوابیں ہیں، اس طرح دوسرے درجے میں معنی رسالت کا اس پر فیضان ہوگا اور اسے تفہیم، تعظیم اور غافلوں، جاہلوں اور معاندوں سے مناظرہ کا الہام کیا جائے گا۔

تیسرے درجے میں نافرمانوں، سرکشوں کو ہلاک کرتے اور اطاعت کرنے والے مخلصین کو انعام و اکرام کی ہمت قویہ بخشتے ہیں۔“ (محمد اسمٰعیل دہلوی: صراط مستقیم، فارسی، ص ۱۴۸)

غور فرمایا آپ نے کہ مراقبہ کے پہلے درجے میں معنی نبوت، دوسرے درجے میں معنی رسالت اور تیسرے درجے میں معنی نعمت و ہلاکت دینے کی قوت دی جاتی ہے، یعنی آخر میں خدائی دے دی جاتی ہے۔ ”تقویۃ الایمان“ کا فتویٰ بھی سامنے رہے:

> ”یعنی اللہ سے زبردست کے ہوتے ایسے عاجز لوگوں کو پکارنا کہ کچھ فائدہ اور نقصان
> نہیں پہنچا سکتے، محض بے انصافی ہے کہ ایسے بڑے شخص کا مرتبہ ایسے ناکارہ لوگوں کو
> ثابت کیجئے۔“ (تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۱۶۳)

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ کسی کو فائدہ اور نقصان پہنچانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور یہی بات صراطِ مستقیم کے مطابق مراقبہ کے تیسرے درجے میں حاصل ہو جاتی ہے۔

صراطِ مستقیم کا خاتمہ پوری کتاب کا مقصد معلوم ہوتا ہے، اس کے چند اقتباسات دل پر ہاتھ رکھ کر پڑھ لیجئے: لکھتے ہیں:

> ”جاننا چاہیے کہ حضرت (سید احمد بریلوی) ابتدائے فطرت سے طریقِ نبوت کے
> اجمالی کمالات پر پیدا کئے گئے تھے۔ (محمد اسماعیل دہلوی: صراط مستقیم، فارسی، ص
> ۱۶۳)

پھر سید صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہاتھ پر سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ اس بیعت کے

اثرات شاہ اسمٰعیل دہلوی کی زبانی سنیے:

''حصول بیعت اور حضرت شاہ صاحب کی توجہات کی برکت سے بڑے وقیع معاملات ظاہر ہوئے۔ ان عجیب واقعات کے سبب سے وہ کمالات طریقِ نبوت جو ابتداء فطرت میں اجمالاً مندرج تھے، تفصیل اور شرح کو پہنچ گئے۔ (محمد اسماعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی، ص۱۶۴)۔

اس کے بعد ایک خواب بیان کرتے ہیں:

''ایک دن ولایت مآب علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ اور جناب سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو خواب میں دیکھا۔ جناب علی مرتضٰی نے حضرت سید صاحب کو اپنے دستِ مبارک سے غسل دیا اور ان کے بدن کو خوب اچھی طرح دھویا، جیسے باپ اپنے بیٹوں کو غسل دیتے ہیں اور جناب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے بہت قیمتی لباس اپنے دستِ مبارک سے انہیں پہنایا۔ (محمد اسماعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی، ص۱۶۴)۔

اس وقت دہلوی صاحب کو نہ تو یاد رہا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بعد از وصال تصرف ثابت کیا جا رہا ہے اور نہ ہی حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بے ادبی کا احساس رہا، کیونکہ وہ تو سید صاحب کے لیے کمالاتِ راہ نبوت کی راہ کھولنے میں مصروف تھے۔

آخر میں ٹیپ کا بند بھی ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

پس بسبب ہمیں واقعہ کمالات طریق نبوت، نہایت جلوہ گر گردید و اجتبائی ازلی کہ درازل الا زال مکنون ر و بر منصۂ ظہور سید و عنایت رحمانی و تربیت یزدانی بلا واسطہ احدی مکتفل حال، ایشاں شد و معاملاتِ متواترہ و وقائع متکاثرہ پی در پی بوقوع آمد امینکہ روزے حضرت جل و علا دست راست ایشاں را بدستِ قدرت خاص خود گرفتہ و چیزے را از امورِ قدسیہ کو بس رفیع و بدیع بود پیش روئی حضرت ایشاں کردہ فرمود کہ ترا ایں چنیں دادہ ام و چیز ہائے دیگر خواہ ہم داد۔ (محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی، ص۱۶۴)

''اسی واقعہ کے سبب کمالات طریق نبوت کامل طور پر جلوہ گر ہوئے اور ازلی انتخاب کہ ازل الازال میں پوشیدہ تھا، منصۂ ظہور اور رحمانی عنایت اور یزدانی تربیت کسی کے واسطہ کے بغیر ان کے حال کی کفیل ہوگئی۔ معاملات اور واقعات تواتر اور تسلسل سے پیش آئے۔ یہاں تک کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے سید صاحب کا ہاتھ، اپنی قدرتِ خاص کے ہاتھ میں پکڑا اور امورِ قدسیہ میں سے بلند عجیب چیز حضرت کے چہرے کے سامنے کی اور فرمایا تمہیں یہ کچھ دیا ہے اور بہت سی دوسری چیزیں بھی دوں گا۔''

مزید واشگاف انداز ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ

القصہ امثال ایں وقائع واشباہ ایں معاملات صدہادر پیش آمد تا ایں کہ کمالاتِ طریق نبوت بذروہ علیائے خود رسید والہام کشف بعلوم حکمت انجا مید این ست طریق استفادہ کمالاتِ راہ

نبوت۔ (محمد اسماعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی ص ۱۶۵)

''القصہ ایسے صدہا واقعات اور معاملات پیش آئے، یہاں تک کہ کمالات طریق نبوت اپنی انتہائی بلندی کو پہنچ گئے اور الہام وکشف علوم حکمت تک پہنچ گئے۔ یہ ہے کمالاتِ راہِ نبوت کے حاصل کرنے کا طریقہ۔''

اہل سنت پر محض الزام ہے کہ وہ اپنے امام کو انبیاء کے برابر، بلکہ ان سے بڑھ کر ثابت کرنا چاہتے ہیں، ''بہارِ شریعت'' کے حوالے سے اہل سنت کا عقیدہ اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ کسی ولی کو نبی کے برابر یا افضل بتانا کفر ہے۔ لیکن مذکورہ بالا عبارات کا ایک دفعہ پھر مطالعہ کیجئے، تو کھل جائے گا کہ کس طرح سید صاحب کی ابتداء فطرت میں کمالاتِ طریق نبوت اجمالاً مندرج دکھائے گئے۔ پھر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی بیعت کے بعد وہ کمالاتِ طریق نبوت شرح وتفصیل تک پہنچے۔ ''پھر کمالات طریق نبوت نہایت جلوہ گر گردید'' اور اس کے بعد ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور پھر تصریح کی کہ ''کمالات طریق نبوت بذروۂ علیائے خود رسید'' کمالاتِ طریقِ نبوت اپنی انتہائی بلندی کو پہنچ گئے۔

اب ہمیں بتایا جائے کہ اپنے پیر ومرشد کو منصب نبوت پر کون فائز دکھانا چاہتا ہے اہل سنت یا غیر مقلدین؟ یاد رہے کہ شاہ اسمٰعیل دہلوی علمائے غیر مقلدین کے نزدیک مسلم امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وکذٰلک من ادعیٰ مجالسة اللہ والعروج الیہ ومکالمتہ ○

(قاضی عیاض، امام: الشفاء (فاروقی کتب خانہ، ملتان) ج ۲، ص ۲۳۵)

''اسی طرح وہ شخص کافر ہے جو (امتی ہوکر) اللہ تعالیٰ کی ہم نشینی، اس کی طرف عروج اور اس کے ہم کلام ہونے کا دعویٰ کرے۔''

امام احمد رضا بریلوی کے معتقدین پر تو یہ اعتراض ہے کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدائش کے وقت ہی علم عطا فرمادیا تھا، لیکن غیر مقلدین کے پیر ومرشد کے بارے میں جو کہا جارہا ہے اور اس پر کسی غیر مقلد کو اعتراض بھی نہیں۔

''حضرت ابتدائے فطرت سے طریق نبوت کے اجمالی کمالات پر پیدا کیے گئے تھے۔''

(محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی ص ۱۲۳)

''پھر یہ کمالات شرح وتفصیل تک پہنچے۔'' (محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی ص ۱۲۴)

''پھر براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر ہم کلامی۔''

(محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی ص ۱۲۴)

''پھر کمالاتِ طریق نبوت انتہائی بلندی کو پہنچ گئے۔''

(محمد اسمٰعیل دہلوی: صراطِ مستقیم، فارسی ص ۱۲۵)

بچپن کا ایک واقعہ

امام احمد رضا بریلوی کی نو عمری کا زمانہ ہے، والد ماجد مولانا نقی علی خاں سے اصولِ فقہ کی دقیق ترین کتاب مسلم الثبوت پڑھ رہے تھے، ایک جگہ حاشیہ پر والد ماجد نے ایک جواب کی تقریر لکھی تھی، اب جو دیکھتے ہیں، تو اس سے آگے کتاب کا مطلب اس انداز میں لکھا ہوا تھا کہ سرے سے اعتراض وارد ہی نہ ہوتا تھا اور نہ جواب کی ضرورت رہتی تھی۔ اس تقریر کو دیکھ کر انہیں مسرت ہوئی اور یہ معلوم کر کے تو بہت ہی مسرور ہوئے کہ یہ تقریر ان کے ہونہار صاحبزادے اور شاگرد نے لکھی تھی، اٹھ کر سینے سے لگالیا اور فرمایا:

''احمد رضا! تم مجھ سے پڑھتے نہیں، بلکہ مجھ کو پڑھاتے ہو''۔ (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت ص ۱۳۷)

اعتراض برائے اعتراض کرنے والوں کے لیے یہ امر بھی باعثِ حیرت وانکار ہے۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۱۹)۔ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی عبقری صلاحیتوں کو دیکھ کر ایک دنیا کی انگشت بدنداں ہے۔

مرزا غلام قادر بیگ کون تھے؟

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ، العزیز کے مخالفین کی بے مائیگی کا یہ عالم ہے کہ پادر ہوا الزامات عائد کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور یہ نہیں سوچتے کہ شکوک وشبہادت کی تاریکی چھٹتے کتنی دیر لگے گی اور جب ظلمتِ شب اعتراضات دور ہوگی تو امام احمد رضا بریلوی کا قد اور اونچا ہو چکا ہوگا۔

ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے:

والجدیر بالذکر ان المدرس الذی کان یدرسہ مرزا غلام قادر بیك کان اخاللمر زاغلام احمد المتنبی القادیانی (البریلویہ: ص ۲۰)

''قابل ذکر بات یہ ہے کہ جو مدرس انہیں پڑھایا کرتا تھا۔ مرزا غلام قادر بیگ نبوت کے جھوٹے دعوے دار مرزا غلام احمد قادیانی کا بھائی تھا۔''

اس سلسلے میں چند امور توجہ طلب ہیں:

ہمیں یہ کہنے کا حق ہے کہ ثابت کیا جائے کہ امام احمد رضا بریلوی کے استاذ مرزا غلام قادر بیگ ، مرزا قادیانی کے بھائی تھے: **فان لم تفعلو اولن تفعلوا فاتقو االنار التی وقودھا الناس والحجارۃ ○**

کان یدرسہ کا یہ مطلب ہے کہ مرزا غلام قادر بیگ مستقل استاذ تھے جن سے امام احمد رضا بریلوی نے تمام یا اکثر و بیشتر کتابیں پڑھی تھیں، حالانکہ ان سے صرف چند ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

''میزان منشعب وغیرہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب سے پڑھنا شروع کیا۔''

(ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت، ص ۳۲)

''جب عربی کی ابتدائی کتابوں سے حضور فارغ ہوئے، تو تمام دینیات کی تکمیل اپنے والد ماجد حضرت مولانا مولوی نقی علی صاحب۔۔۔۔۔۔ سے تمام فرمائی۔ (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت، ص ۳۲)

ردِّ مرزائیت

امام احمد رضا بریلوی کے مخالفین بھی تسلیم کریں گے کہ وہ مرزائیوں اور اسلام کے نام پر بد مذہبی پھیلانے والے تمام فرقوں کے لیے شمشیر بے نیام تھے۔ مرزائیوں کے خلاف متعدد رسائل تحریر فرمائے۔ چند نام یہ ہیں:

(۱) المبین ختم النبیین

(۲) السوء والعقاب علی المسیح الکذاب

(۳) قہر الدیان علیٰ مرتد بقادیان

(۴) جزاء للہ عدوہٗ باباۂ ختم النبوۃ

(۵) الجراز الدیانی علی المرتد القادیانی

آخر الذکر رسالہ ایک سوال کا جواب ہے جو ۳ محرم ۱۳۴۰ھ کو پیش ہوا، جس کا آپ نے جواب تحریر فرمایا۔ اسی سال ۲۴ صفر کو آپ کا وصال ہوگیا۔ یہ رسالہ مختصر مقدمہ کے ساتھ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور کی طرف سے چھپ چکا ہے۔

ان رسائل کے علاوہ احکامِ شریعت، المعتمد المستند اور فتاویٰ رضویہ میں ردِ مرزائیت میں آپ کے فتاویٰ دیکھے جاسکتے ہیں۔

پروفیسر خالد شبیر احمد، فیصل آباد، دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اس کے باوجود انہوں نے امام احمد رضا بریلوی کے فتویٰ سے قبل ان تاثرات کا اظہار کیا ہے:

"اس فتویٰ سے جہاں مولانا کے کمالِ علم کا احساس ہوتا ہے، وہاں مرزا غلام احمد کے کفر کے بارے میں ایسے دلائل بھی سامنے آتے ہیں کہ جس کے بعد کوئی ذی شعور مرزا صاحب کے اسلام اور اس کے مسلمان ہونے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔"

(خالد شبیر احمد: تاریخ محاسبہ قادیانیت (قرطاس، فیصل آباد) ص ۴۵۵)

مزید لکھتے ہیں:

"ذیل کا فتویٰ بھی آپ کی علمی استطاعت، فقہی دانش وبصیرت کا ایک تاریخی شاہکار ہے۔ جس میں آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے کفر کو خود ان کے دعاوی کی روشنی میں نہایت مدلل طریقے سے ثابت کیا ہے، یہ فتویٰ مسلمانوں کا وہ علمی وتحقیقی خزینہ ہے، جس پر مسلمان جتنا بھی ناز کریں، کم ہے۔" (خالد شبیر احمد: تاریخ محاسبہ قادیانیت (قرطاس، فیصل آباد) ص ۴۶۰)۔

مرزائے قادیانی کا بھائی مرزا غلام قادر بیگ دینانگر کا معزول تھانیدار تھا۔ (ابو القاسم رفیق دلاوری: رئیس قادیان (مجلس قادیان (مجلس تحفظِ ختمِ نبوت، ملتان) ج ۱ ص ۱۱) جو پچپن برس کی عمر میں ۱۸۸۳ء میں فوت ہوا، (ابو القاسم رفیق دلاوری: رئیس قادیان (مجلس قادیان (مجلس تحفظِ ختمِ نبوت، ملتان) ج ۱ ص ۱۴)، جبکہ امام احمد رضا کے بچپن کے چند کتابوں کے استاذ، مرزا غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ پہلے بریلی میں رہے۔ پھر کلکتہ چلے گئے اور بریلی سے بذریعہ استفتاء رابطہ رکھتے رہے۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''میں نے جناب مرزا صاحب مرحوم ومغفور (مرزا غلام قادر بیگ) کو دیکھا تھا، گوراچٹا رنگ عمر تقریباً اسی سال داڑھی سر کے بال ایک ایک کر کے سفید، عمامہ باندھے رہتے۔ جب کبھی اعلیٰ حضرت کے پاس تشریف لاتے، اعلیٰ حضرت بہت ہی باعزت و تکریم کے ساتھ پیش آتے۔ ایک زمانہ میں جناب مرزا صاحب کا قیام کلکتہ، امرتلا لین میں تھا، وہاں سے اکثر سوالات جواب طلب بھیجا کرتے، فتاویٰ میں اکثر استفتاء ان کے ہیں۔ انہیں کے ایک سوال کے جواب میں اعلیٰ حضرت نے رسالہ مبارکہ ''تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' تحریر فرمایا ہے۔'' (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۳۲)۔

فتاویٰ رضویہ جلد سوم مطبوعہ مبارک پور، انڈیا کے ص ۸ پر ایک استفتاء ہے جو مرزا غلام قادر بیگ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۱ جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ کو ارسال کیا تھا۔

ان تفصیلات کو پیش نظر رکھیے، آپ کو خود بخود یقین ہو جائے گا۔ مرزائے قادیانی کا بھائی اور امام احمد رضا بریلوی کے استاذ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں۔

☆ وہ قادیان کا معزول تھانیدار -------------- یہ مدرس ٹائپ مولوی

☆ وہ پچپن سال کی عمر میں مر گیا -------------- یہ اسی سال کی عمر میں حیات تھے

☆ وہ ۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء میں قادیان میں فوت ہوا ------- یہ ۱۳۱۴ھ / ۱۸۹۷ء میں زندہ تھے

کیونکہ عادتاً ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ وہ ۱۸۸۳ء میں قادیان میں فوت ہوا ہو اور وفات کے ٹھیک چودہ برس بعد ۱۸۹۷ء میں کلکتہ سے بریلی استفتاء بھیج دیا ہو۔

(مولانا غلام قادر بیگ بریلوی علیہ الرحمہ کی وفات ۱۸/ اکتوبر ۱۹۱۷ء/ یکم محرم الحرام ۱۳۳۶ھ کو بعمر ۹۰ سال بریلی میں ہوئی، اور محلہ باقر گنج میں واقع حسین باغ میں دفن کیے گئے، یہیں ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا مطیع بیگ مرحوم دفن ہیں، مولانا مرزا غلام قادر بیگ کے بڑے بیٹے حکیم مرزا عبد العزیز (متوفی ۱۵/ شعبان ۱۳۷۴ھ) بھی بریلی میں لاولد فوت ہوئے، حضرت مرزا غلام قادر بیگ کی دو دختران تھیں دونوں فوت ہو گئیں، بڑی دختر کے ایک پسر اور چھوٹی دختر کی اولاد اب بھی بریلی میں سکونت پذیر ہے۔ مضمون ''مرزا غلام قادر بیگ'' از مرزا عبد الوحید بیگ، بریلی نبیرۂ مرزا غلام قادر بیگ، ماہنامہ سنی دنیا، بریلی، شمارہ جون ۱۹۸۸ء: ص ۳۷ تا ۴۱۔ خلیل احمد رانا)

پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک مکتوب میں لکھا:

''یہ افترائے محض ہے، مرزا غلام قادر بیگ بریلوی قطعاً دوسری شخصیت ہیں،
میں تفصیلی جواب ارسالِ خدمت کروں گا، اطمینان فرمائیے۔'' (مکتوب بنام راقم: تحریر ۳۱ مئی ۱۹۸۳ء) نوٹ: افسوس کہ ۲۳ نومبر ۱۹۸۳ء کو پروفیسر محمد ایوب قادری صاحب ایک ایکسیڈنٹ میں جاں بحق ہو گئے، اس لیے انہیں تفصیلات لکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ ۱۲ اشرف قادری۔

شعبہ تاریخ احمدیت، ربوہ سے دوست محمد شاہد نے پروفیسر محمد مسعود احمد پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج ٹھٹھہ کے نام کے

ایک مکتوب میں لکھا ہے:

”بڑے بھائی مرزا غلام قادر صاحب نے آپ کے دعویٰ مسیحیت (۱۸۹۱ء) سے آٹھ سال قبل ۱۸۸۳ء میں انتقال کیا۔ آپ خود یا آپ کے کوئی بھائی، بانس بریلی، رائے بریلی یا کلکتہ میں مقیم نہیں رہے۔“ (محمد مسعود احمد، پروفیسر: مکتوب بنام راقم، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۳ء)

اس کے بعد یہ کہنے کا کوئی جواز نہیں کہ امام احمد رضا کے استاذ مرزا غلام احمد قادیانی کے بڑے بھائی تھے۔

علامہ عبدالحق خیرآبادی سے ملاقات

امام احمد رضا بریلوی ایک مرتبہ اپنے خاص رشتہ داروں کے ہاں رامپور گئے، آپ کے خسر شیخ فضل حسین مرحوم، نواب کلب علی خاں کے ہاں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے، انہوں نے نواب صاحب سے تذکرہ کیا، تو انہوں نے ازراہِ اشتیاق آپ کو طلب کیا۔ نواب صاحب نے آپ کو اپنے خاص پلنگ پر بٹھایا اور کچھ علمی باتیں پوچھتے رہے۔

دورانِ گفتگو کہنے لگے یہاں مولانا عبدالحق خیرآبادی مشہور منطقی ہیں۔ ان سے متقدمین کی کچھ منطقی کتابیں پڑھ لیجئے۔ آپ نے فرمایا: اگر والد ماجد کی اجازت ہوگی، تو کچھ دن ٹھہر سکتا ہوں اتنے میں اتفاقاً علامہ عبدالحق خیرآبادی تشریف لے آئے۔

نواب صاحب نے تعارف کرانے کے بعد اپنے مشورہ کا ذکر کیا اور بتایا کہ نوعمری کے باوجود ان کی سب کتابیں ختم ہیں۔ علامہ خیرآبادی فرمایا کرتے تھے:

”دنیا میں صرف اڑھائی عالم ہوئے ہیں، ایک مولانا بحرالعلوم، دوسرے والدِ مرحوم اور نصف بندۂ معصوم۔“

انہیں تعجب ہوا اور دریافت کیا منطق کی آخری کتاب کونسی پڑھی ہے؟ امام احمد رضا نے فرمایا: قاضی مبارک! علامہ نے پوچھا: شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں؟ آپ نے ان کے طنز کو محسوس کر کے فرمایا: کیا جناب کے ہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے؟

اب علامہ نے موضوعِ سخن تبدیل کرتے ہوئے پوچھا: اب کیا مشغلہ ہے؟ آپ نے فرمایا تدریس، افتاء، تصنیف!: کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: مسائل دینیہ اور ردِّ وہابیہ! یہ سن کر فرمایا: ردِّ وہابیہ؟ ایک میرا وہ بدایوانی خبطی ہے کہ ہمیشہ اس خبط میں رہتا ہے۔ یہ اشارہ مولانا عبدالقادر بدایوانی کی طرف تھا جو علامہ فضل حق خیرآبادی کے شاگرد اور علامہ عبدالحق خیرآبادی کے دوست تھے، اسی لیے انہیں میرا فرمایا:

امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

”جناب کو معلوم ہوگا کہ وہابیہ کا رد سب سے پہلے مولانا فضل حق، جناب کے والد ماجد ہی نے کیا اور مولوی اسمٰعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے ساکت کیا اور ان کے رد میں ایک مستقل رسالہ بنام ”تحقیق الفتویٰ السلب الطغویٰ“ تحریر فرمایا۔“ (ظفرالدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۳۲-۳۳) نوٹ: بحمدہ تعالیٰ علامہ فضل حق خیرآبادی کی تصنیف لطیف

تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ فارسی مع ترجمہ چھپ چکی ہے اور مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ سے مل سکتی ہے۔ ۱۲ اشرف قادری۔

علامہ عبدالحق خیر آبادی نے فرمایا: اگر ایسی ہی حاضر جوابی میرے مقابلہ میں رہی تو میں پڑھا نہیں سکوں گا۔ امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

"آپ کی باتیں سن کر میں نے پہلے ہی فیصلہ کر لیا کہ ایسے شخص سے منطق پڑھنی اپنے علمائے ملت، حامیانِ سنت کی توہین و تحقیر سننی ہوگی، اسی وقت پڑھنے کا خیال بالکل دل سے دور کر دیا، تب حضور کی بات کا ایسا جواب دیا۔" (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۱۳۶)

اس تفصیل سے دو باتیں سامنے آئی ہیں:

۱۔ امام احمد رضا بریلوی اس وقت کا مروجہ نصاب پڑھ چکے تھے۔ نواب رامپور نے منطق کی ان کتابوں کے پڑھنے کا مشورہ دیا تھا جو نصاب سے خارج اور متقدمین مثلاً ابن سینا محقق طوسی اور میر باقر وغیرہ کی تصنیف تھیں۔

۲۔ امام احمد رضا بریلوی نے علامہ خیر آبادی کی گفتگو میں علماء اہل سنت کی تخفیف محسوس کر کے علامہ سے کچھ نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا، ورنہ علامہ نے پڑھانے سے انکار نہیں کیا تھا۔

مخالفت بلکہ مخاصمت کے زاویۂ نگاہ سے دیکھنے والے اس واقعہ کو دوسرے رنگ میں پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

"بریلوی اپنے قائد کو بچپن ہی میں نابغہ ثابت کرنے کے لیے بار بار اس قول کو دہراتے ہیں کہ ان کے قائد چودہ سال کی عمر میں تعلیم سے فارغ ہو گئے تھے۔ پھر اس جھوٹ اور اپنے قائد کے اس معجزے کو بھول گئے اور بیان کیا کہ انہوں نے اس وقت کے مشہور معقولی عالم عبدالحق خیر آبادی ابن فاضل فضلِ حق خیر آبادی سے پڑھنے کا ارادہ کیا، لیکن وہ وہابیوں سے ان کی شدید مخالفت کی بناء پر راضی نہ ہوئے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب ان کی عمر صرف بیس سال تھی۔"

علامہ خیر آبادی کی ملاقات کا واقعہ تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اسے ایک دفعہ پھر پڑھیے اور خورد بین لگا کر دیکھیے کہ اس مخالفانہ بیان میں کتنی صداقت ہے؟ چند امور غور طلب ہیں:

۱۔ چودہ سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہونے کو معجزہ کس نے کہا ہے؟

یہ مخالف کی کج نظری کا نتیجہ ہے یا نیت کا فساد؟

۲۔ امام احمد رضا بریلوی تقریباً چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم اور درسی کتب سے فارغ ہو گئے اور بیس سال کی عمر میں علامہ خیر آبادی سے پڑھتے، تو منطق کی بعض خارج از نصاب کتابیں پڑھتے، ان دونوں باتوں میں کیا تخالف ہے؟ اور کیسے ثابت ہو گیا کہ وہ چودہ سال کی عمر میں مروجہ درسی کتب سے فارغ نہیں ہو گئے تھے۔

۳۔ علامہ خیر آبادی کی گفتگو سے علماء اہلِ سنت کی شان میں تخفیف آمیز گفتگو سن کر امام احمد رضا بریلوی نے خود نہ پڑھنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ قطعاً صحیح نہیں کہ علامہ پڑھانے کے لیے تیار نہیں ہوئے تھے۔

۴۔ یہ بھی درست نہیں کہ وہابیوں کے شدید مخالف ہونے کے سبب وہ پڑھانے پر راضی نہیں ہوئے تھے، انہوں نے

صرف اتنا کہا تھا:

''اگر یہی حاضر جوابی میرے مقابلہ میں رہی، تو میں پڑھا نہیں سکوں گا۔''

دونوں بیان ایک دوسرے سے بالکل الگ الگ ہیں۔

حضرت شاہ آلِ رسول مارہروی سے اجازت

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو (سابق صدر شعبہ عربی، علی گڑھ) فرماتے ہیں:

''۱۲۹۴ھ میں مارہرہ حاضر ہو کر حضرت سید شاہ آل رسول احمدی کے مرید ہوئے اور خلافت واجازت جمیع سلاسل و سند حدیث سے مشرف ہوئے۔'' (مختار الدین آرزو، ڈاکٹر: انوار رضا، ص ۳۵۶)۔

حضرت شاہ ابوالحسن احمد نوری سے استفادہ

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری ، امام احمد رضا بریلوی کا ارشاد نقل کرتے ہیں:

''جمادی الاولی ۱۲۹۴ھ میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوا، تعلیم طریقت پیرومرشد برحق سے حاصل کیا۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا، تو قبل وصال مجھے حضرت سیدنا سید شاہ ابوالحسن احمد نوری اپنے ابن الابن ولی عہد وسجادہ نشین کے سپرد فرمایا۔ حضرت نوری میاں صاحب سے بعض تعلیم طریقت وعلم تکسیر، جفر وغیر علوم میں نے حاصل کیے۔''

(ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۵-۳۴)

اب سمجھ کا پھیر یا نیت کا فتور کہ ان دونوں بزرگوں سے استفادہ کی بناء پر امام احمد رضا بریلوی کے چودہ سال کی عمر میں مروجہ علوم وکتب سے فارغ ہونے کو جھوٹ قرار دیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے: **لا ذاکرۃ لکذاب** ''**دروغ گورا حافظہ نباشد**'' ذرا تبصرہ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

''اس سے بھی بڑی بات یہ کہ انہوں نے لکھا کہ (احمد رضا) بریلوی نے سید آل رسول شاہ کی ۱۲۹۴ھ میں شاگردی اختیار کی اور ان سے حدیث وغیرہ علوم کی اجازت حاصل کی۔

اور یہ ان کے بعد ان کے بیٹے ابوالحسن احمد سے بعض علوم پڑھے اور یہ ۱۲۹۶ھ کا واقعہ ہے۔''

اہل علم جانتے ہیں کہ مروجہ علوم وکتب سے فراغت الگ چیز ہے اور کسی بزرگ سے تبرکاً حدیث کی سند اور طریقت کی تعلیم حاصل کرنا یا علمِ تکسیر اور علم جفر حاصل کرنا جو مروجہ علوم میں داخل نہیں، قطعاً دوسری چیز ہے۔ عموماً یہی ہوتا ہے کہ مدارس میں پڑھائے جانے والے نصاب کے پڑھنے کے بعد کسی روحانی شخصیت سے طریقت وغیرہ کے علوم کا استفادہ کیا جاتا ہے۔ شاید ان صاحب کے نزدیک مروجہ نصاب سے فارغ ہونے کے بعد تحصیل علم کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ بی اے کا سند یافتہ گریجویٹ بن جاتا ہے پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے ایم اے اور پی۔ ایچ۔ ڈی کرتا ہے، اب اگر کوئی شخص کہے کہ اس نے ڈگری حاصل نہیں کی، یہ تو ابھی تحقیقی مقالہ لکھ رہا ہے، تو اسے کیا کہا جائے؟

امام احمد رضا اور شیعہ

پاسبانِ مسلک اہل سنت امام احمد رضا بریلوی نے دیگر فرقِ باطلہ کی طرح شیعہ کا بھی سخت ردّ فرمایا۔ شیعہ عام طور پر دو گروہ ہیں: ایک وہ جو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خلیفہ برحق مانتا ہے، لیکن حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کو ان سب سے افضل جانتا ہے، یہ تفضیلیہ ہیں۔ دوسرا وہ معاذ اللہ! خلفاء ثلاثہ کو خلیفہ برحق نہیں مانتا، انہیں غاصب قرار دیتا ہے اور خلیفہ بلا فصل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مانتا ہے۔ دیگر صحابہ خصوصاً حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتا ہے۔

ابو طالب کے بارے میں اصرار رکھتا ہے کہ وہ ایمان لے آئے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی نے ردِ شیعہ میں متعدد رسائل لکھے، جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) ردالرفضہ (۱۳۲۰ھ) (روافضِ زمانہ کا ردّ کہ نہ سنی ان کا وارث نہ ان سے نکاح)

(۲) الا دلۃ الطاعۃ فی اذان الملاعنہ (۱۳۰۶ھ) (روافض کی اذان میں کلمہ، خلیفہ بلا فصل کا شدید ردّ)

(۳) اعالی الافادہ فی تعزیۃ الھند وبیان الشھادہ (۱۳۲۱ھ) (تعزیہ داری اور شہادت نامہ کا حکم)

(۴) جزاء اللہ عدوہ با بائہٖ ختم النبوہ (۱۳۱۷ھ) (مرزائیوں کی طرح روافض کا بھی ردّ)

مناقب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم:

(۵) غایۃ التحقیق فی امامۃ العلی والصدیق (پہلے خلیفہ برحق کی تحقیق)

(۶) اللام البھی فی تشبیہ الصدیق بالنبی (۱۲۹۷ھ) (حضرت ابو بکر صدیق اکبر کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہتیں)

(۷) الزلال الا نقیٰ من بحر سبقۃ الاتقیٰ (عربی) (۱۳۰۰ھ) (آیۃ کریمہ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم کی تفسیر اور مناقب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

(۸) مطلع القمرینفی ابانۃ سبقۃ العمرین (۱۲۹۷ھ) (شیخین کریمین کی افضلیت پر مبسوط کتاب)

(۹) وجہ المشوقبجلوۃ اسماء الصدیق والفاروق (۱۲۹۷ھ) (شیخین کریمین کے وہ اسماء مبارکہ جو احادیث میں وارد ہیں)

(۱۰) جمع القران وبم عزوہ لعثمان (۱۳۲۲ھ) (قرآن کریم کیسے جمع ہوا اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خاص طور پر جامع القرآن کیوں کہتے ہیں؟)

مناقب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

(۱۱) البشری العاجلہ من تحف آجلہ (۱۳۰۰ھ) (تفضیلیہ اور مفسقان امیر معاویہ کا رد)

(۱۲)	عرش الا عزاز والا کرام لاول ملوك الاسلام(۱۳۱۲ھ)	(مناقب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
(۱۳)	زب الا ھواء الواھیه فی باب الا میر معاویه(۱۳۱۲ھ)	(حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر مطاعن کا جواب)
(۱۴)	اعلام الصحابة الموافقین للا میر معاویة وام المومنین (۱۳۱۲ھ)	(امیر معاویہ کے ساتھ کون سے صحابہ تھے)
(۱۵)	الا حادیث الرویه لمدح الا میرمعاویه(۱۳۱۳ھ)	(امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب کی احادیث)

✿ ردِتفضیلیہ

(۱۶)	الجرح الوالج فی بطن الخوارج (۱۳۰۵ھ)	(تفضیلیہ اور مفسقہ کا رد)
(۱۷)	الصمصام الحدریعلیٰ حمق العیار المفتری (۱۳۰۴ھ)	(تفضیلیہ اور مسقہ کا رد)
(۱۸)	الرائحة العنبریه عن الجمرة الحیدربه(۱۳۰۰ھ)	(مسئلہ تفضیل اور تفضیل من جمیع الوجوہ کا بیان)
(۱۹)	لمعة الشمعه لھدیٰ شیعة الشنعه (۱۳۱۲ھ)	(تفضیل وتفسیق سے متعلق سات سوالوں کا جواب)
(۲۰)	شرح المطالب لفی محبث ابی طالب(۱۳۱۲ھ)	(ایک سوتیں کتب تفسیر وعقائد وغیرہا سے ایمان نہ لانا ثابت کیا)

ان کے علاوہ وہ رسائل اور قصائد جو سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں لکھے ہیں، وہ شیعہ ورافض کی تردید ہیں، کیونکہ شیعہ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ خوش عقیدگی نہیں رکھتے، اس لیے کہ حضرت غوث اعظم فضائل صحابہ کے قائل ہیں۔

تفضیلیہ سے مناظرہ

۱۳۰۰ھ میں بریلی، بدایوں، سنبھل اور رام پور وغیرہ کے تفضیلیہ نے باہمی مشورے سے مسئلہ تفضیل پر امام احمد رضا سے مناظرہ کا اعلان کر دیا۔ مناظرہ کے لیے مولانا محمد حسن سنبھلی مصنف ''تنسیق النظام فی مسند الامام'' وغیرہ کا انتخاب کیا۔ امام احمد رضا ان دنوں ایک نئے طبیب کے زیر علاج تھے، جس نے پہلے منضج دوائیں دیں، بعد میں جلاب آور دوائیں دینا تھیں۔ اس طبیب کی سازش سے طے ہوا کہ مسہل سے ایک دن پہلے مناظرہ کا دن مقرر کیا جائے۔ اول تو نقاہت کی بناء پر خود ہی مناظرہ سے انکار کر دیں گے، ورنہ طبیب منع کر دے گا۔ امام احمد رضا بریلوی نے مناظرہ کا چیلنج قبول فرما لیا۔ معالج نے بہت منع کیا، لیکن آپ نے فرمایا:

''مناظرہ کرتے ہوئے مجھے مرجانا منظور ہے اور مناظرہ سے انکار کر کے مجھے بچنا مقصود نہیں۔''

(ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت ج ا، ص ۱۳)۔

اسی حالت مین تیس سوالات لکھ کر مولانا محمد حسن سنبھلی کے پاس بھیج دیئے۔

انہوں نے کمالِ دیانت سے فرمایا کہ کوئی شخص تفضیلی عقیدہ رکھتے ہوئے ان کے جوابات نہیں دے سکتا اور گاڑی پر سوار ہو کر واپس چلے گئے۔ اس واقعہ کی تفصیل فتح خیبر (۱۳۰۰ھ) میں چھپ چکی ہے۔

مولانا ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں:

"اس کے بعد شرح عقائد کا حاشیہ مسمّٰی بہ نظم الفرائد تحریر فرمایا جس میں مذہب اہل سنت و جماعت کی حمایت و تائید کی۔" (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۱۳)۔

سنیت اختیار کریں، ورنہ شفا نہیں

ایک دفعہ ایک امیر کبیر کی بیگم بیمار ہوئی جو سنی نہ تھی۔ مارہرہ شریف کے حضرت سید مہدی حسن میاں کی معرفت سوال کیا گیا کہ وہ صحت یاب ہوگی؟ امام احمد رضا بریلوی نے علم جفر کے ذریعے معلوم کر کے جواب ارسال کیا:

"سنیت اختیار کریں، ورنہ شفا نہیں۔" (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۱۳)

حضرت علامہ ابو البرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ امیر انجمن حزب الاحناف لاہور نے ایک دفعہ بیان فرمایا کہ یہ واقعہ سابق نواب رام پور حامد علی خاں کی بیگم، اقبال بیگم کا واقعہ ہے اور وہ شیعہ تھی اور شیعہ ہی اس دنیا سے رخصت ہوئی۔

ایک مرتبہ علامہ ابو الحسنات قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ علم جفر کے ذریعے سوال کا جواب اثبات میں آتا ہے یا نفی میں، لیکن یہ جواب نہیں آسکتا کہ اگر سنی ہوگا تو یوں ہوگا اور شیعہ ہوگا، تو یوں ہوگا۔ محمد جعفر شاہ پھلواری نے اس کی توجیہ کی کہ:

"حضرت فاضل بریلوی نے دراصل دو سوالوں کا جواب نکالا تھا:

کیا وہ اچھی ہوگی ------------ جواب آیا نہیں

کیا وہ سنی ہوگی ------------ جواب آیا نہیں

پھر انہوں نے دونوں کو ملا کر ایک کر دیا، یعنی نہ وہ اچھی ہوگی اور نہ سنی ہوگی۔ دوسرے لفظوں میں اگر وہ سنی ہوگی، وتندرست ہو جائے گی۔" (مرید احمد چشتی: جہان رضا (مرکزی مجلس رضا، لاہور)، ص ۱-۱۳۰)

یہ توجیہ تکلف سے خالی نہیں، حیدر آباد (دکن) کے ایک فاضل نے امام احمد رضا سے سوال کیا کہ ایک شخص ولاور علی، ایک کافرہ عورت کا طلب گار ہے، کیا وہ اس سے نکاح کر سکے گا؟ امام احمد رضا بریلوی نے علم جفر سے سوال کیا، جواب آیا:

"اس سے کیسے نکاح کرے گا، جبکہ وہ مشرکہ ہے اور کبھی بھی ایمان نہیں لائے گی۔" (احمد رضا بریلوی، امام: الوسائل الرضویہ للمسائل الجفریہ، مرکزی مجلس رضا، لاہور، ص ۶)

دو مرتبہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی، اسی جواب کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر وہ عورت ایمان لے آئے تو نکاح ہو جائے گا، ورنہ نہیں۔

شیعہ کا حکم؟

روافض کا حکم کیا ہے امام احمد رضا بریلوی اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ”رافضی اگر امیر المومنین علی مرتضیٰ کو شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر فضیلت دے، تو مبتدع ہے، جیسے فتاویٰ خلاصہ، عالمگیری وغیرہ میں ہے اگر شیخین یا ان میں سے ایک کی امامت کا انکار کرے تو فقہا نے اسے کافر قرار دیا اور متکلمین نے بدعتی اور اسی میں زیادہ احتیاط ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے لیے بداء کا قائل ہو (کہ اسے پہلے علم نہیں ہوتا، شے واقع ہونے کے بعد علم ہوتا ہے) یا کہے کہ موجودہ قرآن ناقص ہے۔ صحابہ یا کسی دوسرے نے اس میں تحریف کی ہے یا یہ کہ امیر المومنین (علی مرتضیٰ) یا اہل بیت میں سے کوئی امام، اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء سابقین ﷺ سے افضل ہے جیسے کہ ہمارے شہر کے رافضی کہتے ہیں اور ان کے اس دور کے مجتہد نے تصریح کی ہے، تو وہ قطعاً کافر ہے اور اس کا حکم مرتدوں والا ہے جیسے کہ فتاویٰ ظہیر یہ کے حوالے سے عالمگیری میں ہے۔“ (امام احمد رضا، فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین (مکتبہ ایشق، ترکی) ص ۱۰)

۱۲۳---۱۲۶---۱۲۷---۱۳۶---۱۷۹

اور فتاویٰ رضویہ جلد ششم مطبوعہ مبارک پور (انڈیا) کے درج ذیل صفحات ملاحظہ کیے جائیں:

۲۵---۳۲---۳۵---۳۷---۹۴---۱۵۸---۱۶۹---۴۲۹

۴۷۷---۴۸۴---۴۸۶---۴۹۰---۵۲۷---۵۲۸

اسی طرح فتاویٰ رضویہ کی باقی جلدیں دیکھیے، معلوم ہو جائے گا کہ امام احمد رضا بریلوی نے شیعہ اور روافض کے بارے میں کیا کیا احکام بیان کیے ہیں۔ مشہور زمانہ سلام کے چند اشعار دیکھیے۔

یعنی اس افضل الخلق بعد الرسل ثانی اثنین ہجرت پہ لاکھوں سلام
وہ عمر جس کے اعدا پہ شیدا سقر اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام
درِ منثورِ قرآں کی سلک بہی زوجِ دونور عفت پہ لاکھوں سلام
مرتضیٰ شیرِ حق اشجع الاشجعین ساقیِ شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اولیں دافعِ اہلِ رفض و خروج چارمی رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام
ماحیِ رفض و تفضیل و نصب و خروج حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام

(امام احمد رضا بریلوی: حدائق بخشش (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ج ۲ ص ۶-۳۵)

سبحان اللہ کس عمدگی کے ساتھ مسلک اہل سنت کی ترجمانی فرمائی ہے۔ بے شک اہل سنت کا امام ہی اتنی نفیس ترجمانی کر سکتا ہے۔

امام احمد رضا بریلوی نے ردیف باء میں ۱۲۱۶ اشعار پر مشتمل طویل قصیدہ کہا جس میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مناقب بڑی شرح وبسط سے بیان کیے اور آخر میں بدمذہبوں پر تند و تیز تنقید کی ہے۔ زورِ بیان، شکوہِ الفاظ اور مطالب کی بلندی

دیکھنے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

علی سے محبت عمر سے عداوت کہیں بھی ہوئے جمع نور وغیا ہب
روافض پہ واللہ قہر علی ہے خوارج پہ فاروق اعظم معاتب
وہی تو محبانِ حیدر جو رکھیں تقیے کی تہمت، سرِ شیرِ غالب؟

(محمد محبوب علی خاں، مولانا: حدائق بخشش (نابھہ سٹیم پریس، نابھہ) ج ۳، ص ۳۶)

شیعہ ہونے کا الزام؟

دین و دیانت رکھنے والے حضرات کے لیے یہ امر باعثِ حیرت ہوگی کہ اہل سنت کے امام مولانا شاہ احمد رضا بریلوی پر لگائے جانے والے بے بنیاد الزامات میں سے ایک الزام یہ بھی ہے۔

''وہ ایسے شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے، جس نے اہل سنت کو نقصان پہنچانے کے لیے بطور تقیہ، سنی ہونا ظاہر کیا تھا۔''
(ظہیر: البریلویہ ص ۲۱)

پندرھویں صدی کا یہ عظیم ترین جھوٹ بولتے ہوئے یہ نہیں سوچا کہ کیا ساری دنیا اندھی ہوگئی ہے جسے امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کا موقع نہیں ملے گا جو شخص فتاویٰ رضویہ اور دیگر بلند پایہ علمی تصانیف کا مطالعہ کرے گا، وہ آپ کی صداقت اور دیانت کے بارے میں کیا رائے قائم کرے گا؟ کیا قیامت کے دن، واحد قہار کی بارگاہ میں جواب دہی کا یقین بالکل ہی جاتا رہا ہے؟ یا روزِ قیامت کے آنے کا یقین ہی نہیں ہے۔

اس دعوے پر جو دلائل پیش کیے گئے ہیں، وہ اس قدر بے وزن اور غیر معقول ہیں کہ دلائل کہلانے کے قابل ہی نہیں، ذیل میں ان کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

الزام نمبر۱: ان کے آباؤ اجداد کے نام شیعوں والے ہیں، ایسے نام اہل سنت میں رائج نہ تھے اور وہ یہ ہیں۔
احمد رضا، ابن نقی علی ابن رضا علی، ابن کاظم علی۔'' (ظہیر: البریلویہ ص ۲۱)۔

''نواب صدیق حسن خان کے والد کا نام حسن، دادا کا نام علی الحسینی، اپنے بیٹے کا نام میر علی خاں اور میر نور الحسن خان۔'' (صدیق حسن خان بھوپالی، نواب: ابجد العلوم ج ۳، ص)۔

غیر مقلدین کے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی ہیں، مدراس کے مولوی صاحب کا نام محمد باقر ہے۔ قنوج کے مولوی کا نام ہے رستم علی ابن علی اصغر، ایک دوسرے مولوی کا نام غلام حسنین ابن مولوی حسین علی۔ ان لوگوں کا تذکرہ نواب بھوپالی کی کتاب ابجد العلوم کی تیسری جلد میں کیا گیا ہے۔ اہل حدیث کے جریدے اشاعۃ السنۃ کے ایڈیٹر کا نام محمد حسین بٹالوی ہے۔ کیا یہ سب شیعہ ہیں؟

الزام نمبر۲: ''بریلوی نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں ایسے کلمات کہے کہ انہیں سنی کبھی زبان پر نہیں لا سکتا۔'' (ظہیر: البریلویہ ص ۲۱) **اللھم سبحنك ھذا بھتان عظیم○**

حدائق بخشش حصہ سوم

امام احمد رضا بریلوی کا نعتیہ دیوان دو حصے پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں مرتب اور شائع ہوا۔ ماہِ صفر ۱۳۴۰ھ/۹۱۲۱ء کو آپ کا وصال ہوا۔ وصال کے دو سال بعد ذوالحجہ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۳ء میں مولانا محمد محبوب علی قادری لکھنوی نے آپ کا کلام متفرق مقامات سے حاصل کر کے حدائق بخشش حصہ سوم کے نام سے شائع کر دیا۔ انہوں نے مسودہ نابھہ سٹیم پریس، نابھہ (پٹیالہ، مشرقی پنجاب۔ بھارت) کے سپرد کر دیا، پریس والوں نے کتابت کروائی اور کتاب چھاپ دی۔

کاتب بدمذہب تھا، اس نے دانستہ یا نادانستہ چند ایسے اشعار ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مدح کے قصیدے میں شامل کر دیئے جو ام زرع وغیرہ مشرکہ عورتوں کے بارے میں تھے، ان عورتوں کا ذکر حدیث کی کتابوں مسلم شریف، ترمذی شریف اور نسائی شریف وغیر میں موجود ہے۔

مولانا محمد محبوب علی خاں سے چند ایک تسامح ہوئے:

(۱) چھپائی سے پہلے انہوں نے اپنی مصروفیات اور پریس والوں پر اعتماد کر کے چھپنے سے پہلے کتابت کو چیک نہ کیا۔

(۲) کتاب کا نام ”حدائق بخشش حصہ سوم رکھ دیا، حالانکہ انہیں چاہیے تھا کہ ”باقیاتِ رضا یا اسی قسم کا کوئی دوسرا نام رکھتے۔

(۳) ٹائیٹل پیج پر کتاب کے نام کے ساتھ ۱۳۲۵ھ بھی لکھ دیا، حالانکہ یہ سن پہلے دو حصوں کی ترتیب کا تھا جو مصنف کے سامنے ہی چھپ چکے تھے۔ تیسرا حصہ تو ۱۳۴۲ھ میں مرتب ہو کر شائع ہوا۔ (محمد محبوب علی خاں، مولانا: حدائق بخشش (نابھہ سٹیم پریس، نابھہ) ص ۱۰)۔ اسی لیے ٹائیٹل پیج پر امام احمد رضا بریلوی کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ورحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھا ہوا ہے۔ اگر ان کی زندگی اور ۱۳۲۵ھ میں یہ کتاب چھپتی، تو ایسے دعائیہ کلمات ہرگز نہ درج ہوتے۔

(۴) یہ مجموعہ مرتب کر کے امام احمد رضا بریلوی کے صاحبزادے مولانا مصطفےٰ رضا خاں یا بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں کو دکھائے اور منظوری حاصل کیے بغیر چھاپ دیا۔

(۵) کتاب چھپنے کے بعد جیسے ہی صورتِ حال سامنے آئی تھی، اس غلطی کی تصحیح کا اعلان کر دیتے تو صورتِ حال اتنی سنگین نہ ہوتی، لیکن یہ سوچ کر خاموش رہے کہ اہلِ علم خود ہی سمجھ جائیں گے کہ یہ اشعار غلط جگہ چھپ گئے ہیں اور آئندہ ایڈیشن میں تصحیح کر دی جائیگی۔

محدثِ اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی کے صاحبزادے حضرت علامہ سید محمد مدنی میاں فرماتے ہیں:

”مجھے محبوب الملت (مولانا محمد محبوب علی خاں) کے خلوص سے انکار نہیں اور نہ ہی یہ ماننے کے لیے تیار ہوں کہ انہوں نے امام احمد رضا کی کسی قدیم رنجش کی بناء پر ایسا کیا، لیکن میں اس حقیقت کے اظہار سے بھی اپنے کو روک نہیں پا رہا ہوں کہ محبوب الملت نے کسی سے مشورہ کیے بغیر حدائق بخشش میں تیسری جلد کا اضافہ کر کے اپنی زندگی کا سب سے بڑا تسامح کیا ہے۔ ایک ایسا تسامح جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ایک ایسی فاش غلطی جس کی تنہا ذمہ داری محبوب الملت پر عائد ہوتے ہوئے بھی امام احمد رضا کو مخالفین کے

اتہام کی زد سے بچا نہ سکی۔ سوچ کر بتائیے کہ اس میں امام احمد رضا کی کیا غلطی؟ غیر شعوری ہی کیوں نہ ہو، آنے والا مؤرخ اس طرح کی خوش عقیدگی کو ظلم ہی سے معنون کرے گا"۔ (شرکتِ حنفیہ، لاہور: انوارِ رضا ص ۲۱)

ایک عرصہ بعد دیوبندی مکتبِ فکر کی طرف سے پورے شدومد سے یہ پروپگنڈا کیا گیا کہ مولانا محمد محبوب علی خاں نے حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں گستاخی کی ہے، لہٰذا انہیں بمبئی کی سنی جامع مسجد سے نکال دیا جائے۔

مولانا محمد محبوب علی خاں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور وہ کچھ کیا جو ایک سچے مسلمان کا کام ہے۔ انہوں نے مختلف جرائد اور اخبارات میں اپنا توبہ نامہ شائع کرایا۔ علامہ مشتاق احمد نظامی (مصنف خون کے آنسو) نے ایک ہفت روزہ کے ذریعے انہیں غلطی کی طرف متوجہ کیا تھا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

آج ۹ ذیقعدہ ۱۳۷۴ھ کو بمبئی کے ہفتہ وار اخبار میں آپ کی تحریر "حدائق بخشش" حصہ سوم کے متعلق دیکھی، "جواباً پہلے فقیر حقیر اپنی غلطی اور تساہل کا اعتراف کرتے ہوئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور اس خطا اور غلطی کی معافی چاہتا ہے اور استغفار کرتا ہے، خدا تعالیٰ معافی بخشے، آمین!" (ماہنامہ سنی دنیا شمارہ ذوالحجہ ۱۳۷۴ھ ص ۱۷۔ (محمد مظہر اللہ دہلوی، مفتی: فتاویٰ مظہری (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ج ۲، ص ۳۹۳)۔

اس کے باوجود مخالفین نے اطمینان کا سانس نہ لیا، بلکہ پروپیگنڈا کیا کہ یہ توبہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس پر علمائے اہل سنت سے فتوے حاصل کیے گئے کہ ان کی توبہ یقیناً مقبول ہے، کیونکہ انہوں نے یہ اشعار نہ تو ام المومنین کے بارے میں کہے اور نہ لکھے ہیں، ان کی غلطی صرف اتنی تھی کہ کتابت کی دیکھ بھال نہ کر سکے۔ اس کی انہوں نے علی الاعلان اور بار بار توبہ کی ہے اور درِ توبہ کھلا ہوا ہے۔ پھر کسی کے یہ کہنے کا کیا جواز ہے کہ توبہ قبول نہیں۔ یہ فتاویٰ فیصلہ مقدسہ کے نام سے ۱۳۷۵ھ میں چھپ گئے اور تمام شور اور شر ختم ہو گیا، اس میں ایک سو انیس علماء کے فتوے اور تصدیقی دستخط ہیں۔ الحمد للہ! کہ فیصلہ مقدسہ، مرکزی مجلس رضا لاہور نے دوبار چھاپ دیا ہے۔ تفصیلات اس میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

مقامِ غور ہے کہ جو کتاب امام احمد رضا بریلوی کے وصال کے بعد مرتب ہو کر چھپی ہو، اس میں پائی جانے والی غلطی کی ذمہ داری ان پر کیسے ڈالی جا سکتی ہے؟ ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں بھی جب یہ ہنگامہ کھڑا کیا گیا تو تمام تر ذمہ داری مولانا محمد محبوب علی خاں مرتب کتاب پر ڈال دی گئی تھی۔ کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ امام احمد رضا بریلوی نے حضرت امام المومنین کی شان میں گستاخی کی ہے۔ لیکن آج حقائق سے منہ موڑ کر گستاخی کا الزام انہیں دیا جا رہا ہے۔

آج تک امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک علماء پر یہی الزام عائد کیا جاتا تھا کہ یہ لوگ انبیاء واولیاء کی محبت وتعظیم میں غلو سے کام لیتے ہیں۔ پھر یکایک یہ کایا پلٹ کیسے ہوگئی کہ انہیں گستاخی کا مرتکب قرار دیا جا رہا ہے؟ دراصل امام احمد رضا بریلوی نے بارگاہِ خداوندی اور حضرات انبیاء واولیاء کی شان میں گستاخی کرنے والوں کا سخت علمی وقلمی محاسبہ کیا تھا، جس کا نہ تو جواب دیا جا سکا اور نہ ہی توبہ کی توفیق ہوئی، الٹا انہیں بے بنیاد الزام دیا جانے لگا کہ یہ گستاخی کے مرتکب ہیں۔

مولوی محمد اسماعیل دہلوی اپنے پیرومرشد سید احمد (رائے بریلی) کے بارے میں کہتے ہیں کہ کمالات طریق نبوت اجمالاً

تو ان کی فطرت میں موجود تھے۔ پھر ایک وقت آیا کہ یہ کمالات راہِ نبوت تفصیلاً کمال کو پہنچ گئے اور کمالاتِ طریقِ ولایت بطریقِ احسن جلوہ گر ہو گئے۔ ان کمالات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”جناب علی مرتضٰی نے حضرت کو اپنے دستِ مبارک سے غسل دیا اور ان کے بدن کو خوب دھویا، جیسے باپ اپنے بچوں کو مل مل کر غسل دیتے ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا نے بیش قیمت لباس اپنے ہاتھ سے انہیں پہنایا۔ پھر اسی واقعہ کے سبب کمالاتِ طریقِ نبوت انتہائی جلوہ گر ہو گئے۔“ (ظہیر: ابریلویہ ص۲۱)

یہ اگرچہ خواب کا واقعہ بتایا جا رہا ہے۔ لیکن ہمیں یہ پوچھنے کا حق ہے کہ ایسے واقعات کا کتابوں میں درج کرنا اور پھر فارسی اور اُردو میں انہیں بار بار شائع کرنا حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں سوادبی نہیں ہے؟ پھر کیا وجہ ہے کہ علمائے اہل سنت کے توجہ دلانے کے باوجود علماء اہل حدیث نے اس کا تدارک نہ کیا اور نہ ہی توبہ کی۔ حافظ شیرازی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

مشکلے دارم ز دانش مند مجلس باز پرس!!
توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند

الزام نمبر۳: انہوں نے ایسے عقائد و افکار کو رواج دیا جو ان سے پہلے پاک و ہند کے اہل سنت میں رائج نہیں تھے اور وہ تمام شیعہ سے ماخوذ ہیں جیسے انبیاء و اولیاء کے لیے علم غیب، مسئلہ علم ماکان و مایکون اور اختیار و قدرت وغیرہ۔ (ظہیر البریلویہ ص۲۱)

یہ تو آپ آئندہ ابواب میں دیکھیں گے کہ یہ عقائد قرآن و حدیث اور علماء اسلام کے اقوال سے ثابت ہیں اور وہ عقائد ہیں جو ابتدائے اسلام ہی سے چلے آئے ہیں۔ اس وقت صرف چند حوالے درج کیے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوگا کہ امام احمد رضا بریلوی نے قدیم سنی حنفی طریقے کی حمایت و حفاظت کی ہے اور دوسرے فرقوں نے سلف صالحین کے راستے سے انحراف کیا ہے۔

سید سلیمان ندوی جن کا میلانِ طبع اہل حدیث کی طرف تھا، بیان کرتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد دو گروہ نمایاں ہوئے:

(۱) علماء دیوبند اور مولانا سخاوت علی جونپوری وغیرہ اس سلسلے میں توحید خالص کے جذبہ کے ساتھ حنفیت کی تقلید کا رنگ نمایاں رہا۔ (۲) میاں نذیر حسین دہلوی اس سلسلے میں توحید خالص اور ردِ بدعت کے ساتھ فقہ حنفی کی تقلید کی بجائے براہِ راست کتب حدیث سے بقدرِ فہم استفادہ اور اس کے مطابق عمل کا جذبہ نمایاں ہوا اور اسی سلسلے کا نام اہلِ حدیث مشہور ہوا۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا سلسلہ بھی تھا، جس کا ذکر وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

”تیسرا فریق وہ تھا جو شدت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے کو اہل السنۃ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علماء تھے۔ (سید سلیمان ندوی: حیاتِ شبلی ص۳۴۲ تا ۳۴۶ (بحوالہ تقریب تذکرہ اکابر اہل سنت)

مولوی ثناء اللہ امرتسری مدیر اہل حدیث نے ۱۹۳۷ء میں لکھا تھا۔

”امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ کے مساوی ہے، اسی سال قبل قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے،

جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔ (ثناء اللہ امرتسری: شمع توحید (مطبوعہ سرگودھا) ص ۴)

چونکہ امام احمد رضا بریلوی نے مسلکِ اہل سنت اور مذہب حنفی کی زبردست حمایت وحفاظت کی تھی، اس لیے ان کی نسبت، اہل سنت کے لیے نشانِ امتیاز بن گئی ہے ورنہ بریلوی کوئی نیا فرقہ نہیں ہے۔

شیخ محمد اکرام جو سرسید کے مکتبِ فکر سے وابستہ اور اہل سنت وجماعت سے کھلم کھلا عناد رکھتے تھے وہ بھی بریلوی پارٹی کے عنوان کے تحت امام احمد رضا بریلوی کے متعلق لکھ گئے:

''انہوں نے ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ نہایت شدت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی۔''

(شیخ محمد اکرام: موج کوثر (طبع ہفتم ۱۹۶۶ء) ص ۷۰ (بحوالہ تقریب مذکور)

ہندوستان کے معروف محقق اور ادیب مالک رام جو قادیانیت اور ندویت دونوں سے متاثر ہیں، امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جیسا کہ سب کو معلوم ہے بریلی، مولانا احمد رضا خاں مرحوم کا وطن ہے، وہ بڑے سخت گیر قسم کے قدیم الخیال عالم تھے۔'' (مالک رام: نذر عرشی (مطبوعہ دہلی) ص ۱۳ (ایضاً)۔

اس کے باوجود کوئی شخص حقائق کا منہ چڑانے کی کوشش کرے، تو اسے کیا کہا جائے گا؟

ائمہ اہل سنت اور فضائلِ اہل سنت

الزام نمبر ۴: وہ شیعی روایات واحادیث کی روایت کرتے تھے اور انہیں اہل سنت میں رواج دیتے تھے، مثلاً ان علیاً قسیم النار علی مرتضیٰ دشمنوں کو آگ تقسیم کرنے والے ہیں۔ نیز یہ روایت کہ فاطمہ کا نام فاطمہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کی ذریت کو آگ سے دور کردیا ہے۔'' (ظہیر: البریلویہ، ص ۲۲-۲۱)

حضرت امام علامہ قاضی عیاض فرماتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ

وقد خرج اهل الصحيح ولا ئمة ما اعلم به اصحابه صلى الله عليه وسلم مما وعد هم من الظهور على اعدائه(الیٰ ان قال) وقتل على وأن اشقا ها الذى يخضب هذا من هذا اى لحية من رأسه وانه قسيم النار يد خل اوليائه الجنة واعداء ه النارo (قاضی عیاض مالکی: الشفاء (فاروقی کتب خانہ، ملتان) ج ۱، ص ۲۲۳)

''اصحاب صحاح اور ائمۂ حدیث نے وہ حدیثیں روایت کیں، جن میں حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کو غیب کی خبریں دیں، مثلاً یہ وعدہ کہ وہ دشمنوں پر غالب آئیں گے اور مولیٰ علی کی شہادت اور یہ کہ امت کا بدبخت ترین ان کے سر مبارک کے خون سے ریشِ مطہر کو رنگے گا اور یہ کہ مولیٰ علی قسیم دوزخ ہیں، اپنے دوستوں کو بہشت میں اور اپنے دشمنوں کو دوزخ میں داخل فرمائیں گے۔''

کیا قاضی عیاض شیعہ تھے؟ نہیں، ہرگز نہیں وہ اہل سنت کے مسلم بزرگ اور امام ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

كان امام وقته فى الحديث و علو مه (الىٰ ان قال) مكان له عناية كثيرة به والاهتمام بجمعه وتقييده وهو من اهل اليقين فى العلم والذكاء والفطنة والفهم○ (نواب صدیق حسن خاں: ابجد العلوم ج ۳، ص ۱۲۸)

"قاضی عیاض اپنے دور میں حدیث اور علوم حدیث کے امام تھے۔ حدیث کی طرف ان کی توجہ بہت تھی۔ حدیث کے جمع کرنے اور ضبط کا اہتمام کرتے تھے، وہ علم وفہم اور ذکاوت وفطانت میں صاحب یقین تھے۔"

شافعیہ کے عظیم ترین عالم حضرت علامہ نووی مسلم شریف کی شرح میں اکثر وبیشتر علامہ قاضی عیاض کے حوالے بطورِ استشہاد نقل کرتے ہیں۔ اس خارجیت کا کیا کیا جائے کہ جسے محبِ اہل بیت دیکھا اسے رافضی اور شیعہ کا لقب دے دیا، حالانکہ اہل سنت کا امتیازی نشان یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام واہل بیت عظام دونوں کے ساتھ والہانہ عقیدت ومحبت رکھتے ہیں۔ امام شافعی کو بھی اہل بیت کی محبت پر رافضی ہونے کا الزام دیا گیا تھا۔ امام نے اس کے جواب میں فرمایا:

لو كان رفضاً حب آلِ محمد
فليشهد الثقلان انى رافض

(ابن حجر مکی ہیتمی: الصواعق المحرقہ (مکتبۃ القاہرہ، مصر) ص ۳۳)

"اگر آل محمد کی محبت رفض ہے، تو جن وانسان گواہ ہو جائیں کہ میں رافضی ہوں۔"

یعنی یہ غلط ہے کہ اہل بیت کی محبت رفض ہے، رافضی تو صحابہ کرام سے عداوت رکھتے ہیں، جیسے خارجی اہل بیت کے دشمن ہیں، اہلِ سنت دونوں محبتوں کے جامع ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

اہل سنت کا ہے بیڑا پار، اصحاب حضور
نجم ہیں اور ناؤ ہے عترت رسول اللہ کی

شفاء شریف کی شرح نسیم الریاض میں علامہ خفاجی فرماتے ہیں کہ ابن اثیر نے نہایہ میں بیان کیا کہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

انا قسيم النار

(احمد شہاب الدین الخفاجی، علامہ: نسیم الریاض (مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ) ج ۳، ص ۱۶۳)

علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں:

"ابن اثیر ثقہ ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو فرمایا ہے، وہ رائے سے نہیں کہا جا سکتا، لہٰذا یہ حکماً حدیث مرفوع ہے، کیونکہ اس میں اجتہاد کا دخل نہیں ہے۔" (احمد شہاب الدین الخفاجی، علامہ: نسیم الریاض (مکتبہ سلفیہ، مدینہ منورہ): ج ۳، ص ۱۶۳)

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد حضرت شاذان فضلی نے جزء رد الشمس" میں روایت کیا ہے۔ (احمد رضا بریلوی، امام: الامن والعلی (کامیاب دار التبلیغ، لاہور) ص ۵۹)

کیا اس کے باوجود بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ شیعی روایت ہے؟

کیا حضرت شاذان فضلی ، قاضی عیاض ، ابن اثیر اور علامہ شہاب الدین خفاجی سب ہی شیعہ ہیں؟

دوسری روایت کے بارے میں سنیے، حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:

فقد ورد مرفوعاً انما سمیت فاطمة لان الله قد فطمها وزریتها عن النار یوم القیامة" اخرجه الحافظ الدمشقی، وروی النسائی مرفوعا"انما سمیت فاطمة لان الله تعالیٰ فطمها ومحبیها عن النار۔"

(علی بن سلطان محمد القاری: شرح فقہ اکبر (مصطفیٰ البابی، مصر) ص ۱۱۰)

''مرفوعاً وارد ہے(یعنی یہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے) کہ فاطمہ، اس لیے نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اوران کی اولاد کو قیامت کے دن آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ روایت حافظ الحدیث ابن عساکر دمشقی نے بیان کی۔ امام نسائی حدیث مرفوع روایت کرتے ہیں کہ فاطمہ، اس لیے نام رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اوران کے محبین کو آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔''

اب بتایا جائے کہ اس روایت کے بیان کرنے پر صرف امام احمد رضا بریلوی کو شیعہ ہونے کا الزام دیا جائے گا یا اس الزام میں حافظ ابن عساکر دمشقی، امام نسائی اور ملا علی قاری کو بھی شریک کیا جائے گا؟ ان حضرات کو شیعہ قرار دینے والا کیا اپنا نام خوارج کی فہرست میں داخل نہیں کرائے گا؟

الزام نمبر ۵: وہ کہتے تھے کہ اغواث یعنی مخلوق کے مدگاروں اور وہ جن سے مدد طلب کی جاتی ہے، کی ترتیب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہو کر حضرت حسن عسکری تک ہے۔ حضرت حسن عسکری شیعہ کے نزدیک بارھویں امام ہیں۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۴۲)

یہ نقل اصل کے بالکل خلاف ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

''غوث اکبر وغوث ہر غوث حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر حضور کے وزیر دست چپ تھے (اس سلطنت میں وزیر دستِ چپ وزیر دستِ راست سے اعلیٰ ہوتا ہے) اور فاروقِ اعظم وزیر دستِ راست، پھر امت میں سب سے پہلے درجۂ غوثیت پر امیر المومنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز ہوئے اور وزارت امیر المومنین فاروق اعظم وعثمانِ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو عطا ہوئی۔ اس کے بعد امیر المومنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیت مرحمت ہوئی اور عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ومولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم وامام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ وزیر ہوئے۔

پھر مولیٰ علی کو (غوثیت عطا ہوئی) اور امامین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے۔ پھر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری تک یہ سب مستقل غوث ہوئے۔ امام حسن عسکری کے بعد حضور غوث اعظم تک جتنے حضرات ہوئے، سب ان کے نائب ہوئے۔ ان کے بعد سیدنا غوث اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مستقل غوث، حضور تنہا غوثیت کبریٰ کے درجے پر فائز ہوئے۔''

(محمد مصطفیٰ رضا خاں، مولانا: ملفوظات (مطبوعہ لاہور) ص ۱۱۵)

اس عبارت کے دو پیرے ہیں، الزام دینے کے لیے صرف دوسرے پیرے کا ایک حصہ نقل کر کے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کے نزدیک پہلے غوث حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آخری غوث حضرت حسن عسکری ہیں یعنی ان کے نزدیک صرف وہی شیعوں کے بارہ امام ہی غوث ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حاشیہ میں بہ طور حوالہ صرف ''ملفوظات'' لکھنے پر اکتفا کیا

گیا، صفحہ نمبر نہیں لکھا گیا تا کہ اصل کی طرف رجوع کرنے سے حقیقت نہ کھل جائے! انصاف کی نگاہ سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ امام احمد رضا نے امت میں سب سے پہلا غوث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو قرار دیا ہے اور آخر میں سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کا ذکر کیا ہے کیا شیعہ ان حضرات کو غوث مانتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

پھر یہ کہنا کہ یہی شیعہ کے بارہ امام ہیں، یہ بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ حضرات اہل سنت کے نزدیک بھی مسلم روحانی پیشوا ہیں، شیعہ سے فرق اس لحاظ سے ہے کہ اہل سنت کے نزدیک یہ حضرات معصوم اور اللہ تعالی کی طرف سے نظمِ مملکت کے لیے مقررہ کردہ خلیفہ نہیں ہیں اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ تعالی عنہ کو چوتھا خلیفہ مانتے ہیں، جبکہ شیعہ کا ان امور میں اختلاف ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں:

والمشائخ فی علم السر وتصفیة الباطن فان المرجع فيه الی العترة الطاهرة ٥

(سعد الدین مسعود التفتازانی، علامہ: شرح مقاصد (دار المعارف النعمانیہ، لاہور) ج س ۲، ص ۳۰۰)

''مشائخ نے علم سر اور تصفیہ باطن میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے استناد کیا ہے، کیونکہ اس علم کا سرچشمہ اہل بیت کرام ہیں۔''

علامہ نے نہ صرف یہ قول نقل کیا ہے، بلکہ اسے برقرار رکھا ہے۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سے سوال کیا گیا ہے:

''جناب فخر المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب قدس سرہ در تفہیمات الٰہیہ وغیرہ صفاتِ اربعہ کو عصمت و حکمت و وجاہت و قطبیت باطنہ است برائے حضرات ائمہ اثناعشر علیہم السلام ثابت کردہ اند''۔

شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ، نے تفہیماتِ الٰہیہ وغیرہ میں عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت چار صفتیں بارہ اماموں کے لیے ثابت کی ہیں۔'' (شاہ عبد العزیز محدث دہلوی: فتاویٰ عزیزی، فارسی مجتبائی، دہلی: ج ۱، ص ۱۲۷)

کیا یہ عقیدہ خلفائے ثلاثہ کی افضلیت کے خلاف نہیں ہے؟

اس کے جواب میں سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی فرماتے ہیں:

''قطبیت باطنہ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالی اپنے بعض بندوں کو مخصوص فرما دیتا ہے کہ فیض الٰہی اولاً و بالذات ان پر نازل ہوتا ہے، پھر ان سے دوسروں کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اگر چہ بہ ظاہر کوئی ان کسب فیض نہ کرے جیسے سورج کی شعاعیں روشن دان کے ذریعے کسی گھر میں پہنچیں تو اولاً وہ روشندان، روشن ہوگا اور اس کے واسطہ سے گھر کی تمام چیزیں روشن ہوں گی۔ اس کو قطب ارشاد بھی کہتے ہیں، برخلاف قطب مدار کے۔

خلاصہ یہ کہ از روئے تحقیق ان چار صفات کا (بارہ اماموں کے لیے) ثابت کرنا نہ مذہب اہل سنت کے خلاف ہے، اگر چہ ظاہر بین حضرات ان الفاظ کے استعمال سے گھبرائیں گے اور نہ شیخین کی افضلیت کے خلاف ہے جس پر تمام اہل حق کا اتفاق ہے۔''

(ترجمہ) (شاہ عبد العزیز محدث دہلوی: فتاویٰ عزیزی، فارسی مجتبائی، دہلی: ج ۱، ص ۱۲۹)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے نزدیک بارہ امام نہ

صرف روحانی پیشوا ہیں، بلکہ عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت باطنہ چاروں صفات کے حامل ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فیض اولاً ان پر نازل ہوتا ہے اور ان کے واسطے سے دوسروں تک پہنچتا ہے۔ کیا علامہ تفتازانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سب کے سب شیعہ ہیں؟ یا یہ فتویٰ امام احمد رضا بریلوی ہی کے لیے مختص ہے؟

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا یہ ارشاد بھی توجہ طلب ہے:

ومعنی امامت کہ در اولاد حضرت امیر باقی ماند و یکے مرد دیگرے را وصی آں می ساخت ہمیں قطبیت ارشاد و منبعیت فیض ولایت بود و لہذا التزام ایں امر بر کافۂ خلائق از ائمۂ اطہار مروی نشدہ بلکہ یاران چیدہ و مصاحبانِ برگزیدہ خود را باآں فیض خاص مشرف می ساختند و ہر یکے را بقدر استعداد او بایں دولت می نواختند۔ (عبدالعزیز محدث دہلوی شاہ: تحفہ اثنا عشریہ ص۲۱۴)۔

''حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں جو امامت باقی رہی اور ان میں سے ایک، دوسرے کو وصی بناتا رہا۔ وہ یہی قطبیتِ ارشاد اور فیض ولایت کا منبع ہونا تھا، اس لیے ائمۂ اطہار میں سے کسی سے مروی نہیں کہ انہوں نے امامت کا تسلیم کرنا تمام انسانوں پر لازم قرار دیا ہو، بلکہ اپنے چیدہ چیدہ دوستوں اور منتخب مصاحبوں کو اس فیضِ خاص سے مشرف فرماتے تھے، اور ہر ایک کو اس کی استعداد کے مطابق اس دولت سے نوازتے تھے۔''

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ایک اور فرمان ملاحظہ ہو جو چشمِ بصیرت کے لیے سرمہ ثابت ہوگا:

''نیز پچھلے امام مثل حضرت سجاد و باقر و صادق و کاظم و رضا تمام اہل سنت کے مقتدا اور پیشوا ہوئے ہیں کہ اہل سنت کے علماء مثلاً زہری، امام ابوحنیفہ اور امام مالک نے ان حضرات کی شاگردی اختیار کی ہے اور اس وقت کے صوفیاء مثلاً حضرت معروف کرخی وغیرہ نے ان حضرات سے کسبِ فیض کیا اور مشائخ طریقت نے ان حضرات کے سلسلۃ الذہب قرار دیا اور اہلِ سنت کے محدثین نے ان بزرگوں سے ہر فن خصوصاً تفسیر و سلوک میں احادیث کے دفتروں کے دفتر روایت کیے ہیں۔'' (عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ، تحفہ اثنا عشریہ: ص۲۳۳)

اب تو اہل سنت کے ائمۂ مجتہدین، محدثین، مفسرین اور صوفیہ کو بھی شیعہ قرار دے دیجئے کہ وہ ائمۂ اہل بیت سے ہر قسم کا استفادہ اور استناد کرتے رہے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی تو بارہ اماموں کو غوث ہی مانتے ہیں، لیکن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تو بارہ اماموں کو معصوم اور قطب ارشاد بھی مانتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان کی تائید کر رہے ہیں، ان کے شیعہ ہونے پر تو بہت پختہ مہر ثبت ہونی چاہیے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بارہ اماموں کو چار صفات، عصمت، حکمت، وجاہت اور قطبیت باطنہ کا حامل قرار دیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ان کے معصوم ہونے کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عصمت کے دو معنی ہیں: (۱) گناہ پر قادر ہونے کے باجود اس کا صدور محال ہو اور یہ معنی باجماع اہل سنت، حضراتِ انبیاء اور ملائکہ علویہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ (۲) گناہ کا صادر ہونا جائز ہے، اس پر کوئی محال لازم نہیں آتا لیکن اس کے باوجود صادر نہ ہو اور اس معنی کو صوفیہ محفوظیت کہتے ہیں اور اسی معنی کے اعتبار سے صوفیہ کے کلام میں اپنے لیے عصمت کی دعا واقع ہے۔'' (ترجمہ)

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی: فتاویٰ عزیزی فارسی ج۱، ص۱۲۸)

الزام نمبر۶: انہوں نے کہا کہ علی مرتضیٰ اس شخص کی بلا کو دفع کرتے ہیں اور تکلیفوں کو دور کرتے ہیں کہ جو مشہور دعا سیفی سات بار، تین بار، یا ایک بار پڑھے اور وہ دعا یہ ہے:

نا دعليا مظهر العجائب والغرائب ، تجده عونا لك فى النوائب، كل همّ وغمٍ سينجلى بولا يتك يا علي يا علي يا علي۔ (ظہیر: البریلویہ ص۴۲)

امام احمد رضا بریلوی نے یہ دعا ایک ایسی کتاب سے نقل کی ہے جس کی اجازتیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنے اساتذہ حدیث سے لیتے اور اپنے شاگردوں کو دیتے رہے ہیں، ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

''طرفہ تر یہ کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے ''انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' سے روشن کہ شاہ صاحب والا مناقب اور ان کے بارہ اساتذہ علم حدیث ومشائخ طریقت جن میں مولانا طاہر مدنی اور ان کے والد واستاذ و پیر مولانا ابراہیم کردی اور ان کے استاذ مولانا احمد قشاشی اور ان کے استاذ مولانا احمد شناوی اور شاہ صاحب کے استاذ الاستاذ مولانا احمد نخلی وغیرہم اکابر داخل ہیں کہ شاہ صاحب کے اکثر سلاسلِ حدیث انہیں علماء سے ہیں۔ ''جواہرِ خمسہ'' حضرت شاہ محمد گوالیاری علیہ رحمۃ الباری وخاص ''دعائے سیفی'' کی اجازتیں لیتے اور اپنے مریدین ومعتقدین کو اجازت دیتے۔'' (احمد رضا خاں بریلوی، امام: الامن والعلی (مطبوعہ لاہور) ص۱۲)

اب بجائے اس کے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ان کے اساتذہ اور حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کو مشرک، بدعتی اور شیعہ قرار دیا جاتا، الٹا امام احمد رضا بریلوی پر شیعہ ہونے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ اگر دعائے سیفی کو ماننے کی بناء پر امام احمد رضا بریلوی شیعہ قرار پاتے ہیں، تو مذکورہ بالا تمام حضرات سے دست بردار ہو کر اعلان کر دیجیے کہ وہ شیعہ اور مشرکانہ عقائد کے حامل تھے، آخر یہ تفریق کیوں؟

اسی الزام پر یہ بھی کہا گیا ہے:

یہ شعر دفع امراض کے لیے مفید اور حصول وسیلہ وثواب کا سبب ہے۔

لى خمسة اطفى بهاحر الوباء الحاطمه
المصطفےٰ والمرتضےٰ وابنا هما والفاطمه (ظہیر: البریلویہ، ص۴۲)

یہ شعر فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص۱۸۷ کے حوالے سے نقل کیا گیا، حالانکہ اس صفحہ میں یہ شعر کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ اس شعر اور دعائے سیفی میں اہل بیت کرام سے توسل کیا گیا ہے۔ جو امتِ مسلمہ کا سلفاً وخلفاً معمول رہا ہے۔ اس کی تفصیل تو توسل کی بحث میں ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

آل النبى ذريعتى وهم، اليه وسيلتى
ارجو بهم أُعطىٰ غدًا بيدا ليمين صحيفتى (ابن حجر مکی ہیتمی، الصواعق المحرقہ ص۱۸۰)

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل پاک، بارگاہِ الٰہی میں میرا ذریعہ اور وسیلہ ہیں امید ہے کہ قیامت کے دن اُن کے وسیلے سے مجھے دائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا۔''

الزام نمبر ۷: ”وہ علم جفر اور جامعہ کو مانتے ہیں، جفر وہ جلد تھی جس میں جعفر صادق نے ہر وہ چیز لکھ دی تھی جو قیامت تک ہونے والی تھی اور جس کی معرفت کی اہل بیت کو ضرورت ہو سکتی تھی، نیز جفر و جامعہ حضرت علی کی دو کتابیں ہیں۔ جن میں انتہائے دنیا تک کے ہونے والے حوادث علم الحروف کے طریقے پر لکھ دیئے تھے اور آپ کی اولاد میں سے آئمہ معروفین ان کو جانتے تھے (ظہیر: البریلویہ، ص ۴۲)

علمی دنیا میں ایسی باتوں کی کیا وقعت ہے؟ علم جفر کی اہم ترین کتابوں میں سے ایک شیخ اکبر محی الدین عربی کی تصنیف ہے۔ اس علم کے شروع کرنے سے پہلے چند اسماء الٰہیہ کا ورد کیا جاتا ہے۔ خواب میں سرکار دو عالم ﷺ کی زیارت ہوتی ہے۔ اگر حضور اجازت دیں، تو اس فن کو شروع کرے، ورنہ چھوڑ دے۔ (محمد مصطفےٰ رضا خاں، مفتی اعظم: ملفوظات ص ۱۵۰-۱۴۹)۔ کیا جو علوم قدیم زمانے سے چلے آرہے ہوں، جن کا حضور اکرم سید عالم ﷺ کی اجازت سے شروع کیا جاتا ہو اور جو ائمۂ اہل بیت کا خصوصی علم ہو، کیا اسے جان لینے یا اس کے مان لینے سے انسان شیعہ ہو جاتا ہے؟ ہر گز نہیں۔ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ائمۂ اہل بیت، اہل سنت کے محدثین، مفسرین، فقہا و صوفیہ کے مقتداء پیشوا ہیں، کیا ان سب پر تشیع کا حکم لگایا جائے گا؟ پھر یہ بھی قابلِ غور حقیقت ہے کہ شریعتِ مبارکہ نے جن علوم سے منع نہ کیا ہو، ان پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہو سکتی۔ نحو اور بلاغت کے بڑے بڑے ائمۂ معتزلی ہوئے ہیں۔ کیا ان علوم میں مہارت حاصل کرنے والا معتزلی ہو جائے گا۔

الزام نمبر ۸: انہوں نے یہ جھوٹی روایت نقل کی، اسے برقرار رکھا، اور اہل سنت کو اس کی تلقین کی:

رضا سے کہا گیا۔۔۔۔۔۔ جو امام ثامن اور شیعہ کے نزدیک معصوم ہیں۔

(رضی اللہ عنہ) مجھے ایک کلام تعلیم فرمائیے کہ اہل بیت کرام کی زیارت میں عرض کیا کروں؟ فرمایا قبر سے نزدیک ہو کر چالیس بار تکبیر کہہ، پھر عرض کر، سلام آپ پر اے اہل بیتِ رسالت! میں آپ سے شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کو اپنی طلب وخواہش و سوال و حاجت کے آگے کرتا ہوں، خدا گواہ ہے مجھے آپ کے باطنِ کریم وظاہرِ طاہر پر سچے دل سے اعتقاد ہے اور میں اللہ کی طرف بری ہوتا ہوں۔ ان سب جن وانس سے جو محمد اور آلِ محمد کے دشمن ہوں۔“ (ظہیر: البریلویہ، ص ۲۳)۔

اس میں جھوٹ کی کیا بات ہے؟ امام احمد رضا بریلوی ، حضرت علی موسیٰ رضا کا یہ فرمان خواجہ حافظی واسطی کی تصنیف فصل الخطاب اور شیخِ محقق عبدالحق محدث دہلوی کی تصنیف جذب القلوب سے نقل فرما رہے ہیں۔ (احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ مبارکپور، انڈیا) ج ۴، ص ۲۹۹)۔

شیخ محقق کی عظمت وثقاہت کو نواب صدیق حسن خاں بھوپالی ان لفظوں میں خراجِ عقدت پیش کر رہے ہیں:

اعلم ان الهند لم يكن بها علم الحديث منذ فتحها اهل الاسلام (الیٰ ان قال) حتٰی من الله تعالیٰ علی الهند بافاضة هذا العلم علیٰ بعض علما ئها كا ليشخ عبدالحق بن سيف الدين الترك الدهلوی المتوفی سنة اثنين وخمسين والف وامثالهم وهو اول من جاء به هذا الا قليم وافاضه علی سكانه فی احسن تقويمo

(صدیق حسن خاں، نواب: الحطۃ (اسلامی اکادمی، لاہور) ص ۱۹۰-۱)

”جب سے مسلمانوں نے ہندوستان فتح کیا، یہاں علمِ حدیث کا چرچا نہیں تھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان پر

احسان فرمایا اور یہ علم وہاں کے علماء کو عطا فرمایا، جیسے شیخ محقق عبدالحق ابن سیف الدین ترک دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) وغیرہ علماء اور وہ اس علم کو اس خطے میں لانے اور یہاں کے باشندوں میں بہترین طریقوں پر پھیلانے والے پہلے بزرگ ہیں۔"

رہا یہ اعتراض کہ امام علی رضا شیعہ کے آٹھویں امام ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تصنیف تحفہ اثناء عشریہ ص ۲۳۳ کے حوالہ سے اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ حضرت امام رضا اہل سنت کے محدثین، مفسرین، فقہاء اور صوفیاء کے مقتداء ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

(علی الرضا) وھو انبھھم ذکرا اوا جلھم قدرا۔۔۔ ومن موالیہ معروف الکرخی استاذ السرّی السقطی لانہ، اسلم علی یدیہo (احمد بن حجر المکی الہیتمی: الصواعق المحرقۃ (مکتبۃ القاہرہ) ص ۲۰۴)

"علی رضا، ائمۂ اہل بیت میں سے جلیل القدر عظیم المرتبہ ہیں۔ سری سقطی کے استاذ معروف کرخی ان کے موالی میں سے ہیں، کیونکہ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تھے"۔

اس کے بعد امام رضا کی متعدد کرامتیں بیان کی ہیں۔ اہل بیت اور ان کے ائمہ سے عداوت اہل سنت کا نہیں، خوارج کا شیوہ ہے۔۔۔ اہل سنت وجماعت جس طرح صحابہ کرام کے دشمنوں سے بری ہیں، اسی طرح اہل بیت کے دشمنوں سے بھی بری ہیں

الزام نمبر ۹: انہوں نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ امام حسین کے مزار کی تصویر، گھر میں بہ طورِ تبرک رکھنا جائز ہے۔"
(ظہیر: البریلویہ ص ۴۳)

بے شک بے جان چیز کی تصویر اپنے پاس رکھا اور بنانا جائز ہے اور ایسی چیزیں معظمانِ دین کی طرف منسوب ہو کر تقدس حاصل کر لیتی ہیں، کعبہ شریف اور روضہ مبارکہ کی تصویریں۔ بطورِ تبرک اپنے پاس رکھنے کو کون سا مسلمان پسند نہیں کرے گا؟ حضور نبی اکرم ﷺ کے نعل مبارک کے نقشے صدہا سال سے ائمۂ دین بناتے رہے ہیں اور ان کے فوائد و برکات میں مستقل رسالے تحریر فرماتے رہے جسے شوق ہو علامہ تلمسانی کے رسالہ فتح المتعال اور امام احمد رضا کا رسالہ شفاء الوالہ کا مطالعہ کرے۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روضۂ مبارکہ کا ماڈل (تعزیہ) جو تیار کیا جاتا ہے، اس کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"اول تو نفسِ تعزیہ میں روضہ مبارک کی نقل ملحوظ نہ رہی۔ ہر جگہ نئی تراش نئی گڑھت جسے اس نقل سے کچھ علاقہ نہ نسبت، پھر کسی میں پریاں، کسی میں براق، کسی میں بیہودہ طمطراق، پھر کوچہ بکوچہ، دشت بدشت اشاعتِ غم کے لیے ان کا گشت اور ان کے گرد سینہ زنی اور ماتم سازی کی شور افگنی کوئی ان تصویروں کو جھک جھک کر سلام کر رہا ہے، کوئی مشغولِ طواف، کوئی سجدہ میں گرا ہوا ہے، کوئی ان مایۂ بدعات کو معاذ اللہ معاذ اللہ! جلوہ گاہ حضرت امام، علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سمجھ کر اس ابرک پنی سے مرادیں مانگتا، منتیں مانتا ہے، حاجت روا جانتا ہے۔۔۔ اب کہ تعزیہ داری اس طریقہ نامرضیہ کا نام ہے، قطعاً بدعت و ناجائز و حرام ہے۔۔۔ روضۂ اقدس حضور سید الشہداء کی ایسی تصویر (ماڈل) بھی نہ بنائے، بلکہ صرف کاغذ کے صحیح نقشے (فوٹو) پر قناعت کرے۔"

(احمد رضا بریلوی، امام: رسالہ تعزیہ داری (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ص ۴-۳)

کیا ہے کوئی شیعہ جو اس قسم کا فتویٰ دے؟

ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

ویحرم صنع الضرائح منسوبة الی الحسین علیه و علی آبائه السلام، التی یصنعها اهل الهند بالقرطاس ویسمونها "تعزیة" ۝ (ظہیر: البریلویۃ، ص۲۳)۔

"امام حسین علیہ وعلی آبائہ السلام کی طرف منسوب قبروں کے بنانے کو حرام قرار دیتے تھے جو اہل ہند کاغذ سے بناتے ہیں اور جسے تعزیہ کہتے ہیں۔"

الزام نمبر۱۰: "ان کا سلسلہ بیعت نبی اکرم ﷺ تک ائمہ شیعہ کے ذریعے پہنچتا ہے جیسا کہ انہوں نے خود اپنی عربی عبارت میں ذکر کیا ہے:

اللهم صل وبارك علیٰ سیدنا و مولانا محمدنالمصطفے رفیع المکان، المرتضیٰ علی الشان، الذی رجیل من امة خیر من الرجال السالفین وحسین من زمرته احسن من کذا و کذ حسنا من السابقین، السید السجاد زین العابدین، باقر علوم الانبیاء والمرسلین، ساقی الکوثر و مالك تسنیم و جعفر الذی یطلب موسیٰ الکلیم رضا ربه بالصلوٰة علیه ۝ (ظہیر: البریلویۃ، ص۲۳)

جن ائمۂ اہل بیت کے ذریعے امام احمد رضا بریلوی کا سلسلہ بیعت نبی اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے، ان ائمۂ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی معصوم مانتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی انہیں اہل سنت کے پیشوا و مقتدیٰ قرار دیتے ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے گزر چکا ہے۔ سید احمد بریلوی پیرومرشد شاہ اسمٰعیل دہلوی کا سلسلہ طریقت بھی انہی ائمہ اہل بیت کے ذریعے رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے۔ (محمد علی سید: مخزن احمد، مطبع مفید عامہ، آگرہ) ص۱۲-۱۱)

اگر اسی بناء پر کسی کو شیعہ قرار دیا جاسکتا ہے، تو ماننا پڑے گا کہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور سید صاحب بھی شیعہ تھے اور ان کے دامن سے وابستہ علماء اہل بیت بھی لازماً شیعہ ٹھہریں گے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی، پیشوائے اہل حدیث شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

مسند الوقت الشیخ الاجل (صدیق حسن خاں، نواب: ابجد العلوم، ج ۳، ص۲۲۱)

نیز کہتے ہیں:

"علم حدیث، تفسیر، فقہ اور اصول اور ان سے متعلق علوم، صرف اسی خانوادے میں تھے۔ اس بارے میں کوئی موافق یا مخالف اختلاف نہیں کرسکتا سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے انصاف سے اندھا کردیا ہو۔" (صدیق حسن خاں: ابجد العلوم ج ۳، ص۲۲۳)

عربی شجرۂ طریقت

مارہرہ شریف کے بزرگ سید شاہ اسمٰعیل میاں کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ برکت اللہ قدس سرہ کے عرس کے موقع پر مولانا شاہ احمد رضا بریلوی تشریف فرما تھے۔ میں نے مولانا عبدالمجید بدایونی کا شجرہ عربی بصورتِ درود شریف دکھایا اور کہا

کہ ہمارا شجرہ بھی عربی، درود شریف کی صورت میں لکھ دیجئے، وہ فرماتے ہیں:

"اسی وقت میاں صاحب بھائی مرحوم کے قلمدان سے قلم لے کر قلم برداشتہ بغیر کوئی مسودہ کیے ہوئے ہمارے وظیفہ کی کتاب پر نہایت خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے مرصع و مسجع صیغہ درود شریف میں شجرہ قادریہ برکاتیہ جدیدہ تحریر فرمایا۔" (ظفر الدین بہاری، مولانا، حیات اعلیٰ حضرت، ج ا ص ۱۳۱)

امام احمد رضا کے قلم سے لکھے ہوئے اس شجرہ کا عکس انوارِ رضا (ص ۲۸ تا ۳۰) میں دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ شجرہ مارہرہ شریف میں ۲۱ محرم بروزِ جمعہ ۱۳۰۶ھ کو تحریر فرمایا۔ (شرکت حنفیہ، لاہور: انوارِ رضا ص ۳۰)۔ بلاشبہ عربی زبان پر امام احمد رضا کی دسترس کا بہترین گواہ اور عربی ادب کا شہ پارہ ہے۔

لسانِ عربی کا ماہر اسے دیکھے تو پھڑک اٹھے، لیکن جسے اس کا مطلب ہی سمجھ نہ آئے وہ اعتراض کے سوا کیا کر سکتا ہے؟ اور اعتراض بھی ایسے کمزور کہ جنہیں دیکھ کر اہلِ علم مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں، لکھا ہے:

"اس عبارت سے عربی میں ان کا نابغہ اور ماہر ہونا ظاہر ہو جاتا ہے، وہ شخص جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تین سال کی عمر میں عربی زبان میں گفتگو کرتا تھا۔" (ظہیر: البریلویہ، ص ۴۳)

جب کہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ عربی عبارت صحیح نقل بھی نہ کر سکے، اصل عبارت یہ تھی "**خیر من رجال من السالفین**" اسے یوں نقل کر دیا: "**خیر من الرجال من السالفین**" یعنی رجال پر الف لام زیادہ کر دیا اور اس کے بعد "**من**" حذف کر دیا۔ **رجال** پر تنوین تعظیم کے لیے تھی، اس کے حذف کرنے سے اصل مفہوم برقرار نہیں رہا۔ پھر کئی جگہ قومہ "،" بے موقع اپنے پاس سے لگا دیا، مثلاً **کذا و کذا**، **حسنا** کے درمیان اسی طرح تسنیم اور جعفر کے درمیان اور **یطلب** اور **موسی الکلیم** کے درمیان جعفر کے بعد قومہ ہونا چاہیے تھا، جو نہیں دیا گیا۔ اگر عبارت کا مطلب سمجھ میں آ جاتا تو یہ تبدیلیاں رونما نہ ہوتیں۔

دراصل شجرۂ طریقت میں جتنے بزرگوں کے نام تھے، ان کو امام احمد رضا بریلوی نے یا تو نبی اکرم ﷺ کا وصف بتا دیا ہے یا کسی طور پر آپ کے وصف میں ذکر لے آئے ہیں اور اس درود شریف کا ترجمہ ملاحظہ ہو، تردّد جاتا رہے گا۔

"اے اللہ! صلوٰۃ وسلام اور برکت نازل فرما، ہمارے آقا و مولا محمد ﷺ منتخب بلند مرتبے والے، پسندیدہ عالی شان والے پر، جن کی امت کا ایک چھوٹا مرد پہلے بڑے بڑے مردوں سے بہتر ہے اور جن کے گروہ کا چھوٹا سا حسین گزشتہ بڑے بڑے حسینوں سے زیادہ حسن والا ہے، سردار بہت سجدے کرنے والے عابدوں کی زینت، انبیاء و مرسلین کے علوم کے کھولنے والے، کوثر کے ساقی، تسنیم اور جعفر (جنت کی نہر) کے مالک، وہ کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام ان پر درود بھیج کر ان کے رب کی رضا طلب کرتے ہیں۔"

یہ تمام نبی اکرم ﷺ کے اوصاف ہیں، شجرہ میں امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی تھا اور حسین تصغیر کا صیغہ ہے، جس کا استعمال حضور نبی کریم ﷺ کے لیے بے ادبی تھا، اس لیے اسے انتہائی حسین اور لطیف طریقے پر لائے ہیں:

"جن کے گروہ کا چھوٹا سا حسین گزشتہ بڑے بڑے حسینوں سے زیادہ حسن والا ہے۔"

سبحان اللہ! کیا پاسِ ادب ہے اور کیا حسنِ بیان! چونکہ یہ اس عبارت کا مطلب نہیں سمجھے، اس لیے بڑے بھولپن سے کہتے

ہیں:

''پتا نہیں یہ کونسی ترکیب ہے اور کیسی عبارت ہے؟''

مطلب سمجھ میں آجاتا، تو اس سوال کی نوبت ہی نہ آتی، پھر کہتے ہیں:

''**باقر علوم الانبیاء** کا کیا معنی ہے؟''

اتنی واضح عبارت کا معنی بھی سمجھ میں نہیں آتا، اس کے باوجود امام احمد رضا کی عربی دانی پر نکتہ چینی، گزشتہ سطور پر ترجمہ دیا جا چکا ہے، اسے دیکھنے سے معنی سمجھ میں آجائے گا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ امام محمد باقر کو باقر اس لیے کہتے ہیں:

لانه بقر العلم ای شقه وفتحه فعرف اصله و تمکن فیه ۰ (ابوزکریا یحییٰ بن شرف النواوی: شرح مسلم (نور محمد، کراچی) ج ۱، ص ۱۵)

''کہ انہوں نے علم کو کھول دیا، اس کی اصل کو پہچانا اور اس میں ماہر ہوئے۔''

''باقر علوم الانبیاء'' کا معنی ہوگا، انبیاء کے علم کو کھولنے والے اور بیان فرمانے والے یہ نبی اکرم ﷺ کا وصف ہے۔ پھر کہتے ہیں:

وما معنی '' بالصلوٰة علیه'' ؟

''**بالصلاة علیه**'' کا معنی کیا ہے؟

پورے جملہ کا ترجمہ دیکھئے معنی سمجھ میں آجائے گا۔

''وہ کہ موسیٰ کلیم علیہ السلام ان پر درود بھیج کر ان کے رب کی رضا طلب کرتے ہیں۔''

الزام نمبر ۱۱: انہوں نے پاک و ہند اور بیرونی ممالک کے اہل سنت کی تکفیر کی اور تصریح کی کہ ان کی مسجدیں، مسجدیں نہیں، ان کی ہم نشینی اور ان سے نکاح جائز نہیں، لیکن شیعہ کو اپنے فتوؤں کا ہدف نہیں بنایا، ان کے مراکز اور امام باڑوں کے بارے میں گفتگو نہیں کی۔ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ شیعہ نے ایک امام باڑہ بنایا، پھر بریلوی کے پاس گئے تو انہوں نے اس کا تاریخی نام تجویز کر دیا۔''

(ظہیر: البریلویۃ، ص ۴۴)

یہ بالکل خلافِ حقیقت ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے دنیا بھر کے اہل سنت کی تکفیر کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ ابواب میں بیان کیا جائے گا کہ انہوں نے خدا اور رسول کی بارگاہ میں گستاخی کرنے اور ضروریات دین کی انکار کرنے والوں کے بارے میں حکم شریعت بیان کیا ہے۔

رہا امام باڑہ کا تاریخی نام تجویز کرنا، تو وہ بھی ایک خاص لطیفہ ہے جس سے قارئین کرام لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ۱۲۸۶ھ میں جبکہ امام احمد رضا بریلوی عمر چودہ سال تھی، ایک صاحب نے درخواست کی کہ امام باڑہ تعمیر کیا گیا ہے، اس کا تاریخی نام تجویز کر دیجئے۔

آپ نے برجستہ فرمایا:

''بدرِ رفض'' (۱۲۸۶ھ) نام رکھ لیں، اس نے کہا امام باڑہ گزشتہ سال تیار ہو چکا ہے۔ مقصد یہ تھا کہ نام میں رفض نہ آئے۔ آپ نے فرمایا: ''دارِ رفض'' (۱۲۸۵ھ) رکھ لیں۔ اس نے پھر کہا اس کی ابتداء ۱۲۸۴ھ میں ہوئی تھی۔ فرمایا: ''درِ رفض'' مناسب رہے گا۔''

(ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۱)

یہ واقعہ اس امر کی دلیل ہے کہ امام احمد رضا بریلوی نے ان کی خواہش کے مطابق، فرمائش پوری نہیں کی اور ایسا نام تجویز کیا جو شیعہ کے لیے قابلِ قبول نہ تھا۔ حیرت ہے کہ اسی واقعہ کی ان کے شیعہ ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا رہا ہے۔

گزشتہ صفحات میں اختصار کے پیشِ نظر امام احمد رضا بریلوی کے چند رسائل کے نام پیش کیے گئے ہیں جو ردِ شیعہ میں ہیں۔ احکامِ شریعت اور فتاویٰ رضویہ جلد ششم کے چند صفحات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ جن کے دیکھنے سے معلوم ہو جائیگا کہ امام احمد رضا نے شیعہ کے ردّ میں کیسے کیسے فتوے صادر فرمائے ہیں۔

۲۱ صفر ۱۳۳۹ھ کو قاضی فضل احمد لدھیانوی (مصنف انوار آفتابِ صداقت) نے ایک استفتاء بھیجا کہ ایک رافضی نے کہا کہ آیہ کریمہ: **انا من المجرمین منتقمون**''۔ کے اعداد (۱۲۰۲) ہیں اور یہی عدد ابوبکر، عمر، عثمان کے ہیں، یہ کیا بات ہے؟

اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

''روافض لعنہم اللہ تعالیٰ کی بنائے مذہب ایسے ہی اوہام بے سرو پا و پادر ہوا پر ہے:

اولاً: ہر آیتِ عذاب کے عدد اسماء اخیار سے مطابقت کر سکتے ہیں اور ہر آیتِ ثواب کے عدد، اسماء کفار سے کہ اسماء میں وسعتِ وسیعہ ہے۔

ثانیاً: امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے تین صاحبزادوں کے نام ابوبکر، عمر، عثمان ہیں، رافضی نے آیت کو ادھر پھیرا، ناصبی ادھر پھیر دے گا اور دونوں ملعون ہیں۔

ثالثاً: رافضی نے اعداد غلط بتائے۔ عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نامِ پاک میں الف نہیں لکھا جاتا، تو عدد بارہ سو ایک ہیں نہ کہ دو۔

ہاں اُو رافضی! بارہ سو دو عدد ہیں کا ہے کے؟ ابن سبا رافضہ (۱۲۰۲) کے۔

ہاں اُو رافضی! بارہ سو دو عدد ہیں ان کے۔

ابلیس یزید ابن زیاد شیطان الطاق کلینی ابن با بویہ قمی طوسی حلی (۱۲۰۲)

ہاں اُو رافضی! اللہ عزوجل فرماتا ہے:

ان الذین فرقوا دینهم و کانوا شیعا لست منهم فی شیئ ٥

''بیشک جنھوں نے اپنا دین ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور شعیہ ہو گئے، اے نبی! تمھیں ان سے کچھ علاقہ نہیں۔''

اس آیہ کریمہ کے عدد ۲۸ ۲۸ ہیں اور یہی عدد ہیں۔

''روافض اثنا عشریہ **شیطنیه اسمٰعیلیه** کے (۲۸۲۸)

ہاں اُو رافضی! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لھم اللعنة ولھم سوء الدار

ان کے لئے لعنت ہے اور ان کے لیے ہے برا گھر

اس کے عدد ہیں ۶۴۴ اور یہی عدد ہیں:

''**شیطان الطاق طوسی حلی**'' کے (۶۴۴) (مولانا ظفر الدین بہاری: حیات اعلیٰ حضرت: ج۱: ص ۱۴۸-۱۴۹)

اس کے بعد متعدد آیات بیان فرمائیں جن میں اجر وثواب کا ذکر ہے اور ان کے اعداد صحابۂ کرام کے اسماء مبارکہ کے اعداد کے برابر ہیں۔ کیا کوئی شیعہ ایسا جواب دے سکتا ہے؟

یقیناً نہیں، تو پھر یہ کہنے دیجئے کہ اہل سنت کے ایسے امام کو کوئی خارجی ہی الزام دے سکتا ہے۔

الزام نمبر ۱۲: انہوں نے بعض قصائد میں ائمۂ شیعہ کی مدح ومنقبت میں مبالغہ کیا ہے۔'' (ظہیر: البریلویہ ص ۴۴)

اس کے لیے کسی صفحہ نمبر کا حوالہ نہیں دیا، صرف حدائق بخشش کا نام لکھ دیا ہے، کیونکہ اگر صفحہ نمبر لکھ دیا جاتا، تو معلوم ہو جاتا کہ جن حضرات کی منقبت ہے، وہ اہل سنت ہی کے مسلم پیشوا ومقتداء ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حوالہ سے بیان کیا جا چکا ہے۔

اہل حدیث کا خود شیعہ ہونے کا اقرار

امام احمد رضا بریلوی پر شیعہ ہونے کے الزامات بلکہ اتہامات کا تجزیہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے۔ الزام دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ ان کا سلسلہ بیعت ائمۂ شیعہ کے زریعے نبی اکرم ﷺ تک پہنچتا ہے۔ انہوں نے ائمۂ شیعہ کی تعریف کی ہے۔ ان الزامات کی حقیقت اس سے پہلے منکشف ہو چکی ہے۔ اس طرزِ استدلال کے مطابق اہل حدیث کے مشہور پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کو بھی شیعہ قرار دینا چاہیے کہ ان کا سلسلۂ نسب ہی ان ائمہ سے وابستہ ہے۔ جنہیں ائمۂ شیعہ کہا گیا ہے۔

نواب صاحب اپنے والد کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ونسبه الاقصٰی ینتھی الیٰ سیدنا نازین العابدین علی اصغر بن حسین الشھید بکر بلا رضی اللہ تعالیٰ عنه ○ (صدیق حسن خاں، نواب: ابجد العلوم، ج۳، ۲۶۷)

''ان کا بالائی سلسلۂ نسب سیدنا زین العابدین علی اصغر ابن حسین شہید کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔''

میاں نظر حسین دہلوی جو غیر مقلدین کے شیخ الکل ہیں اور جن کے بارے میں کہا جاتا ہے:

من سلا لة الرسول الشریف نذر حسین الدھلوی ○ (ظہیر: البریلویہ، ص ۱۶۳)۔

''خاندانِ رسول میں سے سید نذیر حسین دہلوی۔''

ان کا شجرۂ نسب حضرت حسن عسکری سے ملتا ہے اور ان کے سلسلۂ نسب میں وہ تمام حضرات موجود ہیں، جنہیں شیعہ کے بارہ امام کہا گیا ہے۔" (فضل حسین بہاری الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب کراچی) ص ۱۱-۱۰)

اس سے بھی بڑھ کر نواب وحید الزمان کا اعتراف سنیے، جو کتب حدیث کے مترجم اور اہل حدیث ہیں، لکھتے ہیں:

اهل الحديث هم شيعة علي يحبون اهل بيت رسول الله صلى الله عليه وسلم ويتولو نهم ويحفظون فيهم وصية رسول الله صلى الله عليه وسلم اذكر كم الله فى اهل بيتى وانى تارك فيكم الثقلين كتاب الله و عترتى اهل بيتى ويقدمون قول اهل البيت فى المسائل القياسية على اقوال الآ خرين۔۔۔۔ واهل البيت علي والحسن والحسين و فاطمة واولاد فاطمة واولاد هم الىٰ يوم القيامة۔

(وحید الزمان، نواب: ہدیۃ المہدی (مطبوعہ سیالکوٹ) ص ۱۰۰)

"اہل حدیث، شیعۂ علی ہیں، رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت سے محبت وموالات رکھتے ہیں اور ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کا پاس رکھتے ہیں کہ میں تمہیں اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہوں اور میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں:

(۱) کتاب اللہ (۲) میری عترت اور اہل بیت، اور اہل حدیث قیاسی مسائل میں اہل بیت کے اقوال کو دوسروں کے اقوال پر مقدم رکھتے ہیں۔ اہل بیت یہ ہیں: حضرت علی، حسن، حسین، فاطمہ، اولادِ فاطمہ اور قیامت تک ہونے والی ان کی اولاد۔"

ان میں وہ تمام حضرات بھی شامل ہیں جنہیں شیعہ کے بارہ امام کہا گیا ہے۔ اب بتایا جائے کہ اقراری شیعہ کون ہیں؟ امام احمد رضا بریلوی اور ان کے ہم مسلک یا نواب وحید الزمان اور ان کے ہم خیال غیر مقلدین؟

ع مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

خود ظہیر صاحب کو ان کے ایک غیر مقلد بھائی مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اسی طرح الشیعہ والسنۃ لکھنے کے باوجود، شیعہ علماء کے لیے عرب ممالک کے ویزے کے لیے کوششیں کرنے۔۔۔ کو بھی موضوع مباہلہ بنا لیجیے۔" (حافظ عبد الرحمٰن مدنی ہفت روزہ اہل حدیث لاہور (شمارہ ۱۳ اگست ۱۹۸۴ء) ص ۷)

شیعہ علماء کو ویزہ دلانے کی کوشش ربط معنوی کے بغیر تو نہیں ہو سکتی۔

دنیا سے بے نیازی اور سخاوت

امام احمد رضا بریلوی خاندانی رئیس تھے، ان کے آباؤ اجداد نادر شاہ کے ساتھ قندھار سے آ کر دہلی میں بلند مناصب پر فائز رہے۔" (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۱۴-۱۳)

ڈاکٹر مختار الدین آرزو (علی گڑھ) لکھتے ہیں:

"آپ نے امورِ دنیا سے کبھی تعلق نہ رکھا، آپ کے آباؤ اجداد سلاطین دہلی کے دربار میں اچھے منصبوں پر فائز تھے۔ جب آپ

نے آنکھ کھولی تو گردوپیش امارت وثروت کی فضا پائی۔ خود زمیندار تھے۔ لیکن ساری جائیداد کا کام دوسرے عزیزوں کے سپرد تھا، انہیں کتابوں کی خریداری، سادات کی مہمان نوازی اور گھر کے اخراجات کے لیے ماہانہ ایک رقم مل جاتی تھی، چونکہ داد ودہش کے عادی تھے، اس لیے کبھی ایسا ہوا کہ قلمدان میں ساڑھے تین آنہ سے زیادہ موجود نہیں رہے، لیکن انہوں نے کبھی نہیں پوچھا کہ گاؤں کی آمدنی کتنی آئی اور مجھے کتنی ملی۔" (مختار الدین آرزو، ڈاکٹر: انوار رضا ص ۳۶۰)

ملک العلماء علامہ ظفر الدین بہاری فرماتے ہیں۔

"کاشانۂ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا۔ اس کے علاوہ بیوگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکلاً علی اللہ مہینے مقرر تھے اور یہ اعانت فقط مقامی نہ تھی، بلکہ بیرون جات میں بذریعہ منی آرڈر رقوم امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔" (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت ص ۵۲)

استغناء نفس کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی سے طلب نہ فرماتے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"گاؤں سے رقم آئی نہیں تھی اور ضروریات کے لیے کسی سے طلب نہیں کرتا ہوں۔"

(ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت ص ۵۸)

ان کی اسی ادا کو مخالف کس نظر سے دیکھتا ہے، آپ بھی دیکھیں اور داد دیں لکھا ہے:

"بعض اوقات سالانہ ملنے والی رقم کافی نہ ہوتی اور وہ دوسروں سے قرض لینے سے مجبور ہو جاتے، کیونکہ ان کے پاس ڈاک کے ٹکٹ خریدنے کے لیے رقم موجود نہ ہوتی تھی۔" (ظہیر: البریلویہ ص ۲۴) ترجمہ۔

حالانکہ حیاتِ اعلیٰ حضرت کے اسی صفحہ پر امام احمد رضا بریلوی کے یہ الفاظ موجود ہیں کہ ضرورت کے لیے کسی سے طلب نہیں کرتا ہوں" قرض لینے کا کیا معنیٰ؟ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کے پاس خرچ کے لیے کچھ نہیں ہوتا، اس کے باوجود کسی سے طلب نہیں کرتا۔

یہ اعتراض بھی دیدۂ حیرت سے دیکھنے کے قابل ہے لکھتے ہیں:

"(ایک طرف تو یہ تنگ دستی کے ٹکٹ کے لیے پیسے نہیں) دوسری طرف یہ کہ انہیں دستِ غیب سے بکثرت مال ودولت ملتا تھا۔ بہاری رضوی (مولانا ظفر الدین بہاری) راوی ہیں کہ بریلوی کے پاس ایک مقفل صندوقچی تھی، جسے وہ بوقتِ ضرورت ہی کھولتے تھے اور جب اسے کھولتے تو مکمل طور پر نہیں کھولتے تھے، اس میں ہاتھ ڈالتے اور مال، زیورا اور کپڑے جو چاہتے نکال لیتے تھے۔" وكان يخرج منها ما شاء من المال والحلي والثياب (ظہیر: البریلویہ ص ۲۵-۲۴)۔

یہ واقعہ مولانا نسیم بستوی کی کتاب اعلیٰ حضرت بریلوی کے حوالہ سے بیان کیا، پھر حیاتِ اعلیٰ حضرت ص ۵۷ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

"بریلوی کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت اپنے احباب اور دوسرے لوگوں میں کثیر زیورات تقسیم کیا کرتے تھے۔"

(**كان يوزع على الناس**)۔ (ظہیر: البریلویہ ص۴۴-۴۵)

اس جگہ چند امور لائقِ توجہ ہیں:

(۱) حیاتِ اعلیٰ حضرت اور اعلیٰ حضرت بریلوی دونوں کتابوں میں ایک ہی واقعہ جبل پور کا بیان کیا گیا ہے۔ نیز روای بھی ایک ہی سیدنا ایوب علی رضوی، لیکن تاثر یہ دیا جارہا ہے کہ یہ دو واقعے ہیں، بلکہ **كانا يخرج** اور **كان يوزع** کے الفاظ سے تو یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ یہ واقعہ عام طور پر پیش آتا رہتا تھا، حالانکہ دونوں کتابوں میں ایسا کوئی اشارہ نہیں ہے۔

(۲) حیاتِ اعلیٰ حضرت میں اسی واقعہ کے دوسرے راوی مولانا حسنین رضا خاں، امام احمد رضا خاں بریلوی کے بھتیجے ہیں، انہیں بیٹا قرار دینا تسامح سے خالی نہیں۔

(۳) ممکن ہے یہ چیزیں پہلے سے صندوقچی میں رکھی ہوئی ہوں، بیان کرنے والے کا یہ تاثر ہے کہ یہ کرامت تھی اور کرامت کا انکار معتزلہ کا شیوہ ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

وخالفهم المعتزله حيث لم يشاهد وافيما بينهم هذه المنزلة

(علی بن سلطان محمد القادری، علامہ: شرح فقہ اکبر (مصطفیٰ البابی، مصر) ص۷۹)

''معتزلہ نے اس مسئلہ میں اہل سنت سے اختلاف کیا ہے، کیونکہ انہیں اپنے افراد میں یہ مرتبہ (کرامت) دکھائی نہیں دیا۔''

(۴) اللہ تعالیٰ بہ طورِ کرامت کسی کے ہاتھ پر ظاہر فرمادے۔ یہ الگ چیز ہے اور دستِ غیب ایک الگ چیز ہے کہ مثلاً ہر روز تکیے کے نیچے سے مخصوص رقم ملتی رہے۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

''دستِ غیب کے لیے دعا کرنا محال عادی کے لیے دعا کرنا ہے جو مثل محال عقلی وذاتی کے حرام ہے۔'' (احمد رضا بریلوی، امام: احکامِ شریعت (مدینہ پبلشنگ کراچی) ص ۲۳۰)

ایک بے سروپا الزام یہ بھی لگاتے ہیں:

''ان کے مخالفین یہ تہمت لگاتے ہیں کہ دستِ غیب کا صندوقچی وغیرہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ انگریزی استعمار کا ہاتھ تھا جو انہیں اپنے اغراض ومقاصد میں استعمال کرنے کے لیے امداد دیتا تھا۔'' (ظہیر: البریلویہ ص ۴۵)۔

یہ تو آئندہ کسی مقام پر تفصیل سے بیان کیا جائے گا کہ انگریزی امداد کسے ملتی تھی؟ اس مقام پر تو صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ اس الزام کو مخالفین کی تہمت تسلیم کیا گیا ہے اور البریلویہ کے ص ۲۶ پر خود اس الزام کی تردید کردی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ان کی آمدنی کا ذریعہ مریدین کے تحائف اور امامت کی تنخواہ تھی۔ باقی سب باتیں من گھڑت ہیں۔ اصل عبارت یہ ہے:

ان ماذكرناه و اثبتناه آخراهو الاصح فى دخله و معاشه والباقى كلها مختلقات ○ ۳؎ (ظہیر: البریلویہ ص ۲۶)

”ان کی آمدنی اور ذریعۂ معاش کے سلسلے میں صحیح ترین بات وہی جو ہم نے آخر میں بیان کی، باقی سب ڈھکوسلے ہیں۔“

قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ایسے الزام کی حقیقت، ڈھکوسلے سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے؟ جو ایک صفحے پر مخالفین کی تہمت کے طور پر بیان کیا گیا ہو اور اگلے صفحہ پر خود ہی اس کی تردید کر دی گئی ہو۔

امام احمد رضا بریلوی کی آمدن اور ذریعہ معاش کے بارے میں اس طرح خیال آرائی کی گئی ہے:

”ان کی آمدنی کا بڑا حصہ، مریدین کی نذروں اور تحائف پر مشتمل تھا یا پھر مسجد کی تنخواہ پر گزر بسر ہوتی تھی، کیونکہ یہ ثابت نہیں کہ بریلوی کے والد یا دادا، زراعت صناعت یا تجارت وحرفت میں مصروف رہے ہوں، یہی حالت بریلوی کی اپنی تھی۔“ (ملخصاً)

(مرید احمد چشتی: جہانِ رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۱۱۷)

علمی دنیا میں اس قسم کے استدلالات کی کیا قدر و قیمت ہو سکتی ہے؟ اس سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی، خاندانی رئیس اور زمیندار تھے۔ زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت دوسرے لوگوں کے سپرد تھی۔ وہاں سے ہونے والی آمدنی بھی آپ کے عزیزوں کے سپرد تھی، جس سے وہ کتابوں کی خریداری، سادات کرام کی خدمت اور گھریلو اخراجات کے لیے رقم پیش کر دیا کرتے تھے۔

جناب سید الطاف علی بریلوی جنہوں نے بچپن میں امام احمد رضا بریلوی کی زیارت کی تھی، فرماتے ہیں:

”مولانا مالی اعتبار سے بہت ذی حیثیت تھے، معقول زمینداری تھی جس کا تمام تر انتظام ان کے چھوٹے بھائی مولوی محمد رضا خاں صاحب کرتے تھے، مولانا اور ان کے اہل خاندان کے محلہ سوداگران میں بڑے بڑے مکانات تھے، بلکہ پورا محلہ ایک طرح سے ان کا تھا۔“ (ظہیر: البریلویہ ص ۲۵)

جناب منور حسین سیف الاسلام جو نوعمری میں امام احمد رضا بریلوی کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے، ان کا بیان ہے:

”یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان اور اس خاندان کے جتنے بھی حضرات تھے، سب پرانے خاندانی زمیندار تھے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بہت بڑے باغات تھے۔ شہر بریلی میں بہت سی دکانیں اور محلوں میں بہت سے مکانات تھے، جن کا کرایہ آتا تھا، مگر مجھ کو کرایہ وصول کرنے والوں سے معلوم ہوا کہ غریبوں، بیواؤں سے کرایہ نہیں لیتے تھے۔“

(مرید احمد چشتی: جہانِ رضا ص ۱۵۳)

مولوی عبدالعزیز خاں بریلوی لکھتے ہیں: ”اس خاندان سے (کی) دیہات زمینداری سے امیرانہ بسر ہوتی تھی۔“

(عبدالعزیز خاں بریلوی، مولوی: تاریخ روہیل کھنڈ مع تاریخ بریلی (مکتبہ علم وفکر کراچی) ص ۲۵)

امام احمد رضا بریلوی کی للّٰہیت کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے ہزاروں فتوے تحریر کیے، مگر کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ انہوں نے کسی فتوے پر فیس لی ہو، نماز وہ خود پڑھاتے تھے، لیکن یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں کبھی تنخواہ لی ہو، ان کے شب و روز دین متین اور امتِ مسلمہ کی فی سبیل اللہ خدمت اور رہنمائی میں صرف ہوتے تھے، باقی رہے تحفے تحائف، تو ان کا احباب اور صالحین کو پیش کرنا اور قبول کرنا سنت سے ثابت ہے۔ بزرگوں کو پیش کیے جانے والے تحائف عرفی نذر ہیں جس کا معنی ہدیہ اور تحفہ ہے، شرعی نذر نہیں کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔

ایک شخص نے امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں مٹھائی لا کر پیش کی۔ آپ نے فرمایا یہ تکلیف کیوں کی؟ اس نے کہا یہ تحفہ ہے اور بس! کچھ ہی دیر بعد اس نے ایک تعویز طلب کیا۔ آپ نے فرمایا: میں عموماً خود تعویز نہیں لکھا کرتا، البتہ میرے عزیز جو تعویز لکھا کرتے ہیں، ان سے منگوائے دیتا ہوں۔ تعویز منگوا کر دے دیا اور ساتھ ہی خادم کو فرمایا کہ ''مٹھائی واپس کر دی جائے۔'' اس شخص نے عرض کیا کہ یہ مٹھائی تعویز کے لیے نہیں، محض تحفے کے طور پر لایا تھا۔ آپ نے فرمایا: ہمارے ہاں تعویز بکا نہیں کرتے اور مٹھائی واپس کر دی۔'' (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ص۲۹)

ایسی سراپا خلوص شخصیت کے بارے میں یہ کہنے کا کیا جواز ہے کہ ان کی گزر بسر امامت کی تنخواہ پر ہوتی تھی؟ امام احمد رضا بریلوی کے خلوص اور للّٰہیت کا اندازان کی تحریرات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے، فرماتے ہیں:

''یہاں بحمدہٖ تعالیٰ نہ کبھی خدمتِ دینی کو کسبِ معیشت کا ذریعہ بنایا گیا، نہ احباب علمائے شریعت، یا برادرانِ طریقت کو ایسی ہدایت کی گئی، بلکہ تاکید سخت تاکید کی جاتی ہے کہ دستِ سوال دراز کرنا تو درکنار، اشاعت دین وحمایت سنت میں جلبِ منفعتِ مالی کا خیال دل میں نہ لائیں کہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو، اگر بلا طلب اہلِ محبت سے کچھ نذر (تحفہ) پائیں تو رونہ فرمائیں کہ اس کا قبول کرنا سنت ہے۔'' (ریاست علی قادری، سید: معارف رضا (مطبوعہ کراچی) ۱۹۸۳ء) ص۳۲۳)

اہل مدینہ طیبہ کے لیے ہدیہ

ایک نیازمند نے مدینہ طیبہ سے خط لکھ کر امام احمد رضا بریلوی سے پچاس روپے طلب فرمائے۔ آپ کی عادتِ کریمہ یہ تھی کہ سائل کا سوال رد نہیں کرتے تھے۔ اتوار کو یہ خط ملا، بدھ کو ڈاک جاتی تھی۔ پیر کا دن ایسے ہی گزر گیا، منگل کو خیال آیا، لیکن اتفاق کی بات کہ پاس کچھ نہ تھا، مغرب کے بعد تشویش ہوئی، خود فرماتے ہیں:

''میں نے سرکار میں عرض کیا کہ حضور ہی میں بھیجنا ہیں، عطا فرمائے جائیں کہ باہر سے حسنین (رضا خاں، اعلیٰ حضرت کے بھتیجے) نے آواز دی کہ سیٹھ ابراہیم بمبئی سے ملنے آئے ہیں۔ میں باہر آیا اور ملاقات کی، چلتے وقت اکیاون روپے انہوں نے دیئے، حالانکہ ضرورت پچاس روپے کی تھی۔ یہ اکیاون یوں تھے کہ ایک روپیہ فیس منی آرڈر کا بھی تو دینا پڑتا، غرض صبح کو فوراً ہی منی آرڈر کر دیا۔''

(احمد رضا بریلوی، امام: احکام شریعت (مطبوعہ کراچی) ص۱-۲۳۰)

یہ تھی اہلِ مدینہ کے ساتھ ان کی محبت اور نبی اکرم ﷺ کے وسیلے کی برکت۔

پان اور حقہ

روزۂ رمضان کی ایک حکمت یہ بھی ہے کہ گیارہ مہینے بلا روک ٹوک کھانے پینے والا، کھانے پینے پر شرعی پابندی کو قبول کرتے ہوئے دن میں کچھ کھائے پیئے نہیں۔ افطاری کے بعد بھی اس قدر پیٹ بھر کر نہ کھائے کہ دن بھر کی خوراک شام کو کھا لے۔ امام احمد رضا قناعت پسندی اور روزے کے مقاصد کا اس قدر پاس تھا کہ ''افطار کے بعد صرف پان پر اکتفا فرماتے۔''

(عبدالمبین نعمانی، مولانا: انوار رضا ص۲۵۶)

بعض لوگوں کو ان کی یہ فضیلت بھی کھٹکتی ہے اور پان کھانا بھی وجہ اعتراض نظر آتا ہے۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۲۶)۔ حالانکہ کبھی دیکھنے سننے میں نہیں آیا کہ کسی عالم نے پان کھانے کو بھی قابلِ اعتراض قرار دیا ہو۔ اسی طرح امام احمد رضا بریلوی کے بعض اوقات حقہ پینے پر بھی اعتراض کیا گیا ہے، لکھا ہے:

عجیب ترین بات یہ ہے کہ جو شخص دوسروں کو تکفیر کرتا ہے اور معمولی اشیاء کی بناء پر دوسروں پر فسق وفجور کا حکم لگاتا ہے، وہ حقہ پیتا ہے؟ حالانکہ بہت سے علماء متقدمین اور متاخرین نے اس کی حرمت کا فتوی دیا ہے، کم از کم مکروہ تو ضرور قرار دیا ہے۔" (ظہیر: البریلویہ (حاشیہ) ص ۲۶)

امام احمد رضا بریلوی حقہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"حق یہ ہے کہ معمولی حقہ جس طرح تمام دنیا کے عامہ بلاد کے عوام وخواص یہاں تک کہ علماء اور عظمائے حرمین محترمین زادہما اللہ شرفا وتکریما میں رائج ہے، شرعاً مباح و جائز ہے جس کی ممانعت پر شرح مطہر سے اصلاً دلیل نہیں۔ (احمد رضا بریلوی: احکام شریعت (مطبوعہ کراچی) ص ۲۵۶)

اس کے بعد علامہ سید احمد حموی، علامہ نابلسی، علامہ علاء الدین دمشقی، علامہ طحطاوی اور شامی کے ارشادات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"الحاصل معمولی حقہ کے حق میں تحقیق یہی ہے کہ وہ جائز ومباح وصرف مکروہ تنزیہی ہے، یعنی جو نہیں پیتے بہت اچھا کرتے ہیں، جو پیتے ہیں کچھ برا نہیں کرتے۔۔۔

البتہ وہ حقہ جو بعض جہالِ بعض بلاد ہند، ماہِ رمضان مبارک شریف میں وقت افطار پیتے اور دم لگاتے اور حواس ودماغ میں فتور لاتے اور دیدۂ ودل کی عجب حالت بناتے ہیں، بے شک ممنوع وناجائز وگناہ ہے اور وہ بھی معاذ اللہ ماہِ مبارک میں۔

(احمد رضا بریلوی: احکام شریعت (مطبوعہ کراچی) ص ۲۶۵)

علامہ عبدالغنی نابلسی فرماتے ہیں:

وبهذا يظهران شرب التتن ليس بحرام كما يز عمه بعضهم بالقياس على اكل الثوم بجامع الخبث وهو بعد تسليم الخبث فيه والقياس تبطل حرمة يبطلان حرمة اكل الثوم۔۔۔۔۔۔ فان كانت رائحة التتن كريهة عند قوم مجتمعين فى المسجداوغيره تكون كرائحة الثوم والبصل وان لم تكن كريهة فلا وقد اجمع الناس اليوم على استعمال التتن فى غالب المجالس بين العلماء والعوام من غير استكراه الرائحة وانما يستكرهه القليل الذين لا يشر بونه فلا يكون كالبصل والثوم لان المعتبر فى المقيس عليهما ما يستكرهه غالب الناس وهذا الا يستكرهه غالب الناس اليوم فليس هو من قبيل ذالك

(عبدالغنی النابلسی، علامہ: الحدیقۃ الندیہ (مکتبہ نوریہ رضویہ، فیصل آباد) ج ۱، ص ۵۹۶)

"اس تقریر سے ظاہر ہو گیا کہ تمباکو نوشی حرام نہیں ہے جیسا کہ بعض علمائے نے خبث کو علتِ مشترکہ قرار دیتے ہوئے لہسن پر

قیاس کر کے کہا ہے (اول تو یہ خبث اور قیاس مسلم ہی نہیں ہے) اور اگر تسلیم بھی کر لیں تو جب کہ لہسن کا کھانا حرام نہیں ہے، تو تمبا کو نوشی بھی حرام نہ ہوگی۔ اگر مسجد وغیرہ میں مجتمع افراد کو تمبا کو کی بو پسند نہ ہو، تو یہ بو لہسن اور پیاس کی بو کی طرح ہوگی اور اگر انہیں ناپسند نہ ہو تو یہ بو لہسن اور پیاز کی بو کی طرح بھی نہ ہوگی۔ آج لوگوں کی اکثریت، علماء وعوام کی مجالس میں عموماً تمبا کو نوشی کرتی ہے اور اس کی بو کو ناپسند نہیں کیا جاتا، ہاں بہت کم لوگ اس بو کو ناپسند کرتے ہیں، جو تمبا کو کو استعمال نہیں کرتے لہٰذا تمبا کو، پیاز اور لہسن کی طرح نہ ہوگا کیونکہ پیاز اور لہسن کی بو کو اکثر ناپسند کرتے ہیں، جبکہ تمبا کو کی بو کو اکثریت ناپسند نہیں کرتی، لہٰذا یہ قیاس درست نہ ہوگا''۔

علامہ ابن عابدین شامی طویل بحث کے بعد فرماتے ہیں:

فاثبات حرمة امر عسير لا يكاد يوجد له نصير نعم لو اضر ببعض الطبائع فهو عليه حرام ولو نفع ببعض و قصد به التداوی فهو مرغوب ولو لم ينفع ولم يضر فهو مباح۔

''تمبا کو نوشی کی حرمت ثابت کرنا دشوار ہے۔ اس دعوے کا کوئی امدادی نہیں ملے گا، ہاں اگر کچھ طبیعتوں کو نقصان دے، تو اس کے لیے حرام ہے اور اگر کسی شخص کو فائدے دے اور وہ بطور دوا استعمال کرے، تو اس کے لیے پسندیدہ ہے اور اگر نہ فائدے دے اور نہ نقصان (تو مباح ہے)۔''

مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں:

''حقہ پینا مباح ہے، مگر اس کی بدبو سے مسجد میں آنا نادرست ہے۔'' (رشید احمد گنگوہی: فتاویٰ رشیدیہ (محمد سعید، کراچی) ص ۴۸۱)

ایک اور سوال وجواب ملاحظہ ہو:

سوال: حقہ پینا کیسا ہے؟ اور پان میں تمبا کو کھانا کیسا ہے؟

جواب: حقہ پینا و تمبا کو کھانا درست ہے، مگر بدبو سے مسجد میں آنا حرام ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ (محمد سعید، کراچی) ص ۴۹۰)

نہ معلوم وہ اکثر علماء کون سے ہیں جو مطلقاً حقہ کو حرام کہتے ہیں۔ رہا امام احمد رضا کا کفر یا فسق کا حکم لگانا، تو انہوں نے دلائل شرعیہ کی روشنی میں وہ حکم لگا کر مفتی شریعت کی ذمہ داری پوری کی ہے، بلا وجہ کسی پر کفر یا فسق کا حکم نہیں لگایا۔

امام احمد رضا بریلوی، بسم اللہ شریف کے فوائد بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اور بفضلہٖ میں (شیطان کو بھوکا ہی مارتا ہوں، یہاں تک کہ پان کھاتے وقت بسم اللہ اور چھالیہ منہ میں ڈالی، تو بسم اللہ شریف۔۔۔۔ ہاں حقہ پیتے وقت نہیں پڑھتا۔ طحطاوی میں اس سے ممانعت لکھی ہے۔ وہ خبیث اگر اس میں شریک ہوتا ہو تو ضرور ہی پاتا ہوگا کہ عمر بھر کا بھوکا پیاسا، اس پر دھوئیں سے کلیجہ جلنا۔۔۔۔ بھوک پیاس میں حقہ بہت برا معلوم ہوتا ہے۔''

(محمد مصطفےٰ رضا بریلوی، مولانا: ملفوظات (مطبوعہ لاہور) ص ۳۲۱)

اس عبارت کا ایک ایک جملہ شیطان کی دشمنی اور عداوت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تعجب ہے اسی واقعہ کو اس انداز میں بیان کیا جاتا ہے جیسے شیطان کے ساتھ دوستانہ ہو،

ملاحظہ ہو:

لطیفہ یہ ہے کہ وہ خود کہتے ہیں کہ حقہ پینے میں شیطان ان کا ساتھی ہوتا ہے، وہ اور شیطان باری باری پیتے ہیں۔" (ظہیر: احسان الٰہی، البریلویہ ص ۳۶) ترجمہ

چونکہ شیطان کی دشمنی کو دوستی کے روپ میں پیش کرتے ہوئے دل میں چور چھپا ہوا تھا۔" اس لیے اس واقعے کا حوالہ دیتے ہوئے صرف ملفوظاتِ بریلوی، لکھنے پر اکتفا کیا گیا۔ صفحہ نمبر نہیں لکھا تا کہ اصل کی طرف رجوع کرنے سے حقیقت فوراً ہی نہ کھل جائے۔

ہاتھ اور پاؤں کا چومنا

کسی بزرگ شخصیت کی دینی عظمت وجلالت کے پیشِ نظر ہاتھ پاؤں کا چومنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں ریا کاری یا اور کوئی غرض فاسد شامل نہ ہو۔

حضرت زراع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں حاضر ہونے والے وفدِ عبدالقیس میں شامل تھے، وہ فرماتے ہیں:

لماقدمنا المدینة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فنقبل ید رسول الله صلی الله علیه وسلم ورجله رواه ابوداؤد (ولی الدین الخطیب، شیخ: مشکوٰۃ شریف، باب المعانقۃ والمصافحۃ، فصل ثانی، ص ۴۰۲)

"جب ہم مدینہ منورہ پہنچے، تو اپنی سواریوں سے جلدی جلدی اُتر کر رسول اللہ ﷺ کے دستِ اقدس پائے مبارک کو بوسے دینے لگے۔ یہ حدیث امام ابوداؤد نے روایت کی۔"

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ دو یہودی بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، انہوں نے آیاتِ بنیات کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے بیان فرمائیں:

فقبلا یدیه ورجلیه وقالا نشهد انك نبی رواه الترمذی وابوداؤد والنسائی

(ولی الدین الخطیب، شیخ: مشکوٰۃ، باب الکبائر وعلامات النفاق (ایچ ایم سعید کراچی) ص ۱۷)

"تو انہوں نے آپ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نبی ہیں۔ اس حدیث کو امام ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا۔"

امام حاکم راوی ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایسی چیز دکھائیں جس سے میرا یقین زیادہ قوی ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ اس درخت کو کہو کہ تمہیں رسول اللہ ﷺ یاد فرما رہے ہیں۔ اس شخص نے ایسا ہی کہا، درخت نے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور آپ کے فرمانے پر واپس چلا گیا۔

علامہ ابن عابدین شامی نے یہ روایت نقل فرمائی ہے اور اس کے آخر میں ہے:

ثم اذن له فقبل رأسه ورجلیه (ابن عابدین شامی، علامہ: ردالمحتار (احیاء التراث العربی، بیروت) ج ۵، ص ۶۳۵)

"آپ کی اجازت سے اس نے آپ کے سرِ اقدس اور پاؤں انور کو بوسہ دیا۔"

تنویر الابصار اور اس کی شرح در مختار میں ہے:

طلب من عالم اور زاهد ان يدفع اليه قدمه ويمكنه من قدمه ليقبله اجابه وقيل لا (علاء الدین الحصکفی، علامہ: درمختار برحاشیہ شامی ج ۵، ص ۲۴۵)

"کوئی شخص کسی عالم یا زاہد سے درخواست کرے کہ وہ اپنا پاؤں آگے بڑھائیں تاکہ اسے بوسہ دے سکے تو اس کی درخواست پوری کر دے، بعض حضرات نے کہا نہیں۔"

امام احمد رضا بریلوی کی رسول اللہ ﷺ سے محبت وعقیدت کا اعتراف اپنوں بیگانوں سب ہی کو ہے، اسی تعلق خاطر کی بناء پر وہ ہر اس شخص اور ہر اس چیز کا احترام کرتے تھے، جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے حبیب پاک ﷺ سے ہو، چنانچہ سادات کرام اور خصوصاً اہلِ علم وتقویٰ حضرات کی تعظیم وتکریم دل وجان سے کرتے تھے اور صحیح العقیدہ حجاج کرام کی پذیرائی جس انداز میں کرتے، وہ انہی کا حصہ تھی۔

حضرت شاہ علی حسین اشرفی

آپ ۲۲ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء کو کچھوچھہ شریف (ضلع فیض آباد، (انڈیا) میں پیدا ہوئے اور ۱۱ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں آپ کا وصال ہوا۔ علم وفضل، تقویٰ وطہارت اور تبلیغ اسلام میں اپنی مثال آپ تھے۔ خاندانی اعتبار سے سید تھے اور شکل وصورت کے لحاظ سے شبیہ سیدنا غوث اعظم جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، ہزاروں علماء آپ کے حلقہ ارادت سے وابستہ تھے۔ امام احمد رضا بریلوی آپ کا بہت ہی احترام کرتے تھے۔

یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے پاؤں کو بوسہ دیا کرتے تھے۔ (عارف اللہ شاہ قادری، مولانا: اذکار حبیب رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۴۴)

اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے:

"جب کوئی حج بیت اللہ شریف سے واپس آتا، آپ اس سے دریافت فرماتے کہ حضور سرور کائنات (ﷺ) کی بارگاہ میں حاضری دی؟

وہ وہاں کہہ دیتا، تو فوراً اس کے قدم چوم لیتے۔" (خواجہ محمد اویس: انوار رضا، ص ۳۰۶)

یہ محبت رسول کی معراج تھی، کیونکہ علم وفضل کا ہمالیہ، عبقری فقیہ اور ہزاروں افراد کا مرشد طریقت ہونے کے باوجود حج کعبہ اور زیارت روضۂ رسول کا شرف حاصل کرنے والے کے پاؤں چوم لینا، رسول اللہ ﷺ کی کامل محبت کے بغیر عادتاً ناممکن ہے۔

مدینہ طیبہ کی حاضری کے بارے میں سوال اس لیے کرتے کہ جو شخص حج کر کے مدینہ طیبہ حاضری دیئے بغیر واپس آجائے، اس کا عقیدہ اور اس کی محبت، شک وشبہ سے خالی نہیں اور ایسا شخص کسی عاشق رسول کے نزدیک تعظیم وتکریم کا مستحق نہیں ہوسکتا۔

شدت کا الزام

امام احمد رضا بریلوی کی بڑی خوبی جو مخالفین کی نظر میں خامی کہلاتی ہے یہ تھی کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمانوں کے لیے رحمت و

شفقت اور بے دینوں و بد مذہبوں کے لیے شمشیرِ بے نیام تھے، جس شخص کو صراطِ مستقیم اور مسلکِ اہل سنت سے منحرف پاتے، اسے محبت سے، نرمی سے سمجھاتے، وہ سمجھ جائے تو فبہا، ورنہ اس کی کج روی اور بے راہ روی کے مطابق زجر و توبیخ فرماتے جس کی بے اعتدالی جتنی شدید ہوتی، اتنی ہی شدت کے ساتھ اسے ڈانٹ ڈپٹ فرماتے۔ کسی بھی صحیح ڈاکٹر اور سرجن کو کوشش یہ ہوتی ہے کہ مریض تندرست ہو جائے اور اس کا مرض جاتا رہے، لیکن جب کوئی چارۂ کار نہیں رہتا، تو وہ مریض کا جسم چیر پھاڑ کر رکھ دیتا ہے، ناکارہ اور نقصان دہ اعضاء کو کاٹ کر پھینک دیتا ہے تاکہ مرض اور نہ پھیلے۔ امام احمد رضا بریلوی نے بھی ملتِ اسلامیہ کے لیے ایک ہمدرد اور مخلص ڈاکٹر اور سرجن کا کردار ادا کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ ان کے نشتر کی زد میں آئے، وہ انہیں سخت دل، رحمت و رأفت سے ناآشنا، اخلاقی حدود سے تجاوز کرنے والا۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۲۷) اور نہ جانے کیا کیا القاب دیتے رہیں گے۔

۲۵ اگست ۱۸۸۹ء کو مولوی محمود حسن نے اخبار نظام الملک میں ایک بیان دیا:

‘‘چوری، شراب خوری، جہل، ظلم سے معارضہ کم فہمی، یہ کلیہ ہے کہ جو مقدور العبد ہے، مقدور اللہ ہے۔’’

بظاہر یہ مختصر سی بات ہے لیکن اس کا احاطہ اتنا ہی وسیع ہے، جتنا کہ انسانی عیوب کا ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس بیان پر ردّ کرتے ہوئے متعدد انسانی عیوب گنوائے کہ تمہارے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ ان تمام عیوب سے متصف ہو سکتا ہے، ان میں سے ایک عیب یہ بیان کیا امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

‘‘عورت قادر ہے کہ زنا کرائے، تو تمہارے امام اور تمہارے پدرِ تعلیم کے کلیہ سے قطعاً واجب کہ تمہارا خدا بھی زنا کرا سکے، ورنہ دیوبند میں چکلہ والی فاحشات اس پر قہقہے اڑئیں گی کہ نکھٹو تو ہمارے برابر بھی نہ ہو سکا، پھر کاہے پر خدائی کا دم مارتا ہے، اب آپ کے خدا میں فرج بھی ہوئی، ورنہ زنا کا ہے میں کرا سکے گا۔’’ (احمد رضا بریلوی، امام: سبحان السبوح (نوری کتب خانہ، لاہور) ص ۳۱۳۲۔)

امام احمد رضا بریلوی نے تقدیس الوہیت کے تحفظ کی خاطر مخالفین کو یہ الزام دیا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ جو چیز بندے کی قدرت میں ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت میں بھی ہے’’ تو اس سے لازم آئے گا کہ جو برا کام بندہ کر سکتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی کر سکے، صرف یہی نہیں، بلکہ برے کاموں کے لوازم بھی اس کے لیے ثابت کرنے پڑیں گے۔ ذرا غور تو کرو کہ ایک چھوٹی سی بات پر کتنے بڑے بڑے مفاسد لازم آ رہے ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی کی یہ ساری تقریر عظمتِ الٰہی کی حفاظت کے لیے تھی، لیکن مخالفین کو ان کی یہ ادا بھی پسند نہیں آئی اور اس طرح اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کیا:

‘‘وہ تمام اخلاقی حدود سے تجاوز کر گئے، یہاں تک جرأت کی کہ اللہ تعالیٰ کو ایسے اوصاف سے موصوف کیا کہ کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کو ان اوصاف سے موصوف نہیں کر سکتا، اگرچہ وہ کہتے ہیں کہ وہ دیوبندیوں کا خدا ہے۔’’ (ظہیر: البریلویہ ص ۲۷)

قارئین خود انصاف کر سکتے ہیں کہ کیا امام احمد رضا بریلوی نے اللہ تعالیٰ کو ناشائستہ اوصاف سے موصوف کیا ہے؟ ہرگز نہیں، وہ تو ان لوگوں پر گرفت فرما رہے ہیں جو کہتے ہیں کہ جو برا کام بندہ کر سکتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ بھی کر سکتا ہے اور انہیں متنبہ کر رہے ہیں کہ تمہارے اس قول پر کیا کیا قباحتیں لازم آئیں گی۔ امام احمد رضا بریلوی کی عبارت پر نکتہ چینی کا مطلب یہ ہوا کہ عظمت الٰہی کو داغدار

کرنے والے سچے ہیں اور مجرم ہیں، تو امام احمد رضا، جو تقدیسِ الوہیت کے پاسبان ہیں۔

امام احمد رضا بریلوی کی شدت کے حوالے سے یہ واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے:

''بریلوی ہندوستان کے ایک مشہور عالم کے پاس پڑھنے کے لیے گئے، انہوں نے پوچھا آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟ آپ نے جواب دیا میں وہابیہ کا رد کرتا ہوں اور ان کی گمراہی اور ان کا کفر بیان کرتا ہوں۔ اس پر شیخ نے کہا ایسا نہیں چاہیے، چنانچہ وہ وہاں سے لوٹ آئے اور ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار دیا جو موحدین کی تفسیق اور تکفیر سے منع کرتا ہو۔'' (ظہیر: البریلویہ ص ۲۸) (ترجمہ ملخصاً)

یہ واقعہ علامہ عبد الحق خیر آبادی کی ملاقات کا ہے، جس کا تذکرہ مولانا ظفر الدین بہاری نے حیاتِ اعلیٰ حضرت کے صفحہ ۳۳-۱۳۶-۱۷۶ پر کیا ہے، اس واقعہ کی تفصیل اس سے پہلے گزر چکی ہے، اس جگہ چند اشارے کیے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ بیان حقیقت سے کس قدر دور ہے۔

۱۔ امام احمد رضا، نواب رامپور کے طلب کرنے پر ان سے ملاقات کے لیے گئے تھے، علامہ خیر آبادی سے پڑھنے نہیں گئے تھے۔

۲۔ اتفاقاً علامہ خیر آبادی بھی وہیں آگئے۔ دورانِ گفتگو انہوں نے مشاغل کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا: تدریس، افتاء اور تصنیف، انہوں نے پوچھا: کس فن میں؟ فرمایا: مسائلِ دینیہ اور ردِّ وہابیہ۔ (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱ ص ۳۴)۔ لیکن یہ صاحب اپنے پاس سے تکفیر کی پچر لگا رہے ہیں:

وابین ضلالهم وکفرهم (ظہیر: البریلویہ ص ۲۸)

جبکہ اس جگہ کفر کا ذکر نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی اپنی طرف سے اضافہ ہے کہ ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا جو موحدین کی تفسیق اور تکفیر سے منع کرتا ہو، اور حالانکہ اس جگہ بھی تکفیر کا ذکر نہیں ہے۔

۳۔ لطیفہ یہ کہ اس سے پہلے خود کہہ چکے ہیں کہ علامہ خیر آبادی انہیں پڑھانے پر راضی نہ ہوئے:

ولکنه لم یرض بتعلیمه ایاه (ظہیر: البریلویہ ص ۳۰)

اور اس جگہ یہ کہا جا رہا ہے کہ بریلوی نے ایسے شخص سے پڑھنے سے انکار کر دیا۔

وابیٰ ان یتعلم من مثل هٰذا الشخص (ظہیر: البریلویہ ص ۲۸)۔

اصل بات یہ ہے کہ زیبِ داستان کے لیے غلط بیانی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اور یہ گمان کیا جاتا ہے کہ حقائق میں حسن اور دلکشی کہاں؟

علمی شکوہ اور قدرتِ کلام

امام احمد رضا بریلوی چودھویں صدی کی وہ عظیم ترین شخصیت ہیں، جن کے علمی جاہ وجلال، وسعتِ نظر، قوتِ استدلال اور

قدرتِ کلام کا ایک جہان معترف ہے، ان کے نظریات ومعتقدات سے کئی لوگوں کو اختلاف ہوگا، لیکن ان کے جذبۂ عشقِ رسول اور ان کے کلام کے سوز وگداز سے کوئی صاحبِ علم اختلاف نہیں کرسکتا۔ ذیل میں چند معروف اصحابِ علم وفکر کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں، جن سے امام احمد رضا بریلوی کے مقام کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے:

علامہ اقبال کی رائے یہ تھی:

”وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم تھے، فقہی بصیرت میں ان کا مقام بلند تھا، ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرور اور پاک وہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہ تھے، ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا“۔

ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

”مولانا احمد رضا خاں کے علم وفضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے فی الواقع وہ علومِ دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں“۔

ڈاکٹر محی الدین الوائی اہل حدیث جامعہ ازہر، مصر لکھتے ہیں: ”پرانا مقولہ ہے کہ فردِ واحد میں دو چیزیں جمع نہیں ہوسکتیں، تحقیقاتِ علمیہ، اور نازک خیالی۔۔۔۔ لیکن مولانا احمد رضا خاں نے اس تقلیدی نظریہ کے برعکس ثابت کرکے دکھا دیا۔ آپ عالم محقق ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین نازک خیال شاعر بھی تھے۔“ (محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: حیات مولانا احمد رضا خاں ص۲۰) (ترجمہ عربی)

ڈاکٹر حامد علی خاں، ایم اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، ریڈر شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (انڈیا)

لکھتے ہیں:

”امام احمد رضا نہایت بلند مرتبہ صاحبِ قلم تھے اور بے شک وشبہ اپنے عہد کے لاثانی صاحبِ تصنیف وتالیف تھے۔ آپ کی زود نویسی، برجستہ تحریر اور تصنیفی استعداد کی اعلیٰ صلاحیت یہ تھی کہ آپ نے برسوں کا کام دنوں میں اور مہینوں کا کام گھنٹوں میں بہ اسلوبِ احسن انجام دے کر فضلائے وقت کو انگشت بدنداں کردیا۔“ (محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: حیات مولانا احمد رضا خاں، ص۲۱)

جناب شفیق بریلوی (کراچی) لکھتے ہیں:

”وہ ایک جید عالمِ دین اور بڑے نکتہ رس فقیہ ہونے کے علاوہ ایک بلند پایہ نعت گو شاعر بھی تھے۔ ان کو فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل تھی۔ وہ عاشقِ رسول ﷺ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی نعتیں قرآن وحدیث کی تفسیر وترجمہ ہیں۔۔۔۔ ان کا قرآن مجید کا ترجمہ بھی بہت مشہور ومقبول ہے۔ قرآن مجید کے اس ترجمہ میں زبان وبیان کی شگفتگی موجود ہے اور عام فہم بھی ہے۔ اس میں اعلیٰ حضرت کے شاعرانہ ذوق، عالمانہ بصیرت، ایمان کی پختگی، محبتِ رسول اور ادب کے جوہر نمایاں ہیں۔“

(مرید احمد چشتی: جہانِ رضا (مجلس رضا، لاہور) ص۱۷۲)

پروفیسر علی عباس جلال پوری، ایم اے فلسفہ (گولڈ میڈلسٹ) لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری بریلوی نے فارسی اور اردو میں بے مثال نعتیں لکھی ہیں، جن کے بغیر درود وسلام کی کوئی

محفل گرمائی نہیں جا سکتی۔ ان کا ایک ایک لفظ عشقِ رسول میں بسا ہوا ہے اور انہیں سن کر سامعین کے دل عشقِ رسول سے سرشار ہو جاتے ہیں۔

ادبی لحاظ سے بھی یہ نعتیں حسنِ بیان کے اچھوتے نمونے ہیں۔ ایک دن داغ دہلوی کے سامنے کسی شخص نے حضرت شاہ احمد رضا خاں کی ایک نعت کا شعر پڑھا۔

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مرزا داغ پھڑک اٹھے اور کہا: ہیں! ایک مولوی اور ایسا شعر! واہ! وا!

آپ کی اکثر نعتیں ہماری علمی وادبی میراث کا بیش قیمت حصہ بن چکی ہیں۔"

(مرید احمد چشتی: جہانِ رضا، ص ۹-۱)

جناب اصغر حسین خاں نظیر لدھیانوی فرماتے ہیں:

"مولانا کو شیریں زبانی کے اعتبار سے اہلِ زبان پر سبقت حاصل ہے اور بیان میں ندرت ہے۔ اس دور میں داغ، میر، حالی، اکبر و داغ و امیر کے تلامذہ کی زبان، سلاست، سادگی اور محاورہ کے اعتبار سے مسلم تھی، مولانا کی زبان، شگفتگی اور روانی میں ان اساتذہ کی زبان سے کسی طرح بھی کم نہیں۔" (مرید احمد چشتی: جہانِ رضا، ص ۲۲)

جناب رئیس امروہوی (کراچی) رقمطراز ہیں:

"ان کی تصانیفِ نثر اور ان کی شاعری کیف و سرور سے لبریز ہے جس سے عجب طرح کا انشراحِ صدر ہوتا ہے، روح پر اہتزازی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ اک صوفی باصفا اور عالم جلیل تھے۔ ایسی کمیاب شخصیتیں تاریخ ساز بھی ہوتی ہیں، عہد آفریں بھی!

سید شان الحق حقی لکھتے ہیں:

"بہترین تخلیقات وہی ہیں، جو زیادہ سے زیادہ لوگوں کے لیے روحانی سرور اور اخلاقی بصیرت کا ذریعہ ہوں، میرے نزدیک مولانا کا نعتیہ کلام ادبی تنقید سے مبرا ہے۔ اس پر کسی ادبی تنقید کی ضرورت نہیں، اس کی مقبولیت اور دل پذیری ہی اس کا سب سے بڑا ادبی کمال ہے اور مولانا کے شاعرانہ مرتبے پر دال ہے۔

حسن تاثیر کو صورت سے، نہ معنی سے غرض
شعر وہ ہے کہ لگے جھوم کے گانے، کوئی

(مرید احمد چشتی: خیابانِ رضا (عظیم پبلی کیشنز لاہور) ص ۶۸)

ڈاکٹر غلام مصطفٰے خاں سابق صدر شعبۂ اُردو، سندھ یونیورسٹی لکھتے ہیں:

"میرا خیال یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب غالبًا واحد عالم دین ہیں، جنہوں نے اُردو نظم و نثر، دونوں میں اردو کے

بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں اور اپنی علمیت سے اُردو شاعری میں چار چاند لگا دیئے ہیں۔'' (مرید احمد چشتی: خیابانِ رضا (عظیم پبلی کیشنز، لاہور) ص ۷۷)

یہ تاثرات مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے ارباب علم ودانش کے ہیں، جنہوں نے دل کھول کر امام احمد رضا کی مختلف ضیاء بار حیثیتوں پر اظہار خیال کیا ہے، لیکن اگر ''میں نہ مانوں'' کی پالیسی پیشِ نظر ہو تو اس قسم کے تبصرے بھی کیے جاسکتے ہیں:

''ان کی زبان مغلق اور مبہم ہے، بہت کم ان کا کلام سمجھا جاتا ہے، کیونکہ ان کی عبارات گنجلک اور اندازِ بیان مبہم ہے اور بعض اوقات وہ قصداً ایسا کرتے تھے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ زبردست عالم اور گہری تحریر کے مالک ہیں۔ ترجمہ

مذکورہ بالا تاثرات ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں، آپ کو خود احساس ہو جائے گا کہ تعصب بے جا حقائق سے کس قدر دُور لے جاتا ہے۔ یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ جب گفتگو عام سطحی معیار سے گزر کر تحقیق وتدقیق اور علمی وفنی اصطلاحات تک پہنچ جائے، تو پھر اس کا سمجھنا عام آدمی کے بس میں نہیں رہتا، جب تک ان اصطلاحات سے واقفیت اور اس کی گہرائی تک پہنچنے کی اہلیت نہ ہو۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصنیفات فیوض الحرمین، ہمعات اور تفہیمات الٰہیہ کا ایک مطالعہ کیجئے، یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔

تقریر وخطابت

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ کسی بھی عالم کو تحریر وتقریر میں سے کسی ایک فن میں ہی کمال حاصل ہوتا ہے۔ لیکن امام احمد رضا بریلوی دونوں میدانوں کے بے مثال شہسوار تھے، اگرچہ آپ تحریر کو تقریر پر ترجیح دیتے تھے، کیونکہ تقریر ایک وقتی چیز ہے، جبکہ تحریر، اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو دیر تک رہ سکتی ہے اور دور تک پہنچ سکتی ہے۔

ایک دفعہ بدایوں کی جامع مسجد شمسی میں مولانا عبدالقیوم بدایونی (والد ماجد مولانا عبدالحامد بدایونی) نے اعلان کروایا کہ جمعہ کے بعد مولانا احمد رضا خاں کی تقریر ہوگی، آپ نے بہت معذرت کی کہ میں وعظ نہیں کیا کرتا۔ نیز یہ فرمایا کہ مجھے پہلے سے اطلاع نہیں دی گئی وہ نہیں مانے۔ آپ نے مسلسل دو گھنٹے تقریر فرمائی۔ تقریر کے بعد مولانا عبدالقیوم بدایونی نے جو خود بھی بلند پایہ عالم اور خطیب تھے فرمایا:

''کوئی عالم کتب دیکھ کر آنے کے بعد بھی ایسے پُر از معلومات، پُر اثر بیان سے حاضرین کو محظوظ نہیں کر سکتا، یہ وسعتِ معلومات جناب ہی کا حصہ ہے۔ (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۱ ص ۹۵)

۱۳۱۸ھ کا واقعہ ہے کہ پٹنہ میں ندوہ کے رد میں ایک جلسہ کیا گیا جس میں علمائے اہل سنت بکثرت موجود تھے۔ رات کو جب امام احمد رضا بریلوی کی تقریر شروع ہوئی، تو مولانا عبدالقادر بدایونی نے سید اسمٰعیل حسن میاں مارہروی کو نیند سے بیدار کیا اور فرمایا:

''مولانا احمد رضا خاں صاحب کا بیان ہو رہا ہے اور سنا ہے کہ ندویوں کے سرغنہ بھی آئے ہوئے ہیں۔ اس وقت ہمارے پٹھان کے وار دیکھنے کے قابل ہیں۔ (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۹۵)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بڑے بڑے اصحاب فضل وکمال کس شوق سے امام احمد رضا کی تقریر سنا کرتے تھے۔

ایک دفعہ بدایوں میں حضرت مولانا عبدالقادر بدایونی کے عرس مبارک کے موقع پر ۹ بجے صبح تین بجے تک چھ گھنٹے تقریر فرمائی اور سورۂ الضحیٰ کی تفسیر بیان کی اور آخر میں فرمایا کہ اسی سورۂ مبارکہ کی چند آیاتِ مبارکہ کی تفسیر میں اَسّی جز لکھے تھے، پھر آگے نہ لکھ سکا اتنا وقت کہاں سے لاؤں کہ پورے کلام پاک کی تفسیر لکھوں۔" (ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ا، ص ۹۷)

جناب سید ایوب علی رضوی فرماتے ہیں:

ذکرِ میلاد پاک میں ابتدائے سے انتہاء تک ادباً دوزانو رہا کرتے، یونہیں وعظ فرماتے، چار پانچ گھنٹے کامل دوزانو ہی منبر شریف پر رہتے۔" (ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ا، ص ۲۸)

ماہِ رجب ۱۳۱۸ھ میں مجلسِ علماء اہل سنت و جماعت، پٹنہ کے سالانہ اجلاس میں چار گھنٹے تقریر فرمائی۔ (ظفرالدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ا، ص ۷-۱۸۶)

ڈاکٹر سید عبداللہ، ایم۔اے۔ڈی لٹ، چیئرمین شعبۂ دائرہ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور لکھتے ہیں:

"عالم اپنی قوم کا ذہن اور اس کی زبان ہوتا ہے اور وہ عالم جس کی فکر ونظر کا محور، قرآن حکیم اور حدیث نبوی ہو، وہ ترجمان علم وحکمت، نقیبِ حق وصداقت اور محسنِ انسانیت ہوتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مولانا مفتی شاہ احمد رضا خاں بریلوی بھی ایسے ہی عالم دین تھے، تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔ بلکہ حقیقت کا اعتراف ہوگا وہ بلاشبہ جید عالم، متجر حکیم، عبقری فقیہ، صاحب نظر مفسرِ قرآن عظیم، محدث اور سحر بیان خطیب تھے"۔ (محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: حیات مولانا احمد رضا خاں، ص ۱۴)

لیکن جو لوگ حقائق سے واقف نہیں یا واقف نہیں ہونا چاہتے، ان کا تاثر یہ ہے:

"وہ کلام میں فصیح نہ تھے، نہ تحریر میں نہ تقریر میں، انہیں خود بھی اس کا احساس تھا، اسی لیے وہ جمعہ اور عیدین کے موقع پر تقریر نہیں کرتے تھے، البتہ تیسری عید جوان کی اور ان کے ہمنواؤں کی خود ساختہ بدعت ہے جسے وہ عید میلاد النبی کہتے ہیں اور اپنے شیخ شاہ آل رسول کے یوم وفات پر جسے وہ عرس کہتے ہیں، تقریر کرتے تھے۔" (ظہیر: البریلویہ ص ۲۸)۔

اس جگہ چند امور کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں:

(۱) جس شخصیت کو اپنے غیر فصیح ہونے کا احساس تھا اور اسی احساس کے پیش نظر وہ (بقول کسے) جمعہ اور عیدین کے مواقع پر تقریر نہیں کرتے تھے، تو وہ مذکورہ بالا دو موقعوں پر کس طرح تقریر کر لیتے تھے۔ جو تقریر کر ہی نہ سکتا ہو، اسے تو کسی موقع پر بھی یہ جرات نہ کرنی چاہیے، خصوصاً دو اہم مواقع پر۔

(۲) اس کا کیا ثبوت ہے کہ وہ جمعہ، عیدین کے موقع پر تقریر نہیں کرتے تھے؟

جناب ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری لاہور اپنے چشم دید واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والد نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے بریلی کی جامع مسجد نو محلہ میں تشریف لے جاتے اور میں بھی اکثر آپ کے ساتھ ہوتا، اکثر و بیشتر ہمیں دوسری تیسری صف میں بیٹھنے کا موقع مل جاتا۔ اسی مسجد میں حضرت مولانا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خطبہ جمعہ ارشاد

فرمایا کرتے۔ منبر پر ان کے بیٹھنے اور ان کے حلیہ مبارک کا منظر ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے رہتا ہے۔ حضرت والا، بلند قامت، خوبرو اور سرخ وسفید رنگ کے مالک تھے۔ ڈاڑھی اس وقت سفید ہو چکی تھی، مگر نہایت خوبصورت تھی۔

آواز از حد شیریں اور گداز تھی۔ آپ کا وعظ نہایت موثر ہوتا تھا۔ میں اگر چہ بچہ تھا، مگر اس کے باوجود آپ کے مواعظ میرے لیے کوئی کشش ضرور تھی۔ اکثر مجھ پر انہماک سا طاری ہو جاتا اور حاضرین کی کیفیت تو اس سے بڑھ کر ہوتی تھی۔ مجھے یہ بھی محسوس ہوتا کہ طبیعت کے اعتبار سے آپ کا وعظ خاصا طویل اور مفصل ہوتا ہوگا۔ مگر وہاں خطبہ جمعہ، حاضرین کی سہولت کے لیے اکثر مختصر فرما دیتے۔" (عابد احمد علی، ڈاکٹر: مقالات یوم رضا (رضا اکیڈمی، لاہور) حصہ ۳، ص ۵)۔

ڈاکٹر صاحب امام احمد رضا بریلوی کے انداز تقریر کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وعظ میں دلچسپی پیدا کرنے کے لیے آپ حکایاتِ ماثورہ بھی بیان فرماتے، مگر آپ کے مواعظ کی اصل بنیاد آیات اور احادیث پر قائم ہوتی تھی۔" (عابد احمد علی، ڈاکٹر: مقالاتِ یوم رضا (رضا اکیڈمی، لاہور) ص ۸-۹)

(۳) صرف دو موقعوں پر تقریر کرنے کا حوالہ، صفحہ نمبر کی نشان دہی کے بغیر حیاتِ اعلیٰ حضرت کا دیا گیا، حالانکہ اس کتاب میں صراحتًا لکھا ہے کہ دو نہیں، بلکہ زبردست تقریریں ہوتی تھیں، ان کے علاوہ اہل شہر (بریلی) کی درخواست پر دیگر محافل میں بھی تقریر فرما دیتے تھے۔

ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"اعلیٰ حضرت کا معمول تھا کہ سال میں تین وعظ بہت زبردست فرمایا کرتے تھے۔ ایک سالانہ جلسہ دستار بندی، طلبائے فارغ التحصیل مدرسہ اہل سنت وجماعت، مسجد بی بی جی، محلہ بہاری پور میں، دوسرا ربیع الاول شریف کی دونوں وقت صبح آٹھ بجے اور شب کو بعد نماز عشا۔۔۔۔ جس میں شہر بھر کے عمائد ومعززین مطبوعہ دعوت نامے کے ذریعے مدعو ہوتے اور اس مجلس کا اہتمام اور وعظ کی اہمیت شہر میں ایسی تھی کہ اُس کی تاریخ کو کسی دوسری جگہ اہتمام وانتظام کے ساتھ مجلس نہیں ہوتی تھی۔۔۔۔ تیسرا وعظ ۱۸ ذی الحجہ الحرام عرس سراپا قدس۔۔۔ جناب سید شاہ آلِ رسول صاحب مارہروی قدس سرہ کے موقع پر۔۔۔ ان کے علاوہ کبھی کبھی اہلِ شہر کی دعوت اور غرض وتمنا پر بھی شہر کی بعض مجلسِ میلاد میں بیان فرما دیا کرتے تھے۔" (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۹۶-۷)

تصانیف امام احمد رضا

امام احمد رضا بریلوی ۱۴ رشعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو پونے چودہ سال کی عمر میں علوم کی تحصیل سے فارغ ہوئے اور سند ودستار فضیلت سے سرفراز ہوئے۔ اسی دن رضاعت کے ایک مسئلہ کا جواب لکھ کر والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا جو بالکل صحیح تھا، اسی دن سے فتویٰ نویسی کا کام آپ کے سپرد کیا گیا۔

(محمد صابر نسیم بستوی، مولانا، اعلیٰ حضرت بریلوی ص ۴۳-۳)۔ اس دن سے آخر عمر تک آپ مسلسل لکھتے رہے اور اپنی تصنیفات کا عظیم انبار اور گراں قدر سرمایہ، امتِ مسلمہ کو دے گئے۔ آج جب کہ آپ کے وصال کو ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا

ہے، ابھی تک آپ کی تمام تصانیف چھپ کر منظرِ عام پر نہ آسکیں۔ ان کے قلم کی برق رفتاری اور اہل سنت کی غفلت کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ اہل سنت وجماعت اپنی تمام تر کثرت کے باوجود فردِ واحد کی نگارشات کو شائع کرنے سے قاصر رہے، جس نے پوری انجمن کا کام سرانجام دیا تھا۔

پھر یہ بھی نہیں ہے کہ ان کی تصانیف کی قدر و منزلت نہیں کی جاتی، بلکہ جس صاحبِ علم کے پاس ان کی تصانیف موجود ہوں، وہ انہیں قیمتی متاع سمجھ کر اپنے پاس محفوظ رکھتا ہے۔ اس جگہ اس امر کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جمعہ کے روز انارکلی، لاہور میں جہاں پرانی کتابوں کے سٹال لگائے جاتے ہیں، بہت سی کتابیں بالکل نئی حالت میں، نصف یا اس سے بھی کم قیمت پر مل جاتی ہیں۔ البریلویۃ نامی کتاب بھی چار پانچ روپے میں مل جاتی ہے لیکن امام احمد رضا کی اخباری کاغذ پر لیتھو کی چھپی ہوئی تصانیف میں سے کوئی رسالہ یا کتاب شاید ہی وہاں مل سکے۔ اللہ تعالیٰ اہل سنت وجماعت کو توفیق دے کہ وہ ایسا ادارہ قائم کریں جو امام احمد رضا بریلوی کی تمام تصانیف کو جدید انداز میں ایڈٹ کر کے شائع کرے۔ اس سلسلہ میں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں کام کا آغاز ہو چکا ہے، جس کے شعبۂ تصنیف و تالیف و تحقیق کے رکن مولانا اظہار اللہ ہزاروی، امام احمد رضا کے متعدد رسائل پر تحقیقی کام کر چکے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ، مبارکپور (انڈیا) اور مرکزی مجلسِ رضا، لاہور میں اس سلسلے کا قابلِ قدر کام ہو رہا ہے۔

تعداد تصانیف

الدولۃ المکیۃ، تالیف ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء میں خود امام احمد رضا نے اپنی تصانیف کی تعداد دو سو سے زائد بیان کی۔ (احمد رضا بریلوی، امام: الدولۃ المکیۃ) (مکتبہ رضویہ، کراچی) ص ۱۱)۔ آپ کے صاحبزادے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی نے حاشیہ میں وضاحت فرمائی: ”یعنی وہابیہ کے ردّ میں، ورنہ بحمد اللہ تعالیٰ چار سو سے زائد ہیں۔“

(احمد رضا بریلوی، امام: الدولۃ المکیۃ) (مکتبہ رضویہ، کراچی) ص ۱۱)

۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے ایک فہرست المجمل المعدد لتالیفات المجدد ترتیب دی جس میں ۳۵۰ تصانیف کا اجمالی تذکرہ کیا اور ساتھ ہی یہ تصریح فرمادی:

”میں نہیں کہتا کہ سب اسی قدر ہیں، بلکہ یہ صرف وہ ہیں جو اس وقت کے استقراء میں میرے پیش نظر ہیں۔ فضلِ خدا سے امید واثق کہ اگر تفحص تام اور تمام قدیم وجدید بستوں پر نظرِ عام کی جائے، تو کم وبیش پچاس رسالے اور نکلیں۔“

(احمد رضا بریلوی، امام: الدولۃ المکیۃ) (مکتبہ رضویہ، کراچی) ص ۱۱)

۱۹۳۸ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے حیاتِ اعلیٰ حضرت لکھی اس میں وہ فرماتے ہیں:

”اعلیٰ حضرت کی تصانیف چھ سو سے زائد ہیں۔“ بعد میں تیار کی جانے والی فہرست کے مطابق ۵۴۸ تصانیف ہیں۔

(شرکت حنفیہ، لاہور: انوار رضا ص ۳۳۸-۳۱۶)

مفتی اعجاز ولی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ جو امام احمد رضا بریلوی کے قریبی رشتہ دار اور متبحر عالم تھے، انہوں نے یہ تعداد ایک ہزار

بیان کی۔ (مفتی اعجاز ولی خاں، مولانا: ضمیمہ المعتقد (مکتبہ ایشیق، ترکی) ص ۲۶۶)

حقیقت حال سے ناواقف ان بیانات سے الجھن میں مبتلا ہوسکتا ہے، اسی لیے لکھا گیا ہے:

''مبالغہ اور غلو ان لوگوں کے رگ وپے میں رچا ہوا ہے، یہ سچی بات سے سیر نہیں ہوتے، مجبوراً جھوٹ بولتے ہیں، اسی لیے اس موضوع پر ان کے اقوال مختلف ہیں، چنانچہ تصانیف کی تعداد، دوسو تین سو پچاس، چارسو، پانچ سو سے زیادہ، چھ سو سے زیادہ اور ایک ہزار، بلکہ اس سے زیادہ بیان کی ہے۔'' (ظہیر: البریلویہ ص۹-۲۸)۔ (ترجمہ)

یہ ایک ایسا اشکال ہے جسے ایک دفعہ بیان کرنے سے تسلی نہیں ہوئی، بلکہ ص۲۹-۳۱-۳۳ پر تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

حالانکہ یہ کوئی لاینحل اشکال نہیں ہے۔ ۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء میں امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا کہ اس وقت تک تصانیف دوسو سے زائد ہیں۔ (جس کا ترجمہ البریلویہ میں دوسو کے قریب کیا گیا ہے۔ اصل اور ترجمہ میں کتنا فرق ہے؟) اسی جگہ مولانا حامد رضا خاں نے حاشیہ لکھا کہ یہ ان تصانیف کی تعداد ہے جو ردِ وہابیہ میں ہیں، ورنہ کل تصانیف چار سو سے زائد ہیں۔ ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں مولانا ظفر الدین بہاری نے فہرست تیار کی اور ان کی تعداد تین سو پچاس بیان کی اور ساتھ ہی تصریح کردی کہ یہ تعداد حتمی نہیں ہے، مزید جستجو کی جائے تو چالیس پچاس رسائل مزید مل جائیں گے۔ مفتی اعجاز ولی خاں نے تعداد ایک ہزار بیان کی یہ ان کی اندازہ اور ان کی رائے تھی، جو کچھ زیادہ بعید نہیں ہے۔

بمبئی سے ماہنامہ المیزان نے چھ سو صفحات پر مشتمل وقیع اور خوبصورت امام احمد رضا نمبر نکالا، تو اس میں جن کتب ورسائل کی فہرست دی گئی، ان کی تعداد پانچ سو اڑتالیس ہے، یہ بھی آخری فہرست نہیں ہے، مولانا یٰسین اختر مصباحی لکھتے ہیں:

''فاضل بریلوی کی تصانیف کی تفصیلی فہرست پوری تحقیق اور تلاش وجستجو کے بعد مولانا عبدالمبین نعمانی صاحب نے مرتب فرمائی ہے جو عنقریب المجمع الرضوی کے زیر اہتمام منظرِ عام پر آئے گی۔'' (یٰسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا، ارباب علم ودانش کی نظر میں (رضا اکیڈمی، مبارکپور) ص ۴۲)۔

(مولانا محمد مبین نعمانی قادری رضوی مدظلہٗ کی مرتب کردہ کتاب ''المصنفات الرضویہ یعنی تصانیف امام احمد رضا''، اپریل ۲۰۰۴ء میں رضا اکیڈمی ممبئی (بھارت) سے شائع ہوچکی ہے۔ خلیل رانا)

جناب سید ریاست علی قادری لکھتے ہیں:

''پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب، پرنسپل گورنمنٹ ڈگری سائنس کالج ٹھٹھہ (سندھ) نے اپنی تصنیف ''حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی'' میں ۸۴۴ کتب وحواشی کا تذکرہ کیا ہے، موصوف ''ببلوگرافیکل انسائیکلوپیڈیا آف امام احمد رضا خاں'' ترتیب دے رہے ہیں، جو تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔'' (ریاست علی قادری، سید: امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری (مطبوعہ کراچی) ص ۷)

مجھے یہ کہنے میں باک نہیں ہے کہ اہل سنت وجماعت نے تصنیف واشاعت کے بارے میں جس قدر بے اعتنائی سے کام لیا ہے، کسی فرقے نے نہیں لیا۔ اس غفلت شعار قوم سے آج تک نہ تو امام احمد رضا کی تصانیف کی اشاعت کا اہتمام ہوسکا اور نہ ہی وہ گراں قدر ذخیرۂ کتب پوری طرح محفوظ رہ سکا، اس لیے کوئی محقق کتنی ہی محنت کیوں نہ کرے، جامع اور مکمل فہرست تیار نہیں کرسکتا۔

ان حالات میں ہم دعوے سے یہی کہہ سکتے ہیں کہ امام احمد رضا کی تصنیفات ورسائل کی تعداد آٹھ سو چوالیس ہے تاوقت یہ کہ اس سے زیادہ نگارشات کی فہرست سامنے نہ آجائے، بعض حضرات نے جو تعداد ایک ہزار بتائی ہے، تو ممکن ہے وہ ظن وتخمین پر مبنی ہو۔

فتاویٰ رضویہ

امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف میں سرِفہرست فتاویٰ رضویہ ہے۔ اس کا پورا نام **العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ** ہے۔ اس فتاویٰ کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لیے درج ذیل چند تاثرات کافی ہیں۔

ڈاکٹر عابد احمد علی، سابق مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور، علی گڑھ کی ایک مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ایک بار استاذ محترم مولانا سلیمان اشرف نے اقبال کو کھانے پر مدعو کیا اور وہاں محفل میں حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ذکر چھڑ گیا۔ اقبال نے مولانا کے بارے میں یہ رائے ظاہر کی کہ وہ بے حد ذہین اور باریک بین عالم دین تھے۔ فقہی بصیرت میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔ ان کے فتاویٰ کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس قدر اعلیٰ اجتہادی صلاحیتوں سے بہرہ ور اور پاک وہند کے کیسے نابغۂ روزگار فقیہ تھے۔ ہندوستان کے اس دورِ متاخرین میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ بمشکل ملے گا۔ اس کے ساتھ ہی اقبال مرحوم نے مولانا کی طبعیت کی شدت اور بعض علمائے کے بارے میں ان کی طرف منسوب سخت گیر رویے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اگر یہ الجھن درمیان میں نہ آپڑتی، تو ان کا وقت اور علم وفضل، ملت کے دیگر مسائل کے لیے زیادہ مفید طریقے سے صرف ہوتا اور یقیناً وہ اس دور کے ابوحنیفہ کہلا سکتے تھے۔" (عابد احمد علی، ڈاکٹر: مقالاتِ یوم رضا (رضا اکیڈمی، لاہور) حصہ ۳، ص۱۰)

ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

یندر نظیرہ فی عصرہ فی الا طلاع علی الفقہ الحنفی وجزئیاۃ یشھد بذالك مجموع فتاواہ وکتابۃً کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم" الذی الفہ فی مکۃ سنۃ ثلاث وعشرین وثلاث مائۃ والف۔

(ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) جلد ۸، ص۴۱)

"ان کے زمانہ میں فقہ حنفی اور اس کی جزئیات پر آگاہی میں شاید ہی کوئی ان کا ثانی ہو، اس پر ان کا فتاویٰ اور ان کی کتاب "کفل الفقیہ الفاہم" شاہد ہے جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ مکرمہ میں لکھی تھی۔"

مولانا مودودی کے نائب ملک غلام علی لکھتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں اب تک ہم لوگ سخت غلط فہمی میں مبتلا رہے ہیں۔ ان کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ جو علم گہرائی میں نے ان کے یہاں پائی، وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے، اور عشق خدا اور رسول تو ان کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔" (یٰسین اختر مصباحی، مولانا: امام احمد رضا ارباب علم ودانش کی نظر میں ص۴)

شاہ معین الدین ندوی، دارالمصنفین اعظم گڈھ لکھتے ہیں:

’’مولانا احمد رضا خاں مرحوم صاحب علم ونظر علمائے مصنفین میں تھے، دینی علم خصوصاً فقہ وحدیث پر ان کی نظر وسیع وگہری تھی، مولانا نے جس وقتِ نظر اور تحقیق کے ساتھ علماء کے استفسارات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں، اس سے ان کی جامعیت، علمی بصیرت، ذہانت اور طباعی کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، ان کے عالمانہ محققانہ فتاویٰ مخالف وموافق ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہیں‘‘۔

یہ تاثرات امام احمد رضا بریلوی کے حلقۂ معتقدین کے نہیں، بلکہ علامہ اقبال کے علاوہ باقی اہلِ علم مسلکا سے ان سے متفق نہیں ہیں، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ ان تاثرات کو غلو اور مبالغہ پر محمول کیا جائے۔

اس وقت (۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) تک فتاویٰ کی بارہ جلدوں میں سے ساڑھے سات جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ ہندوستان سے شائع ہونے والی زیادہ تر جلدیں بڑے سائز میں چھپی ہیں جبکہ پہلی پانچ جلدیں پاکستان میں شائع ہوئی ہیں۔ پاکستانی ایڈیشن میں سائز چھوٹا کر دیا گیا ہے، لیکن اس میں قباحت یہ پیدا ہوگئی کہ خط اتنا باریک کر دیا گیا کہ پڑھنا مشکل ہے۔ ہندوستان ایڈیشن میں سائز اور خط مناسب ہے، اگر فتاویٰ کو جدید انداز میں مرتب کیا جائے، پیرابندی کی جائے، عربی عبارات کا اردو ترجمہ شامل کر دیا جائے اور حواشی میں حوالوں کی تخریج کر دی جائے، تو اس کی کم از کم تیس جلدیں تیار ہو جائیں گی۔

(الحمد للہ فتاویٰ رضویہ مکمل ۳۳ جلدوں میں جدید انداز میں مرتب ہو گیا ہے، پیرابندی، عربی عبارات کا اردو ترجمہ اور حواشی میں حوالوں کی تخریج کے ساتھ رضا فاؤنڈیشن، لاہور سے شائع بھی ہو چکا ہے۔ صفحات کی تعداد 22000 سے زائد ہے۔ خلیل رانا)

ذیل میں فتاویٰ رضویہ کی آٹھ جلدوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے:

جلد اول: مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

جہازی سائز (تقطیع 12 x 9 1/2) صفحات ۸۸۰

اس جلد میں ایک سو چودہ فتوے اور اٹھائیس رسائل ہیں۔

جلد دوم: مطبوعہ کتب خانہ سمنانی، میرٹھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء) تقطیع 9 1/2 x 6 1/4) صفحات ۵۱۲

اس جلد میں ۳۸۸ فتوے اور سات رسائل ہیں:

جلد سوم: مطبوعہ سنی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڈھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) تقطیع 11 x 8 3/4) صفحات ۸۱۵۔

اس جلد میں چار سو بیالیس مسائل ہیں اور پندرہ رسائل ہیں۔

جلد چہارم: مطبوعہ سنی دارالاشاعت، مبارکپور، اعظم گڈھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۳۸۷ھ/۱۹۶۷ء) تقطیع 11 x 8 3/4) صفحات ۷۲۴

اس جلد میں چار سو بیالیس مسائل اور ستائیس رسائل ہیں

جلد پنجم: سنی دار الاشاعت، مبارکپور، اعظم گڑھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء) تقطیع (11 x 8 3/4) صفحات ۷۹۹

اس جلد میں نوسو چون فتاویٰ اور نو رسالے ہیں۔

جلد ششم: سنی دار الاشاعت، مبارکپور، اعظم گڑھ (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) تقطیع (11 x 8 3/4) صفحات ۵۳۶

اس جلد میں چار سو ستانوے مسائل اور آٹھ رسائل ہیں

جلد دھم: (نصف) مطبوعہ مکتبہ رضا، بیسلپور، پیلی بھیت (انڈیا)

سالِ طباعت (ندارد) تقطیع (12 x 9 1/4) صفحات ۲۶۴

جلد یازدھم: مطبوعہ ادارۂ اشاعت تصنیفات رضا، بریلی (انڈیا)

سالِ طباعت (۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء) تقطیع (9 1/2 x 7) صفحات ۳۲۵

اس جلد میں ایک سو ستاون مسائل اور چار رسائل ہیں۔

یہ آٹھ جلدیں چار ہزار آٹھ سو پچیس صفحات پر مشتمل ہیں اور اگر جدید انداز میں مرتب کر کے شائع کی جائیں، تو وہ تین گنا زائد ہو جائیں۔

اعتراضات

امام احمد رضا کی تصانیف کے بارے میں چند شکوک وشبہات اٹھائے گئے ہیں درج ذیل سطور میں ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے:

۱۔ تصانیف کی تعداد کے بیان میں اختلافِ شدید پایا جاتا ہے اور اپنے امام کی عظمت کو جھوٹا سہارا دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۲۹-۲۸)

یہ اعتراض مختلف صفحات میں تین بار ذکر کیا گیا ہے، گویا ایک بار ذکر کرنے سے تسلی نہیں ہوئی، اس کا جواب گزشتہ صفحات میں دیا جا چکا ہے۔

۲۔ بریلوی نے کوئی کتاب نہیں لکھی، استفتاءات کے جواب میں فتوے لکھے ہیں، اس کے لیے بھی متعدد تنخواہ دار ملازم رکھے ہوئے تھے۔ بعض استفتاء دوسرے شہروں میں بھیج دیئے جاتے تھے، ان کے معاونین جواب تحریر کرتے۔ یہ جوابات، سوال کرنے والوں کو ارسال کر دیئے جاتے۔ بعض معاونین مختلف کتابوں سے عبارات نقل کر کے بھیج دیتے، جنہیں تحقیق وتنقیح کے بعد اپنی عبارت میں درج کر دیتے، یہی وجہ ہے کہ ان کے فتووں میں شدید ابہام پایا جاتا ہے۔ (ترجمہ ملخصاً) (ظہیر: البریلویہ ص ۲۹)

دلائل کے بغیر آدمی جو چاہے کہہ سکتا ہے، لیکن اہل علم کے ہاں اس کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوگی۔ امام احمد رضا کے پاس علماء کا

جمگھٹا لگا رہتا تھا۔ کچھ حضرات دار العلوم منظرِ اسلام کے مدرس ہوتے تھے۔ ملاقات کے لیے آنے والوں کی بھی کمی نہیں تھی۔ ان میں سے چند حضرات کو تربیت کے لیے مختلف کتابوں سے حوالے تلاش کرنے پر مامور فرما دیتے، تو اس سے کہاں ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے فتویٰ نویسی کے لیے رکھے ہوئے تھے، ان میں سے کسی بات میں صداقت ہے؟ ہمارے نزدیک کسی میں بھی نہیں۔ بعض اوقات علامہ ظفر الدین بہاری کو کسی موضوع پر عبارات تلاش کرنے پر مامور فرما دیتے، یہ بھی ان کی تربیت کا حصہ تھا۔

اس جگہ حافظ عبد الرحمٰن مدنی (اہل حدیث) کا بیان دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، وہ لکھتے ہیں: میرے گواہ میرے اپنے شاگرد ہیں، جو خود احسان الٰہی ظہیر کے لیے عربی اردو میں کتابیں لکھتے ہیں اور پھر احسان الٰہی ظہیر ان کا نام دیئے بغیر اپنے نام سے یہ کتابیں شائع کر کے اپنی شہرت کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے۔ کیا دنیا اس پر تعجب نہ کرے گی کہ جو شخص انگریزی زبان نہ بول سکتا ہو، نہ پڑھ اور سمجھ سکتا ہو، اس کی مستقل کتابیں انگریزی زبان میں اس کے نام سے شائع ہوں؟"

(عبد الرحمٰن مدنی، حافظ ہفت روزہ اہل حدیث، لاہور (۱۴ اگست ۱۹۸۴ء) ص ۶)

امام احمد رضا بریلوی کی فقہی بصیرت، ژرف نگاہی اور وسعتِ معلومات کے بیگانے بھی قائل ہیں۔ ابو الحسن علی ندوی اور شاہ معین الدین کے اقتباسات اس سے پہلے پیش کیے جا چکے ہیں۔ امام احمد رضا اس بات سے مستغنی تھے کہ کسی سے کتاب لکھوا کر اپنے نام سے شائع کر دیں۔

یہ تو اہل علم ہی جان سکتے ہیں کہ امام احمد رضا جو فتوے دیتے ہیں، وہ فیصلہ کن انداز میں دیتے ہیں، اس میں نہ تو ابہام ہوتا ہے، نہ تعقید، بلکہ قدرت نے انہیں ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ وہ مختلف اقوالِ وعبارات کو ان کے صحیح محمل پر محمول فرماتے اور احادیث مختلفہ میں اس طرح تطبیق دیتے کہ کوئی اشکال ہی باقی نہ رہتا۔

۳۔ بریلویوں کا یہ کہنا کہ ان کی تصانیف ایک ہزار سے زائد ہیں، دلیل سے ثابت نہیں، کیونکہ کتاب صرف فتاویٰ رضویہ کو کہا جا سکتا ہے جو چھوٹے بڑے حجم میں آٹھ جلدوں میں چھپا ہے۔ باقی چھوٹے چھوٹے رسائل ہیں جنہیں کتاب نہیں کہا جا سکتا۔" (ظہیر: البریلویہ ص ۳۰)

گویا کتاب اسی تصنیف کو کہا جا سکتا ہے جو بارہ ضخیم جلدوں میں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہو، ذیل میں چند کتابوں کے نام دیئے جاتے ہیں جو صرف چند صفحات پر مشتمل ہیں،

الفقہ الاکبر: امامِ اعظم ابو حنیفہ کی اہم تصنیف ہمارے سامنے ہے۔ مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کا مطبوعہ نسخہ ہے جس میں عربی عبارت چھوٹے سائز کے پچیس صفحات سے زائد نہیں ہے۔

اربعین: چالیس احادیث کا مجموعہ مختلف حضرات نے جمع کیا ہے۔ ایسا ہی ایک مجموعہ امام نووی کی تصنیفات میں شمار کیا گیا ہے۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۱-۳۰) حالانکہ یہ مجموعہ بہ شکل پندرہ صفحات پر مشتمل ہوگا۔

یک روزہ: مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی تصانیف میں شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ چھوٹے سائز کے صرف بتیس صفحات پر مشتمل ہے۔

فتاویٰ رفیع الدین، مطبع احمدی، دہلی، صرف نو رسائل چالیس صفحات پر مشتمل ہیں۔ حساب لگا لیجئے کہ فی رسالہ اوسطاً کتنے صفحات پر مشتمل ہوگا۔

الفتح الخبیر: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا چند صفحات پر مشتمل رسالہ ہے جو الفوز الکبیر میں شامل کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود تصانیف میں الگ شمار کیا گیا ہے۔

رسالہ اشارۃ المسجہ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا ساڑھے تین صفحے پر مشتمل رسالہ جو فتاویٰ عزیزی میں مندرج ہے۔

اصل میں کسی موضوع پر لکھی جانے والی علمی اور تحقیقی تحریر، رسائل اور تصانیف میں شمار کی جاتی ہے، اگرچہ چند صفحات پر مشتمل ہو، اس کے لیے متعدد جلدوں اور ہزاروں صفحات پر مشتمل ہونا ضروری نہیں۔

۴۔ فتاویٰ رضویہ چھوٹے بڑے رسائل پر مشتمل ہے، اس کے باوجود ان رسائل کو تصانیف کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ (عبد الرشید عراقی: امام نووی اور ان کی تصنیفات، ترجمان الحدیث لاہور (شمارہ جون ۱۹۸۱ء) ص ۴۵)

فتاویٰ رضویہ میں شامل رسائل کو الگ کر دیا جائے تو بھی اس کی ضخامت غیر معمولی ہوگی، رسائل کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر انہیں الگ کیا جاتا ہے۔ ابھی رسالہ الفتح الخبیر کا ذکر ہوا ہے جو چند صفحات پر مشتمل ہے اور الفوز الکبیر میں شامل کر دیا گیا ہے، اس کے باوجود الگ شمار کیا جاتا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کی تصانیف شمار کرتے ہوئے سب سے پہلے ابجد العلوم کو شمار کیا گیا ہے جو تین جلدوں میں ہے، پھر اس کی پہلی جلد الوشی والمرقوم، دوسری جلد السحاب المرکوم کو الگ بھی شمار کیا گیا ہے۔" (صدیق حسن خاں بھوپالی: ابجد العلوم ج ۳، ۹-۲۷۵)

۵۔ بعض رسائل چھ صفحات پر مشتمل ہیں، مثلاً تنویر القندیل بعض سات صفحات پر مثلاً تبیان الوضوء اور بعض آٹھ صفحات پر مثلاً لمع الاحکام۔ یہ رسائل بھی ان کی تالیفات میں شمار کیے گئے ہیں۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۳۱)

غالباً خیال نہیں رہا کہ یہ صفحات جہازی سائز کے ہیں، یہ رسائل عام کتابی سائز پر شائع کیے جائیں، تو صفحات تین چار گنا بڑھ جائیں گی، اس سے قبل متعدد رسائل کی نشان دہی کی جا چکی ہے، جو صرف چند صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس کے باوجود تصانیف میں شمار کیے جاتے ہیں۔

۶۔ "لطیفہ یہ ہے کہ صحیح بخاری، نسائی، التقریب وغیرہ کتب جو بریلوی کے کتب خانہ میں موجود تھیں اور وہ ان کا مطالعہ کرتے رہتے تھے اور ایک دو صفحات پر کہیں حاشیہ بھی لکھ دیا۔ ان تمام حواشی کو بھی اپنے مجدد کی تصنیف میں شمار کر دیا، حالانکہ ان حواشی میں سے بڑی کتاب تو کجا، چھوٹی کتاب بھی نہیں چھپی"۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۳-۳۲)۔ (ترجمہ ملخصاً)

یہ درست ہے کہ ان کتابوں پر امام احمد رضا بریلوی نے مستقل حواشی نہیں لکھے، لیکن اکثر و بیشتر کتابوں پر لکھے ہوئے علمی اور تحقیقی نوٹس اتنی مقدار میں ہیں کہ انہیں الگ کتاب اور کتابچے کی صورت میں شائع کیا جا سکتا ہے۔

۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء میں طحطاوی علی الدر المختار پر امام احمد رضا کے حواشی تعلیقات رضا کے نام سے مرکزی مجلسِ رضا، لاہور

نے شائع کیے تھے۔ تحقیق وترجمہ کا کام مولانا محمد صدیق ہزاروی نے انجام دیا۔ یہ تعلیقات ۲۷۲ صفحات پر مشتمل ہیں، جن میں صرف عربی حواشی چھیاسی صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔

اسی طرح اسی سال میں معالم التنزیل پر امام احمد رضا کے حواشی، مولانا محمد صدیق ہزاروی کے ترجمہ کے ساتھ چھپے ہیں، جو چوالیس صفحات پر مشتمل ہیں۔

البریلویۃ نامی کتاب ۲۳ مارچ ۱۹۸۳ء کے بعد چھپی، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ تعلیقات رضا کے دونوں حصے ان کی نظر سے نہ گزرے ہوں۔

جدّ الممتار، حاشیۂ شامی

لطف یہ کہ ۱۹۸۲ء میں ہی میں شامی پر امام احمد رضا بریلوی کے مبسوط حاشیہ کی پہلی جلد حیدرآباد دکن سے چھپ گئی تھی جو ۴۳۲ صفحات پر مشتمل اور نفیس عربی ٹائپ پر چھپی ہے، غالباً یہ جلد بھی نظر سے نہیں گزری ہوگی۔ یہ حاشیہ پانچ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

۷۔ ''اس گروہ کا صریح جھوٹ یہ کہنا ہے کہ فتاویٰ رضویہ بارہ جلدوں پر مشتمل ہے، حالانکہ اب تک اس کی صرف آٹھ جلدیں ہی چھپی ہیں۔ نیز ان آٹھ جلدوں میں سے صرف ایک جلد بڑے سائز پر چھپی ہے۔ باقی تمام جلدیں چھوٹے سائز پر چھپی ہیں۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۳۴)

ایک طفلِ مکتب بھی جانتا ہے کہ ہر کتاب کا چھپا ہوا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بے شمار کتابیں ایسی ہیں کہ جن کی ایک جلد بھی نہیں چھپی، تو کیا کہا جائے گا کہ اس کتاب کی ایک جلد بھی نہیں ہے کیونکہ کوئی جلد چھپی جو نہیں ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ فتاوی رضویہ کی بارہ جلدیں لکھی گئی تھیں، جن میں سے سات جلدیں مکمل اور دسویں جلد نصف چھپ چکی ہے۔ (الحمد للہ فتاویٰ رضویہ اَب مکمل چھپ چکا ہے۔ خلیل)

اسی طرح اگر آپ نے تاج محل نہیں دیکھا، تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ موجود ہی نہیں ہے، ہمارے پاس فتاویٰ رضویہ کی دوسری جلد کے علاوہ باقی تمام جلدیں بڑے سائز پر انڈیا کی چھپی ہوئی موجود ہیں، جو چاہے دیکھ سکتا ہے۔

۸۔ ''بڑے سائز پر چھپی ہوئی جلد اول ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔'' (ظہیر: البریلویہ ص ۳۴)

ممکن ہے یہ طباعت کی غلطی ہو، ورنہ پاکستانی ایڈیشن میں پہلی جلد آٹھ سو اسی صفحات پر مشتمل اور جہازی سائز پر چھپی ہوئی ہے۔

حاشیہ فواتح الرحموت

مسلم الثبوت تصنیف علامہ محب اللہ بہاری اصولِ فقہ کی دقیق ترین کتاب ہے۔ حضرت علامہ بحر العلوم لکھنوی نے اس پر فواتح الرحموت کے نام سے شرح لکھی۔ بحر العلوم کا دقیق اندازِ تحریر کسی صاحب علم پر مخفی نہیں ہے۔ امام احمد رضا بریلوی نے اس پر حاشیہ تحریر فرمایا جو چار سو اٹھارہ صفحات پر مشتمل ہے اور راقم کے پاس محفوظ ہے۔

اسلامی سیاست

متحدہ پاک وہند کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسلمانوں کا وجود ہندؤوں کے لیے کبھی قابل برداشت نہیں رہا، ان کی سوچ ہمیشہ یہ رہی ہے کہ اسلام سرزمین عرب سے آیا ہوا غیر ملکی مذہب ہے، لہٰذا یہاں کے باشندوں کو پھر سے اپنے آبائی مذہب کو اختیار کر لینا چاہیے، کبھی یہ پروپیگنڈہ کیا گیا کہ ہندوستان کے تمام باشندے ایک قوم ہیں، سلاطین مغلیہ میں سے اکبر کے دربار میں ان لوگوں کا اثر ونفوذ حد سے زیادہ بڑھ گیا، یہاں تک کہ اس نے ایک نئے دین، دین الٰہی کی داغ بیل ڈالنا چاہی جو ہندومت ہی کا چربہ تھا، اس سے ہندؤوں کو تو کیا نقصان پہنچتا، مسلمان اپنے دین وایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے۔

ایسے میں امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ نے مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کا بیڑا اٹھایا۔ آپ کے ملفوظات اور مکتوبات نے وہ کام کیا کہ بڑے بڑے بادشاہ اوران کے لشکر بھی نہ کر سکے۔ آپ کی مساعیٔ جمیلہ لادینیت اور الحاد کے سامنے سدِ سکندری ثابت ہوئیں اور ملتِ اسلامیہ کی کشتی گنگا اور جمنا کے منجدھار میں غرق ہونے سے محفوظ رہ گئی۔ اسی دور میں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ، نے اپنی تصانیف کے ذریعے دین متین کی تعلیمات کو فروغ دیا اور کفر کے منہ زور سیلاب کا رخ موڑ دیا۔

ان کے بعد علمی وفکری قیادت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ہاتھ آئی اور ان حضرات نے کمال حسن وخوبی سے امتِ مسلمہ کی راہنمائی فرمائی۔ ان کے بعد علامہ فضلِ حق خیرآبادی، شاہ فضلِ رسول بدایونی شاہ احمد سعید مجددی اور مولانا ارشاد حسین رامپوری وغیرہ ہم اسلامی عقائد اور روایات کی حفاظت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں ایک ایسی شخصیت کو پیدا فرمایا جو غیرتِ اسلامی اور ملتِ اسلامیہ کی ہمدردی اور خیر خواہی کا پیکر اور ان حضرات کی صحیح جانشین تھی جسے دنیا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کے نام سے جانتی ہے۔

تحریک ترکِ موالات

پہلی جنگ عظیم کے بعد تقریباً ۱۹۱۹ء میں ترکوں پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف، ہندوستان میں تحریک خلافت کا آغاز ہوا۔ یہ تحریک طوفان کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور بچہ بچہ انگریز حکمرانوں کے خلاف نفرت وعداوت کا شعلہ جوالہ بن گیا، اس ہمہ گیر نفرت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسٹر گاندھی نے ۱۹۲۰ء میں کانگریس کی طرف سے نان کوآپریشن یعنی ترکِ موالات کا اعلان کر دیا۔

موالات کا معنی ہے دوستی اور محبت، ترکِ موالات کا معنیٰ ہوا کہ محبت اور دوستی چھوڑ دی جائے، کس سے؟ اسلامی تعلیمات کے مطابق ایک مسلمان کے دل میں کسی کافر کی محبت نہیں سما سکتی، خواہ وہ انگریز ہو یا ہندو، البتہ معاملہ یعنی لین دین، خرید وفروخت، مرتد کے علاوہ کسی بھی کافر سے کیا جا سکتا ہے۔ قرآن وحدیث اور ائمہ فقہاء کے ارشادات کی روشنی میں دیکھا جائے، تو موالات اور معاملہ دو الگ الگ چیزیں دکھائی دیں گی۔

کسی تحریک کی رَو جب چل نکلتی ہے، تو عوام وخواص، جوش وخروش اور نعروں کی گونج میں جذبات کی اس حد تک پہنچ جاتے ہیں کہ عقل ودانائی کی باتیں سننے کے بھی روادار نہیں رہتے اور جو انہیں بھلائی اور خیر خواہی کا مشورہ دے، اسے بھی شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، یہی کچھ اس تحریک میں بھی ہوا۔

اسلامی تشخص تک قربان

کسی قوم کے زندہ رہنے کے لیے اس کے قومی تشخص کا باقی رہنا ازبس ضروری ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے لیڈر مسٹر گاندھی نے مسلمانوں کو ایسا چکر دیا کہ عوام تو عوام تعلیم یافتہ لوگ بھی اس کے گرویدہ ہو گئے یہاں تک کہ اسلامی تشخص بھی قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

امام احمد رضا بریلوی اس قومی خودکشی کی لرزہ خیز صورت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(آیت کریمہ) لاینھٰکم نے کچھ نیک برتاؤ، مالی مواسات ہی کی تو رخصت دی، یا فرمایا کہ انہیں اپنا انصار بناؤ۔ ۔۔۔۔۔۔ان کے گہرے یار غار ہو جاؤ۔۔۔۔۔۔ان کے طاغوت (گاندھی) کو اپنے دین کا امام ٹھہراؤ۔۔۔۔۔۔ان کی جے پکارو۔۔۔۔۔۔ان کی حمد کے نعرے مارو۔۔۔۔۔۔انہیں مساجد مسلمین میں باادب وتعظیم پہنچا کر۔۔۔۔۔۔مسند مصطفےٰ ﷺ پر لے جا کر۔۔۔۔۔۔مسلمانوں سے اونچا اٹھا کر واعظ وہادی مسلمین بناؤ۔۔۔۔۔۔ان کا مردار جیفہ اٹھاؤ۔۔۔۔۔۔کندھے پر ٹکٹکی (میٹ) زبان پر جے یوں مرگھٹ میں پہنچاؤ۔۔۔۔۔۔مساجد کو ان کا ماتم گاہ بناؤ۔۔۔۔۔۔ان کے لیے دعائے مغفرت ونماز جنازہ کے اعلان کراؤ۔۔۔۔۔۔ان کی موت پر بازار بند کرو، سوگ مناؤ۔۔۔۔۔۔ان سے اپنے ماتھے پر قشقے (تلک) لگواؤ۔۔۔۔۔۔ان کی خوشی کو شعارِ اسلام (گائے کی قربانی) بند کراؤ۔۔۔۔۔۔گائے کا گوشت کھانا گناہ ٹھہراؤ۔۔۔۔۔۔کھانے والوں کو کمینہ بتاؤ۔۔۔۔۔۔اسے مثل سور کے گناؤ۔۔۔۔۔۔خدا کی قسم کی جگہ رام دوہائی گاؤ۔۔۔۔۔۔واحد قہار کے اسماء میں الحاد رچاؤ۔۔۔۔۔۔اسے معاذ اللہ! رام یعنی ہر چیز میں رما ہوا، ہر شے میں حلول کیے ہوئے ٹھہراؤ۔۔۔۔۔۔قرآن مجید کو رامائن کے ساتھ ایک ڈولے میں رکھ کر مندر میں لے جاؤ۔۔۔۔۔۔دونوں کی پوجا کراؤ۔۔۔۔۔۔ان کے سرغنہ (گاندھی) کو کہو کہ خدا نے ان کو تمہارے پاس مذکر بنا کر بھیجا ہے۔ یوں معنی نبوت جماؤ۔۔۔۔۔۔اللہ عزوجل نے سید الانبیاء ﷺ سے یہ تو فرمایا: انما انت مذکر ○ تم تو نہیں، مگر مذکر۔۔۔۔۔۔اور خدا نے مذکر بنا کر بھیجا ہے۔“ اس نے معنی رسالت کا پورا نقشہ کھینچ دیا۔ ہاں لفظ بچایا، اسے یوں دکھایا: نبوت ختم نہ ہوتی، تو گاندھی جی نبی ہوتے“۔ اور امام وپیشوا وبجائے مہدیٔ موعود تو صاف کہہ دیا۔۔۔۔۔۔بلکہ اس کی حمد میں یہاں تک اونچے اڑے کہ ”خاموشی از ثنائے تو حد ثنائے تست“ صاف کہہ دیا کہ ”آج اگر تم نے ہندو بھائیوں کو راضی کر لیا، تو اپنے خدا کو راضی کر لیا“۔۔۔۔۔۔صاف کہہ دیا کہ ہم ایسا فکر بنانے کی فکر میں ہیں جو ہندو مسلم کا امتیاز اٹھا دے گا“۔۔۔۔۔۔صاف کہہ دیا کہ ”ایسا مذہب چاہتے ہیں جو سنگم وپریاگ کو مقدس علامت ٹھہرائے گا“۔۔۔۔۔۔صاف کہہ دیا کہ ”ہم قرآن وحدیث کی تمام عمر بت پرستی پر نثار کر دی“۔۔۔۔۔۔کے کریمۂ لاینھٰکم میں ان ملعونات وکفریات کی اجازت دی تھی؟“ (احمد رضا بریلوی، امام: المحجۃ المؤتمنۃ

(مطبع حسنی، بریلی) ص ۴۵

تحریک ترکِ موالات اگر کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی تو سیدھے سادے مسلمانوں کا دین و ایمان تباہ ہو جاتا اور وہ ہندؤوں میں مدغم ہو کر رہ جاتے، اس کے علاوہ علمی اور معاشی طور پر مسلمانوں کا دیوالہ نکل جاتا۔ اس وقت ہندؤوں کی تعداد ۲۳ کروڑ اور مسلمانوں کی تعداد سات کروڑ تھی، اس لیے ضروری تھا کہ ایک مسلمان کے مقابل تین ہندو ملازمت چھوڑتے، جبکہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے، پھر ہندؤوں کے مقابل مسلمان گورنمنٹ کے عہدوں پر پانچ فیصد تھے، مسلمانوں کے ملازمت چھوڑنے کی صورت میں ان عہدوں پر بھی ہندؤ آجاتے اور مسلمان اقتصادی لحاظ سے مزید کمزور پڑ جاتے۔"

(تاج الدین احمد تاج، منشی: ہندؤوں سے ترکِ موالات (مطبوعہ لاہور ۱۹۲۰ء) ص ۲۰)

گاندھی اور اس کے ہم خیال علماء نے اسلامیہ کالج لاہور اور علی گڑھ کالج کو تباہ کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا، جبکہ ڈی، اے وی کالج لاہور اور بنارس ہندؤ یونیورسٹی پر کچھ اثر نہ ہوا۔ دراصل کچھ ہندو لیڈر خود اس تحریک کے خلاف تھے، ان کی چال یہ تھی کہ مسلمانوں کے کالج تباہ ہو جائیں، ان کے عہدے ختم ہو جائیں ہمارے کالج بھی بدستور چلتے رہیں اور عہدے بھی بحال رہیں۔ ان کی کامیابی کی صورت میں مسلمانوں کا معاشی اور علمی لحاظ سے جو نقصان ہوتا اس کی کبھی تلافی نہ ہو سکتی۔

پنڈت مدن مالوی، اس بات کے سخت خلاف تھے کہ طالب علم حکومت کی امداد سے چلنے والے کالجوں کا بائیکاٹ کریں، جبکہ مسٹر گاندھی اس بائیکاٹ کے زبردست موید اور محرک تھے۔ اس کے باوجود بنارس ہندؤ یونیورسٹی کے طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر گاندھی نے کہا:

"میں پنڈت مالوی کا ہم خیال ہوں کہ طالب علموں کو اپنے ضمیر کے مطابق کاروائی کرنی چاہیے۔ میں آپ لوگوں سے بڑے زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر آپ میری دلیلوں سے قائل نہ ہوں، تو ہرگز ہرگز قطع تعلق کی پالیسی اختیار نہ کریں۔"

(تاج الدین احمد تاج، منشی: ہندؤوں سے ترکِ موالات (مطبوعہ لاہور ۱۹۲۰ء) ص ۲۰)

مقام غور ہے کہ گاندی نے اس قدر ڈھیلا ڈھالا انداز اختیار کیوں کیا؟ اس لیے کہ مخاطب ہندو طلبہ تھے اور اگر مسلمان طلبہ مخاطب ہوتے، تو انہیں پرزور انداز میں بائیکاٹ کی تلقین کی جاتی، تاکہ مسلمان بچوں کا علمی مستقبل تباہ ہو جائے اور ہندو طلبہ بدستور علمی لحاظ سے ترقی کرتے رہیں۔

قائداعظم اور ترکِ موالات

یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریک ترکِ موالات طوفان کی طرح پورے ملک پر چھا گئی تھی۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی دل وجان سے اس تحریک میں شریک تھے۔ انہوں نے نہ صرف گاندھی کی قیادت قبول کر لی تھی، بلکہ اسے باپوتک کہتے تھے، لیکن قوم کے غیر جذباتی اور دُور رس نگاہ رکھنے والے لیڈر اس تحریک کے حق میں نہیں تھے۔

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

''آخر یہ کیا بات تھی، جناح کے کیمپ میں خاموشی کیوں تھی؟ سناٹا کیوں چھایا ہوا تھا؟ چہل پہل اور گہما گہمی اور ہنگامہ آرائی کیوں ناپید تھی؟ کیا ان کے قوائے عمل شل ہو گئے تھے؟ کیا ان کی زبان گنگ ہو گئی تھی؟ کیا ان کا دماغ ناکارہ ہو گیا تھا؟ نہیں یہ بات نہیں تھی، جناح کی نظریں حال کے آئینہ میں مستقبل کا جلوہ دیکھ رہی تھیں، وہ جذبات کے طوفان میں بہنے کا عادی نہیں تھا۔ طوفان کا رخ موڑ دینا اس کی عادت تھی۔'' (رئیس احمد جعفری: حیات محمد علی جناح (کتب خانہ تاج آفس، بمبئی) ص ۱۰۱)

محمد علی جناح نے بمبئی میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''میں یہ کہنے سے بھی باز نہیں رہ سکتا کہ گاندھی جی نے ۔۔۔۔۔۔ جن کی میں عزت کرتا ہوں ۔۔۔۔۔۔ جو پروگرام اختیار کیا ہے، وہ قوم کو غلط راستے پر لیے جا رہا ہے ۔۔۔۔۔۔ ان کا پروگرام قوم کو صراط مستقیم کے بجائے ایک گڑھے کی طرف لے جا رہا ہے۔'' (رئیس احمد جعفری: حیات محمد علی جناح (کتب خانہ تاج آفس، بمبئی) ص ۳-۱۰۲)

علامہ اقبال اور دو قومی نظریہ

علامہ اقبال نے ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ الٰہ آباد کے اجلاس کی صدارت کی اور اپنے صدارتی خطبہ میں نظریہ پاکستان پیش کیا۔ (اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علمائے پاک و ہند (اقبال اکادمی، لاہور) ص ۸۱)۔ اس وقت ان کی ہنسی اڑائی گئی، ان کی باتوں کو مجذوب کی بڑ کہا گیا، لیکن علامہ نہ صرف اپنے نظریے پر قائم رہے، بلکہ دوسروں کو بھی اس کے لیے ہموار کرتے رہے۔ ۲۱ جون ۱۹۳۸ء کو قائداعظم کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں:

کانگریس کے صدر (نہرو) نے غیر مبہم الفاظ میں مسلمانوں کے (جداگانہ) سیاسی وجود ہی سے انکار کر دیا ہے۔ ہندوؤں کی دوسری جماعت یعنی مہاسبھا نے جسے میں ہندو عوام کی حقیقی نمائندہ سمجھتا ہوں بارہا اعلان کیا ہے کہ ہندوستان میں ایک متحدہ ہندو مسلم قوم کو وجود ناممکن ہے ان حالات کے پیش نظر بدیہی حل یہ ہے کہ ہندوستان میں قیام امن کیلئے ملک کی از سر نو تقسیم کی جائے جس کی بنیاد نسلی، مذہبی اور لسانی اشتراک پر ہو۔ بہت سے برطانوی مدبرین بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہیں ۔۔۔ مجھے یاد ہے کہ انگلستان سے روانگی سے قبل لارڈ لوتھیان نے مجھ سے کہا تھا کہ تمہاری اسکیم میں ہندوستان کے مصائب کا واحد حل ممکن ہے۔'' (خواجہ رضی حیدر: قائداعظم خطوط کے آئینہ میں (نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۵ء) ص ۳۱۱)

مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں۔ یہ اعلان امام ربانی مجدد الف ثانی قوس سرہ نے اپنے دور میں پوری قوت سے کیا۔ یہ نعرۂ حق امام احمد رضا بریلوی نے ۱۹۲۰ء میں اتنی قوت سے بلند کیا کہ ہندو مسلم اتحاد کا پردہ چاک ہو گیا۔ یہی وہ دو قومی نظریہ تھا جو ۱۹۳۰ میں علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد کی بنیاد اور جسے ۱۹۳۸ء میں قائداعظم نے قبول کیا، قائداعظم کی طرح علامہ اقبال بھی تحریک خلافت کے حق میں نہیں تھے۔

میاں عبدالرشید، کالم نگار، نور بصیرت، نوائے وقت لکھتے ہیں:

''علامہ اقبال تحریکِ خلافت کے مخالف تھے، چنانچہ انہوں نے یہ اشعار لکھے:

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا؟
خلافت کی کرنے لگا تو گدائی
خریدیں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے
مسلماں کو ہے ننگ وہ پادشاہی
مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی (بانگ درا)

قائداعظم بھی اس تحریک اور اس کی ضمنی تحریکوں کو مسلمانوں کے لیے سخت نقصان دہ سمجھتے تھے، مگر ان دنوں کسی نے ان کی ایک نہ سنی، چنانچہ وہ اس آندھی کے دوران، میدانِ سیاست سے ہٹ آئے اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔ جن لوگوں نے میدان میں آ کر خلافت، ہجرت اور ترکِ موالات جیسی نقصان دہ تحریکوں کی مخالفت کی اور ان کے حامیوں اور لیڈروں کا زور توڑا، وہ حضرت احمد رضا خاں اور ان کے احباء، رفقاء اور عقیدت مند ہی تھے۔ ع

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار"

(میاں عبدالرشید: پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر (ادارۂ تحقیقاتِ پاکستان، لاہور) ص ۶)

مسٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

"اقبال مسئلہ تحفظِ خلافت پر مسلمانوں کے ہندوؤں کے ساتھ مل کر عدم تعاون کی تحریک میں شرکت کے خلاف تھے، کیونکہ کسی قابلِ قبول ہندو مسلم معاہدے کے بغیر محض انگریز دشمنی کی بناء پر قومیت متحدہ کی تعمیر ممکن نہ تھی، علاوہ اس کے انہیں خدشہ تھا کہ کہیں ایسے اشتراک اور مسلمانوں کی سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر قومیت متحدہ کے داعی ان کی علیحدہ ملی حیثیت کو ختم نہ کر دیں جس کے سبب بعد میں انہیں پشیمان ہونا پڑے، انہی اختلافات کی بناء پر اقبال نے صوبائی خلافت کمیٹی سے استعفاء دے دیا۔"

(جاوید اقبال: زندہ رود (شیخ غلام علی، لاہور) ج ۲، ص ۲۳۸)

خود علامہ اقبال کا بیان ہے:

"خلافت کمیٹیوں کے بعض ممبر ہر جگہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتے، وہ بظاہر جوشیلے مسلمان معلوم ہوتے ہیں، لیکن در باطن اخوان الشیاطین ہیں، اسی وجہ سے میں نے خلافت کمیٹی کی سیکرٹری شپ سے استعفاء دے دیا تھا۔" (جاوید اقبال، ڈاکٹر: زندہ رود (شیخ غلام علی، لاہور) ج ۲، ص ۲۳۹)

ابتداء علامہ اقبال بھی متحدہ قومیت کے قائل تھے، لیکن گہرے غور و فکر نے ان کی رائے تبدیل کر دی۔ ۱۴ نومبر ۱۹۲۳ء کو سید محمد سعید الدین جعفری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"ابتداء میں، مَیں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کا خواب شاید سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا، لیکن تجربہ اور خیالات کی وسعت نے میرے خیال میں تبدیلی کر دی اور اب قومیت میرے نزدیک محض ایک عارضی نظام ہے، جس کو ہم

ایک ناگزیر زشتی سمجھ کر گوارا کرتے ہیں۔" (جاوید اقبال، ڈاکٹر: زندہ رود (شیخ غلام علی، لاہور) ج۲، ص۲۷۳)

سید سلیمان ندوی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"اسلام کا ہندوؤں کے ہاتھ بک جانا گوارا نہیں ہوسکتا، افسوس اہلِ خلافت اپنی اصلی راہ سے بہت دور جا پڑے، وہ ہم کو ایک ایسی قومیت کی راہ دکھا رہے ہیں، جس کو کوئی مخلص ایک منٹ کے لیے بھی قبول نہیں کرسکتا۔ (جاوید اقبال، ڈاکٹر: زندہ رود (شیخ غلام علی، لاہور) ج۲، ص۳۶۳)

اسی لیے یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں کہ

"تحریک ترکِ موالات میں بریلویوں کے علاوہ مسلمانوں کے تمام گروہ، ان کے زعماء، قائدین اور علماء شامل تھے۔" (ظہیر: البریلویہ ص۴۲)

اگر مسلمانوں کے تمام گروہ ترکِ موالات کے دور میں ہندو مسلم اتحاد کا شکار ہوگئے ہوتے، تو پاکستان کی حمایت میں مسلمانوں کی غالب ترین اکثریت کبھی ووٹ نہ دیتی اور پاکستان بھی معرضِ وجود میں نہ آتا۔ یہ امر باعثِ حیرت ہے کہ ایک طبقہ پاکستان میں رہتے ہوئے بھی، پاکستان کی بنیادوں کو محفوظ کرنے والوں کے خلاف زبان طعن دراز کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

امام احمد رضا بریلوی اور ترکِ موالات

تحریک ترکِ موالات ایک طوفان کی طرح پورے متحدہ پاک و ہند پر چھا چکی تھی، اس کے خلاف آواز اٹھانا، اپنے آپ کو طعن و تشنیع کا ہدف بنانے کے مترادف تھا ملتِ اسلامیہ کا دشمن اور انگریز کا ایجنٹ قرار دینا عام سی بات تھی۔

رئیس احمد جعفری لکھتے ہیں:

"اس تحریک کی جس نے مخالفت کی، اس کا رخ جس نے موڑنا چاہا، اس کی پگڑی سلامت نہ رہ سکی۔۔۔۔ اکابر علماء صلحاء، اخیار، ابرار میں سے جس نے بھی اس تحریک کی مخالفت کی، اسے مسلمانوں کے قومی پلیٹ فارم سے ہٹ جانا پڑا۔" (رئیس احمد جعفری: حیات محمد علی جناح، ص۱۵۸)

ایسے عالم میں امام احمد رضا بریلوی نے کسی مخالفت اور الزام کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے بصیرتِ ایمانی کا فیصلہ صادر فرمایا اور طوفانوں کی زد پر دین وایمان کا چراغ فروزاں رکھا تاریخ شاہد ہے اور مؤرخین اس اعتراف پر مجبور ہیں کہ زمانے کا بڑے سے بڑا طوفان ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ لاسکا، بلکہ ان کی ایمانی جرأت واستقامت نے طوفان کا رخ موڑ دیا۔ اس وقت ان پر طرح طرح کے الزامات عائد کیے گئے، لیکن طوفانی دور گزر جانے کے بعد دیانت دار مؤرخین ان کی ایمانی بصیرت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

گائے کی قربانی

مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد ہی ہندوؤں کی کوشش تھی کہ مسلمانوں سے گائے کی قربانی رکوا دی جائے۔ اس مقصد کے

لیے انہوں نے ہر حربہ استعمال کیا۔ کہیں تو جبر وتشدد سے اس اسلامی شعار کو بند کرنے کی کوشش کی اور کہیں دجل وفریب سے۔

"علاقہ بہار میں ہندوؤں نے محض قربانی گاؤ کو روکنے، یعنی مسلمانوں کے ایک مذہبی اور دینی شعار کو قطعاً بند کرنے کے لیے ہزارہا کی تعداد میں اور لشکروں کی صورت میں مجتمع ہو کر اور ہر طرح کے اسلحہ جات سے مسلح ہو کر اور گھوڑوں اور ہاتھیوں پر سوار ہو کر ہزارہا مسلمانوں کو زخمی اور قتل کیا۔ ایک نہیں، دو نہیں، مسلمانوں کے ایک سو چالیس گاؤں اور دو ہزار سات سو مکانات اس بے دردی کے ساتھ لوٹے کہ جن کی تفصیل سے کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

مسلمانوں کے مکانات کا لوٹا ہوا مال ظالم ہندو ہاتھیوں پر لاد کر لے گئے۔۔آپ کے ہندو دوستوں نے لاتعداد مسلمان عورتوں اور لڑکیوں کی عصمت دری کی۔ آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کی پانچ عالی شان مسجدیں شہید کر دیں۔۔۔۔آپ کے ہندو دوستوں نے مسلمانوں کے قرآن مجید پھاڑ پھاڑ کر ایسے پرزے اڑائے کہ مسلمانوں کے پاس پڑھنے کے لیے قرآن کا ایک نسخہ بھی نہ رہا۔" (تاج الدین احمد تاج، منشی: ہندوؤں سے ترک موالات، ص ۶)

کبھی اس مقصد کے لیے فریب کا سہارا لیا اور زید و عمر کے نام سے علماء کے پاس استفتاء بھیجے کہ گائے کی قربانی اسلام میں واجب نہیں ہے، البتہ اس سے فتنہ وفساد کا خطرہ ہوتا ہے۔ اگر مسلمان گائے کی قربانی نہ کریں، تو اس میں کیا حرج ہے؟ بعض جید علماء کی اس طرف توجہ نہ ہو سکی، انہوں نے فتویٰ دے دیا کہ کوئی حرج نہیں ہے۔

۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء میں اسی قسم کا ایک استفتاء امام احمد رضا بریلوی کی خدمت میں پیش ہوا۔ آپ نے پہلی نظر میں ہی سوال کا چھپا ہوا مقصد معلوم کر لیا اور جواباً تحریر فرمایا کہ شریعت مبارکہ میں بعض چیزیں نفس ذات کے لحاظ سے واجب یا حرام ہوتی ہیں اور بعض اشیاء امورِ خارجہ اور عوارض کی بناء پر واجب یا حرام ہوتی ہیں۔ گائے کی قربانی اپنی ذات کے اعتبار سے واجب نہیں ہے، لیکن اگر اسے جبراً بند کرنے کی کوشش کی جا رہی ہو تو اس کا جاری رکھنا واجب ہے۔

"ہم ہر مذہب وملت کے عقلاء سے دریافت کرتے ہیں کہ اگر کسی شہر میں بزورِ مخالفین گاؤ کشی قطعاً بند کر دی جائے اور بلحاظ ناراضی ہنود اس فعل کو ہماری شرع مطہر ہرگز اس سے باز رہنے کا حکم نہیں دیتی، یک قلم موقوف کیا جائے، تو کیا اس میں ذلتِ اسلام متصور نہ ہو گی؟

۔۔۔۔۔۔کیا اس میں خواریٔ ومغلوبیٔ مسلمین نہ سمجھی جائے گی؟

۔۔۔۔۔۔کیا اس وجہ سے ہنود کو ہم پر گردنیں دراز کرنے اور اپنی چیرہ دستی پر اعلیٰ درجہ کی خوشی ظاہر کر کے ہمارے مذہب اور اہل مذہب کے ساتھ شماتت کا موقع ہاتھ نہ آئے گا؟

۔۔۔۔۔۔کیا بلاوجہ وجیہ اپنے لیے دناءت وذلت اختیار کرنا اور دوسروں کو دین کی مغلوبی سے اپنے اوپر ہنسوانا ہماری شرح مطہر جائز فرماتی ہے؟ ۔۔۔۔۔۔۔حاشا وکلا ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔۔۔۔۔۔۔ہماری شرح مطہر ہرگز ہماری ذلت نہیں چاہتی، نہ یہ متوقع کہ حکام وقت صرف ایک جانب کی پاسداری کریں اور دوسری طرف کی توہین وتذلیل روا رکھیں۔"

(احمد رضا بریلوی، امام: رسائلِ رضویہ (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ج ۲ ص ۲۱۸)

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کو مسلم لیگ ضلع بریلی کے جائنٹ سیکرٹری سید عبدالودود نے ایک استفتاء پیش کیا کہ آج کل ہندو، گائے کی قربانی موقوف کرانے کے لیے زبردست کوشش کررہے ہیں۔ انھوں نے حکومت کو پیش کرنے کے لیے ایک درخواست تیار کی ہے، جس پر کروڑوں افراد کے دستخط ہیں، ایسے میں شرع شریف کا کیا حکم ہے؟ امام احمد رضا بریلوی نے اس کا جواب تحریر فرمایا:

فی الواقع گاؤ کشی ہم مسلمانوں کا مذہبی کام ہے جس کا حکم ہماری پاک مبارک کتاب کلام مجید رب الارباب میں متعدد جگہ موجود ہے اس میں ہندوؤں کی امداد اور اپنی مذہبی مضرت میں کوشش اور قانونی آزادی کی بندش نہ کرے گا مگر وہ جو مسلمانوں کا بدخواہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر احمد رضا قادری غفرلہ

(احمد رضا بریلوی، امام: رسائل رضویہ ج ۲ ص ۲۳۳)

امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت کے فتاویٰ کا یہ اثر ہے کہ بحمدہ تعالیٰ آج بھی ہندوستان کے بھی مسلمان تمام تر دہشت گردی کو برداشت کر کے گائے کی قربانی ایسے شعائرِ اسلام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اگر علماء اسلام بروقت اس سازش کا سدِ باب نہ کرتے، تو آج ہندوستان میں اس شعارِ اسلام کا نام ونشان تک مٹ چکا ہوتا۔

اسلامیہ کالج لاہور

ہندوستان میں مسلمان اقلیت میں تھے اور تعلیمی لحاظ سے پسماندہ، اسی لیے وہ ملازمتوں اور عہدوں میں بھی ہندوؤں سے خطرناک حد تک پیچھے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اپنی مشہور کتاب ''النور'' میں اعداد وشمار کی روشنی میں مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس وقت ہندوستان میں مجموعی تعداد کالجوں کی ایک سو پچیس ہے۔ تین مسلمانوں کے (علی گڈھ، لاہور اور پشاور) اور ایک سو بائیس ہندوؤں کے۔۔۔۔۔۔ سارے کالجوں میں مجموعی تعداد ہندوستانی طلبہ کی چھیالیس ہزار چار سو سینتیس (۴۶۴۳۷) ہے، جن میں سے مسلمان چار ہزار آٹھ سو پچھتر (۴۸۷۵) ہیں، ہندو طلبہ کی تعداد اکتالیس ہزار پانچ سو باسٹھ (۴۱۵۶۲) ہے۔

جس قوم کی تعلیمی حالت یہ ہو کہ سات کروڑ میں سے صرف چار ہزار مشغول تعلیم ہوں، اس قوم کا یہ ادعاء اور ہنگامہ کہ اب ہمیں تعلیم کی حاجت نہیں، اگر خبط وسودا نہیں تو اور کیا ہے؟''

(محمد صدیق، پروفیسر: پروفیسر مولوی حاکم علی (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۱۱۳)

تحریکِ ترکِ موالات کے لیڈر ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی وغیرہ گاندھی کے ایماء پر علی گڑھ کالج کو تباہی سے ہمکنار کر کے لاہور پہنچے اور ۱۹/اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ایک جلسہ میں مطالبہ کیا گیا کہ اسلامیہ کالج، لاہور کو یونیورسٹی سے الحاق ختم کر دینا چاہیے اور حکومت کی طرف سے بصورتِ گرانٹ ملنے والی رقم تیس ہزار روپے سالانہ سے دستبردار ہونا چاہیے۔

(محمد صدیق، پروفیسر: پروفیسر مولوی حاکم علی (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۹۹)

مسٹر گاندھی جو بنارس یونیورسٹی کے ہندو طلبہ کو اس انداز میں تلقین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

’’میں پنڈت مالوی کا ہم خیال ہوں کہ طالب علموں کو اپنے ضمیر کے مطابق کاروائی کرنی چاہیے، میں آپ لوگوں سے بڑے زور کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر آپ میری دلیلوں سے قائل نہ ہوں، تو ہرگز ہرگز قطع تعلق کی پالیسی اختیار نہ کریں۔‘‘

(تاج الدین احمد تاج، منشی: ہندوؤں سے ترکِ موالات، ص۴۰)

وہی گاندھی جب مسلمان طلبہ سے خطاب کرتے ہیں، تو انداز قطعاً مختلف ہے، ابوالکلام آزاد کے کندھے پر بندوق رکھ کر مسلمان طلبہ کو نشانہ کی زد پر لیتے ہوئے کہتے ہیں:

’’آپ میں سے بہت سے آدمی ہوں گے، جن کے کالجوں اور مدرسوں میں لڑکے پڑھتے ہیں، مولانا (آزاد) نے کہا ہے کہ ان کی تعلیم حرام ہے۔ اگر آپ چاہیں تو صبح ہی سے لڑکوں کو مدرسوں میں نہ بھیجو۔‘‘ (محمد صدیق، پروفیسر: پروفیسر حاکم علی، ۹۸، (بحوالہ روزنامہ زمیندار، لاہور)

علامہ اقبال، انجمن حمایت اسلام لاہور کے جنرل سیکرٹری تھے جس کے ماتحت اسلامیہ کالج چل رہا تھا اور مولانا حاکم علی وائس پرنسپل، کالج ہنگامے کی نذر ہوا، تو مولانا حاکم علی نے ایک استفتاء امام احمد رضا خاں بریلوی کے پاس بھیجا اور دریافت کیا کہ یونیورسٹی کے ساتھ کالج کے الحاق کے برقرار رکھنے اور حکومت سے امداد لینے کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

امام احمد رضا بریلوی نے تحریر فرمایا:

’’وہ الحاق واخذِ امداد اگر نہ کسی امر خلاف اسلام ومخالف شریعت سے مشروط، نہ اس کی طرف منجر، تو اس کے جواز میں کلام نہیں، ورنہ ضرور ناجائز اور حرام ہوگا۔‘‘

(احمد رضا بریلوی، امام: رسائل رضویہ (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ج۲، ص۸۵)

پھر مخالفین کے غلط رویے کی نشان دہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’خود مانعین کا طرزِ عمل ان کے کذبِ دعویٰ پر شاہد، ریل، ڈاک، تار سے تمتع کیا معاملت نہیں؟ فرق یہ ہے کہ اخذِ امداد میں مال لینا ہے اور ان کے استعمال میں دینا، عجب کہ مقاطعت میں مال دینا حلال ہو اور لینا حرام، اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ریل، تار، ڈاک ہمارے ہی مِلک ہیں، ہمارے ہی روپے سے بنے ہیں۔ سبحان اللہ! تعلیم کا روپیہ کیا انگلستان سے آتا ہے؟ وہ بھی یہیں کا ہے، تو حاصل وہی ٹھہرا کہ مقاطعت میں اپنے مال سے نفع پہنچانا مشروع اور خود نفع لینا ممنوع، اس الٹی عقل کا کیا علاج؟‘‘ (احمد رضا بریلوی، امام: رسائل رضویہ (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ج۲، ص۶-۸۵)۔

۱۲ ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء کو چودھری عزیز الرحمٰن نے لاہور سے ایک استفتاء ارسال کیا، جس کے لہجے میں تلخی تھی، انہوں نے لکھا:

’’کیا ایسے وقت میں اسلامی حمیت وغیرت یہ چاہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آئے جس سے انگریز افسر خوش ہو جائیں اور مسلمان تباہ ہو جائیں۔‘‘ (احمد رضا بریلوی، امام: رسائل ج۱۶، ص۸۸)

امام احمد رضا بریلوی نے بستر مرگ سے ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلا ہوا تفصیلی جواب دیا جس کی ایک ایک سطر سے ملتِ اسلامیہ کا درد پھوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ یہ جواب المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ کے نام سے پہلے بریلی اور پھر لاہور سے چھپ چکا ہے۔ یہ کتاب دو قومی نظریہ کے سمجھنے کے لیے اہم ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ جناب پروفیسر محمد مسعود احمد، پرنسپل گورنمنٹ کالج، ٹھٹھہ، سندھ نے ایک مقالہ فاضلِ بریلوی اور ترکِ موالات میں اس کتاب کا تفصیلی جامع تعارف پیش کیا ہے، جو لائق مطالعہ ہے۔

سرسید کے دور میں جب نہ صرف انگریزی وضع قطع اور تعلیم بلکہ انگریزی فکر کو بھی بہ طور فیشن اپنایا جا رہا تھا۔ امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علماء اہل سنت نے ان پر سخت تنقید کی تھی۔ پھر جب رخ بدلا اور انگریزی کی بجائے ہندو کو اپنا ملجا وماوئی اور امام بنایا جانے لگا، تو علماء اہل سنت نے اس کا بھی سختی سے نوٹس لیا۔ دونوں زمانوں میں ان کا مقصود و مدعا رضائے الٰہی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مسلمان کو خدا لگتی کہنی چاہیے، ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتاوئی اہل سنت نے دیئے کلام الٰہی واحکام الٰہی بیان کیے، تو یہ ان (لیڈروں) کے دھرم میں انگریزوں کو خوش کرنے کو ہوئے وہ جو پیر نیچر کے دور میں نصرانیت کی غلامی اچکی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈروں نے بیٹھے ہیں کیا اس کا ردّ علمائے اہل سنت نے نہ کیا، وہ کس کے خوش کرنے کو تھا؟

(احمد رضا بریلوی، امام: رسائل رضویہ: ج ۲، ص ۴۴)

پھر انگریز نوازی کے الزام کا ازالہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بات یہ ہے کہ ع

المرء یقیس علیٰ نفسہٖ

(آدمی اپنے ہی احوال پر کرتا ہے قیاس)

لیڈروں اور اُن کی پارٹی نے آج تک نصرانیت کی تقلید و غلامی، خوشنودی نصاریٰ کو کی، اب کہ ان سے بگڑی ان سے بدرجہا بڑھ کر خوشنودی ہنود کو ان کی غلامی لی۔ سمجھتے ہیں کہ معاذ اللہ! خادمانِ شرع بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے، حالانکہ اللہ ورسول جانتے ہیں کہ اظہار مسائل سے خادمانِ شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا، صرف اللہ عزوجل کی رضا اور اس کے بندوں کو اس کے احکام پہنچانا، وللہ الحمد!

سنیے! ہم کہیں واحدِ قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں، جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کو تباہی مسلمین کا مسئلہ نکالا ہو، نہیں نہیں، بلکہ اس پر بھی جس نے (کوئی) حق مسئلہ نہ رضائے خدا ورسول، نہ تنبیہ وآگاہی مسلمین کے لیے بتایا، بلکہ اس سے خوشنودی نصاریٰ اس کا مقصود و مدعا ہو، اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ لیجئے کہ اللہ واحد قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور آدمیوں، سب کی ہزار در ہزار لعنتیں ان پر جنھوں نے خوشنودی مشرکین (ہنود) کے لیے تباہی اسلام کے مسائل دل سے نکالے، اللہ عزوجل کے کلام واحکام، تحریف وتغیر سے کایا پلٹ کر ڈالے، شعائرِ اسلام بند کیے، شعائرِ کفر پسند کیے، مشرکوں کو امام وہادی بنایا، ان سے وداد واتحاد منایا اور اس پر سب لیڈر مل کر کہیں آمین۔'' (احمد رضا بریلوی، امام: رسائل رضویہ: ج ۲، ص ۴۲-۴۳)۔ بالآخر ۱۱ر دسمبر ۱۹۲۰ء

کو علامہ اقبال کی ذاتی کوششوں سے اسلامیہ کالج دوبارہ کھل گیا۔ (محمد صدیق، پروفیسر: پروفیسر مولوی حاکم علی ص ۱۱۲)۔ اور اس طرح طلبہ بہت بڑے تعلیمی نقصان سے بچ گئے۔

تحریک ہجرت

تحریک ترکِ موالات کے زمانے میں ایک تحریک یہ بھی اٹھی کہ مسلمانوں کو ہندوستان سے ہجرت کر جانا چاہیے۔ علمائے اہل سنت نے اس کی سختی سے مخالفت کی، جو لوگ ہندوؤں کی چال کو نہ سمجھ سکے، ان پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔

امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا:

”رہا دارالاسلام، اس سے ہجرتِ عامہ حرام ہے کہ اس میں مساجد کی ویرانی، و بے حرمتی، قبور مسلمین کی بربادی، عورتوں، بچوں اور ضعیفوں کی تباہی ہوگی۔“ (احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ (مطبوعہ مبارک پور، انڈیا) ج ۶، ص ۲)

ہندوؤں کی مہلک سازشوں کا تجزیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”دشمن اپنے دشمن کے لیے تین باتیں چاہتا ہے:

اول معاذ اللہ اس کی موت کہ جھگڑا ہی ختم ہو۔

دوم: یہ نہ ہو تو اس کی جلاوطنی کہ اپنے پاس نہ رہے۔

سوم: یہ بھی نہ ہو سکے، تو اخیر درجہ اس کی بے پری کہ عاجز بن کر رہے۔

مخالف (ہندو) نے یہ تینوں درجے ان پر طے کر دیئے اور ان کی آنکھیں نہیں کھلتیں، خیر خواہی سمجھے جاتے ہیں۔

اولاً: جہاد کے اشارے ہوئے، اس کا کھلا نتیجہ ہندوستان کے مسلمانوں کا فنا ہونا تھا (کیونکہ ان میں طاقت نہ تھی ۱۲ قادری)۔

ثانیاً: جب یہ نہ بنی ہجرت کا بھرّا (فریب) دیا کہ کسی طرح یہ دفع ہوں، ملک ہماری کبڈیاں کھیلنے کو رہ جائے، یہ اپنی جائدادیں کوڑیوں کے مول بیچیں یا یوں ہی چھوڑ جائیں، بہر حال ہمارے ہاتھ آئیں، ان کی مساجد و مزاراتِ اولیاء ہماری پامالی کو رہ جائیں۔

ثالثاً: جب یہ بھی نہ نبھی، تو ترکِ موالات کا جھوٹا حیلہ کر کے ترکِ معاملت پر ابھارا ہے کہ نوکریاں چھوڑ دو، کسی کونسل کمیٹی میں داخل نہ ہو، مال گزاری، ٹیکس کچھ نہ دو، خطابات واپس کر دو۔ امر اخیر تو صرف اس لیے ہے کہ ظاہری نام کا دنیوی اعزاز بھی کسی مسلمان کے لیے نہ رہے اور پہلے تین اس لیے کہ ہر صیغہ، ہر محکمہ میں صرف ہنود رہ جائیں۔ جہاں ہنود کا غلبہ ہوتا ہے۔ حقوق اسلام پر جو گزرتی ہے ظاہر ہے، جب تنہا وہی رہ جائیں گے، تو اُس وقت کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے۔“ (احمد رضا بریلوی، امام: رسائل رضویہ، ج ۲، ص ۲۰۳)

ہجرت کر کے جانے والوں کو جو حشر ہوا، اس کا ہلکا سا نقشہ رئیس احمد جعفری کی تحریر میں دیکھا جا سکتا ہے:

''پھر ہجرت کی تحریک اٹھی، ۱۸ ہزار مسلمان اپنا گھر بار، جائیداد، اسباب غیر منقولہ اونے پونے بیچ کر۔۔۔۔۔۔ خریدنے والے زیادہ تر ہندو ہی تھے۔ افغانستان ہجرت کر گئے، وہاں جگہ نہ ملی، واپس کئے گئے، کچھ مرکھپ گئے، جو واپس آئے تباہ حال، خستہ، درماندہ، مفلس قلاشی، تہی دست، بے نوا، بے یار و مددگار، اگر اسے ہلاکت نہیں کہتے ہیں، تو کیا کہتے ہیں؟ اور اگر جناح نے اسے ہلاکت خیز کہا تھا، تو کیا غلط کہا تھا؟'' (رئیس احمد جعفری، حیات محمد علی جناح ص ۱۰۸)۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام احمد رضا بریلوی کی دور رس نگاہوں نے جو کچھ محسوس کیا تھا، وہ کس قدر صحیح اور بروقت تھا۔

جہاد

اسلامی فرائض میں جہاد اہم ترین فریضہ ہے، لیکن یہ اسی وقت فرض ہوگا، جب اس کی شرائط پائی جائیں، اس کی اہم شرائط میں سے سلطانِ اسلام اور قوت کا موجود ہونا ہے، اسی لیے امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا تھا:

''مفلس پر اعانت مال نہیں، بے دست و پا پر اعانتِ اعمال نہیں، ولہٰذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد و قتال نہیں۔'' (احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۱۰۸)۔

ایک دوسری جگہ قوت و طاقت کے شرط ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سلطان اسلام جس پر اقامتِ جہاد فرض ہے، اسے بھی کافروں سے پہل حرام ہے جبکہ ان کے مقابلہ کے قابل نہ ہو، مجتبیٰ و شرح نقایہ در دالمختار کی عبارت گزشتہ:

هٰذا اذا غلب علیٰ ظنه انه یکا فئهم والا فلا یباح قتالهم

(یہ اس وقت ہے جب گمان غالب ہو کہ ان کے مقابلہ کے قابل ہے، ورنہ ان سے لڑنا حلال نہیں)'' (احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ج ۲، ص ۲۱۰)

ظاہر ہے کہ اس وقت ہندوستان میں نہ تو سلطان اسلام موجود تھا اور نہ ہی طاقت، پھر صاد کس برتے پر کیا جاتا تھا؟

امام احمد رضا بریلوی کے ان فتاویٰ کی بناء پر کہا جاتا ہے:

''اسی لیے مسلمانوں میں مشہور ہو گیا کہ وہ انگریز کے ایجنٹ ہیں اور ان کے لیے کام کر رہے ہیں۔'' (ترجمہ) (ظہیر: البریلویہ ص ۳۳)

امام احمد رضا بریلوی نے ایک حکم شرعی بیان کیا تھا، جس میں نہ تو انگریز کی طرفداری مقصود تھی اور نہ ہی چاپلوسی اور خوشامد، جبکہ علماء اہل حدیث نے نہ صرف حرمتِ جہاد کا فتویٰ دیا، بلکہ خوشامد اور تملق کے تمام درجے طے کر گئے، تفصیل کے لیے اسی کتاب کا دوسرا باب ملاحظہ کیا جائے، سرِ دست صرف ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی، اہل حدیث کے وکیل اور صفِ اول کے راہنما تھے۔ انہوں نے ۱۸۷۲ء میں ایک رسالہ ''الاقتصاد فی مسائل الجہاد'' لکھا، جس کا مقصد ایک طرف تو مسلمانوں سے جہاد کے جذبے کو ختم کرنا تھا اور دوسری طرف برٹش گورنمنٹ کو

اپنی وفاداری کا یقین دلانا تھا، یہ ان کی انفرادی رائے نہ تھی، بلکہ لاہور سے عظیم آباد، پٹنہ تک سفر کر کے بڑے بڑے علماء کو یہ رسالہ حرف بحرف سنایا اور ان کی تائید حاصل کی۔ ہندوستان اور پنجاب کے جن شہروں تک وہ نہ پہنچ سکے، وہاں اس رسالہ کی کاپیاں بھجوا کر علماء کی تصدیق حاصل کی۔ پھر ۱۸۷۹ء میں اس رسالہ کے اصل اصول مسائل کو اپنے رسالہ اشاعۃ السنۃ کی جلد ۲، نمبر ۱۱ کے ضمیمہ میں شائع کیا، جس پر صدہا عوام وخواص (اہل حدیث) نے ان مسائل پر اتفاق کا اظہار کیا۔

(محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد فی مسائل الجہاد (وکٹوریہ پریس، لاہور) ۳-۴)

اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ رسالہ علماء اہل حدیث کا متفقہ فیصلہ تھا۔

اس رسالہ میں بٹالوی صاحب نے تصریح کردی ہے کہ اس وقت دنیا بھر میں شرعی جہاد کی کوئی صورت ہی نہیں ہے، وہ کہتے ہیں:

''ان دونتیجوں سے ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہیں ہے۔۔۔۔ ہم جب کبھی بعض اخبارات میں یہ خبر دیکھتے ہیں کہ سلطنتِ روم یا ریاستِ افغانستان وغیرہ بلادِ اسلام سے جہاد کا اشتہار دیا گیا ہے، تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس خبر کا یقین نہیں آتا کہ اس وقت روئے زمین پر امام کہاں ہیں، جس کی پناہ میں اور اس کے امر واجازت سے مسلمان جہاد کرسکیں۔۔۔۔ یہ خوف فریقین کا اس وقت بجا تھا، جبکہ جہاد اسلام کا اصلی فرض ہوتا اور تقرر امام کے سوا مسلمانوں کا اسلام صحیح یا کامل نہ ہوتا۔'' (محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد فی مسائل الجہاد (وکٹوریہ پریس، لاہور) ص۳-۴-۷)

اس عبارت سے صراحۃً چند امور سامنے آتے ہیں:

۱۔ امام کا تقرر ضروری نہیں، اس کے بغیر کمالِ ایمان میں بھی فرق نہیں آتا۔

۲۔ چونکہ امام کے بغیر جہاد نہیں ہوسکتا، اس لیے ہندوستان میں نہ تو جہاد شرعی ضروری ہے اور نہ ہی اس کا جواز ہے۔

۳۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے کسی خطے پر بھی جہاد نہیں ہوسکتا۔

۴۔ جہاد اسلام کا فرض اصلی نہیں ہے۔

اب اگر کوئی شخص مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے ہمنوا علماء اہل حدیث کو انگریز کے ساختہ پرداختہ قرار دے، تو اسے قوی دلائل میسر آجائیں گے۔ امام احمد رضا بریلوی کا موقف یہ تھا کہ مسلمانانِ ہند کے پاس قوتِ جہاد نہیں ہے، اس لیے ان پر جہاد واجب نہیں ہے۔ یہ موقف ہرگز نہیں تھا کہ طاقت ہوتے ہوئے بھی جہاد فرض نہیں ہے اور نہ ہی ان کا یہ موقف تھا کہ جہاد فرض اصلی نہیں ہے۔

تحریک خلافت وترکِ موالات

''امام احمد رضا پر الزام لگایا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک کافر اور غاصب انگریزی استعمار سے ترکِ موالات حرام ہے۔'' (ظہیر: البریلویہ ص۴۴)۔

اس بے بنیاد الزام کا حقیقت سے دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ موالات ہر کافر سے حرام ہے، خواہ وہ انگریز

ہو یا ہندو، انہیں لیڈروں کے اس رویے سے اختلاف تھا کہ وہ انگریزوں سے نہ صرف موالات بھی حرام قرار دیتے تھے اور ہندوؤں سے موالات چھوڑ اتحاد تک جائز قرار دیتے تھے۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

''موالات ہر کافر سے حرام ہے، اوپر واضح ہو چکا ہے کہ رب عزوجل نے عام کفار کے نسبت یہ احکام فرمائے، تو بزورِ زبان ان میں سے کسی کافر کا استثناء ماننا اللہ عزوجل پر افترائے بعید اور قرآن کریم کی تحریف شدید ہے۔'' (احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ (مبارک پور) ج ۶، ص ۱۲)

اس سے زیادہ صراحت سے فرماتے ہیں:

''قرآن عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائی، مجوسی ہوں، خواہ یہود و نصاریٰ ہوں، خواہ ہنود اور سب سے بدتر مرتدان عنود، اور یہ مدعیانِ ترکِ موالات، مشرکین مرتدین سے یہ کچھ موالات برت رہے ہیں۔ پھر ترکِ موالات کا دعویٰ۔'' (احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ (مبارک پور) ج ۶، ص ۱۹۲)

مشہور ماہر تعلیم اور بین الاقوامی سکالر ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

''انہوں نے اپنے پیروکاروں پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ برصغیر کا ان کا کوئی ہم عصر ماہر الٰہیات اپنے پیروکاروں پر مرتب نہ کر سکا۔ تحریکِ خلافت کے آغاز میں عدم تعاون کے فتوے پر دستخط لینے کے لیے علی برادران ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہوں نے جواب دیا:

مولانا! آپ کی اور میری سیاست میں فرق ہے، آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف۔

جب مولانا نے دیکھا کہ علی برادران رنجیدہ ہو گئے ہیں، تو انہوں نے کہا:

مولانا! میں (مسلمانوں کی) سیاسی آزادی کا مخالف نہیں، میں تو ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں۔'' (سید محمد ریاست علی قادری: معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۷)

محمد جعفر شاہ پھلواری ترکِ موالات کے زبردست حامی تھے، اسی حمایت کے سبب انگریزی تعلیم چھوڑ کر عربی شروع کر دی تھی۔ وہ لکھتے ہیں:

''ترکِ موالات کی تحریک جب تک زوروں پر رہی، مجھے فاضل بریلوی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ ترکِ موالاتیوں نے ان کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ! وہ سرکارِ برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترک موالات کی مخالفت پر مامور ہیں۔۔۔ تحریک ترک موالات کے جوش میں تحقیق کا ہوش نہ تھا، اس لیے ایسی افواہوں کو غلط سمجھنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی، لیکن جیسے جیسے شعور آتا گیا، مذہبی تعصب اور تنگ دلی کا رنگ ہلکے سے ہلکا ہوتا چلا گیا۔ (محمد مرید احمد چشتی: جہانِ رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۱۲۵)

؏ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خاں کو اگرچہ انگریزوں سے شدید نفرت تھی، لیکن ان کی دُور رس نگاہیں مستقبل میں اس تحریک کے انجام کو دیکھ رہی تھیں، وہ جانتے تھے کہ اس برصغیر میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وقتی طور پر یہ ایک فریب ہے، جو اکثریت اقلیت کو دے رہی ہے۔ نتیجۂ اگر یہ تحریک کامیاب بھی ہو جائے تو ہندوؤں کی اکثریت ہر شعبۂ زندگی میں اقلیت پر اثر انداز ہوگی اور عجب نہیں کہ یہ تحریک اکثریت میں ادغام کی صورت اختیار کر لے۔'' (اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علمائے پاک و ہند (اقبال اکادمی، لاہور) ص ۲۰۸)

دارالاسلام

ہندوستان پر سات سو سال تک مسلمانوں کا اقتدار رہا۔ انگریز تاجر بن کر آئے اور اپنی فطری عیاری سے حکمران بن بیٹھے۔ اٹھارھویں صدی عیسوی کے آخر میں پنجاب، کشمیر، سرحد اور ملتان کے علاوہ تمام ہندوستان پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہوگئی۔

(اعجاز الحق قدوسی: اقبال اور علمائے پاک و ہند (اقبال اکادمی، لاہور) ص ۱۵۲)

اب علماء میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب؟ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی فقہائے احناف کے تین اقوال بیان فرماتے ہیں کہ دارالاسلام دارالحرب کب ہوتا ہے؟ پھر تیسرے قول کو ترجیح دیتے ہوئے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا۔ فرماتے ہیں:

''وھمیں قول ثالث رامحققین ترجیح دادہ اندوبریں تقدیر معمولہ انگریزاں واشباہ ایشاں لاشبہ دارالحرب است۔'' (عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاویٰ عزیزی (مطبع مجتبائی) ج ا ص ۱۱۰)

اور جب ہندوستان دارالحرب قرار پایا تو ان سے سود لینا بھی جائز ٹھہرا، البتہ جبراً مال نہیں چھین سکتا۔

وانما حرم تعرضہ لاموالھم لما فیہ من نقض العھد واذا بذلوھا بالرضا فلاوجہ للحرمۃ (عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ: فتاویٰ عزیزی (مطبع مجتبائی) ج ا ص ۱۰۹)

مسلمان کے لیے حربیوں کے مال سے تعرض کرنا حرام ہے کہ اس میں عہد کی خلاف ورزی ہے اور اگر بخوشی دیں، تو اس میں حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔''

بعد کے علماء میں یہ مسئلہ شدید اضطراب کا باعث بنا رہا۔ دیوبندی مکتب فکر کے مولانا رشید احمد گنگوہی کے اس موضوع پر مختلف فتاویٰ موجود ہیں۔ سعید احمد اکبر آبادی لکھتے ہیں:

''ان تینوں تحریروں کو سامنے رکھا جائے، تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مولانا گنگوہی نے ہندوستان کی نسبت فرمایا:

(الف) ہندو دارالحرب ہے۔

(ب) ہند کے متعلق بندہ کو خوب تحقیق نہیں۔

(ج) ہند دارالامان ہے۔

اب کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟ (سعید احمد اکبر آبادی: ہندوستان کی شرعی حیثیت (علی گڑھ) ص ۳۵-۶)

مولوی محمد قاسم نانوتوی کا فتویٰ گومگو کی کیفیت پیش کرتا ہے، کہیں وہ کہتے ہیں کہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں شبہ ہے اور میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ دارالحرب ہے۔ (محمد قاسم نانوتوی: قاسم العلوم، مکتوبات (ناشران قرآن، لاہور) ص ۳۷۱)

کہیں کہتے ہیں کہ ہجرت کے معاملے میں دارالحرب اور سود کے معاملے میں داراسلام قرار دینا چاہیے۔

(محمد قاسم نانوتوی: قاسم العلوم، مکتوبات (ناشران قرآن، لاہور) ص ۳۶۲)

مولوی محمود حسن کہتے ہیں کہ دونوں فریق صحیح کہتے ہیں: (حسین احمد مدنی: سفرنامۂ شیخ الہند (مکتبہ محمودیہ، لاہور) ص ۱۶۶)

علامہ انور شاہ کشمیری، ہندوستان کو دارالامان قرار دیتے ہیں۔ (سعید احمد اکبر آبادی: ہندوستان کی شرعی حیثیت ص ۳۴)

دارالعلوم دیوبند کے ٹرسٹی سعید احمد اکبر آبادی دار کی چار قسمیں بیان کرتے ہیں: دارالاسلام، دارالحرب، دارالعہد اور دارالامان اور آخر میں کہتے ہیں:

"یہ ملک (ہندوستان) دار کی چار قسموں میں سے کوئی قسم نہیں ہے۔" (سعید احمد اکبر آبادی: ہندوستان کی شرعی حیثیت ص ۹۶)

امام احمد رضا بریلوی کا فتویٰ یہ ہے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ اعلام الاعلام بان ہندوستان داراسلام میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں:

"دارالاسلام کے دارالحرب ہو جانے میں جو تین باتیں ہمارے امام اعظم امام الائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک درکار ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ وہاں احکام شرک علانیہ جاری ہوں اور شریعتِ اسلامیہ کے احکام وشعائر مطلقاً جاری نہ ہونے پائیں اور صاحبین کے نزدیک اسی قدر کافی ہے، مگر یہ بات بحمد اللہ یہاں قطعاً موجود نہیں۔"

(احمد رضا بریلوی، امام: اعلام الاعلام (حسنی پریس، بریلی) ص ۲)

دارالحرب قرار دینے والوں پر لطیف طنز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"عجب ان سے جو تحلیل ربا (سود) کے لیے جس کی حرمت نصوصِ قاطعۂ قرآنیہ سے ثابت اور کیسی کیسی سخت وعیدیں اس پر وارد اس ملک کو دارالحرب ٹھہرائیں اور باوجود قدرت واستطاعت ہجرت کا خیال بھی دل میں نہ لائیں، گویا یہ بلا داسی دن کے لیے دارالحرب ہوئے تھے کہ مزے سے سود کے لطف اڑائیے اور بآرام تمام وطن مالوف میں بسر فرمائیے۔

(احمد رضا بریلوی، امام: اعلام الاعلام (حسنی پریس، بریلی) ص ۷)

اب دیکھنا یہ ہے کہ امام احمد رضا اس فتوے میں منفرد ہیں؟ تحقیق کی جائے تو بہت سے علماء کے نام گنوائے جا سکتے ہیں، سر دست چند فتوے ملاحظہ ہوں:

مولانا کرامت علی جونپوری، خلیفہ سید احمد بریلوی نے ۲۳ نومبر ۱۸۷۰ء کو کلکتہ کے ایک مذاکرۂ علمیہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

"مملکتِ ہندوستان جو بالفعل پادشاہ عیسائی مذہب کے قبضۂ اقتدار میں ہے، مطابق فقہ مذہب حنفی کے دارالاسلام ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔" (کرامت علی جونپوری، مولانا: اسلامی مجلس مذاکرۂ علمیہ کلکتہ (نول کشور، لکھنؤ) ص ۳)

ان کی تقریر کے بعد مولوی فضل علی، مولوی ابو القاسم عبد الحکیم، مولوی عبد اللطیف سیکرٹری مجلس، شیخ احمد آفندی انصاری مدنی،

سید ابراہیم بغدادی نے اپنی تقاریر میں مولانا کرامت علی جونپوری کی تائید کی۔

اس کے علاوہ اس رسالہ میں حضرت شیخ جمال بن عبداللہ حنفی، مفتی مکہ معظمہ، علامہ سید احمد دحلان مفتی شافعیہ، مکرمہ مکرمہ، شیخ حسین بن ابراہیم، مفتی مالکیہ مکہ معظمہ، علامہ عبدالحق خیرآبادی اور مفتی سعداللہ کے فتاوی موجود ہیں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے۔

(کرامت علی جونپوری، مولانا: اسلامی مجلس مذاکرۂ علمیہ کلکتہ (ونوں کشور، لکھنؤ) ص ۲-۲۹)

مولانا عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

"بلادِ ہند جو قبضہ نصاریٰ میں ہیں، دارالحرب نہیں ہیں۔" (عبدالحی لکھنوی، مولانا: مجموعہ فتاوی (مطبع یوسفی لکھنؤ) ج ۱، ص ۲-۳)

مولوی اشرف علی تھانوی بھی دارالاسلام ہونے کو ترجیح دیتے ہیں۔

(اشرف علی تھانوی: تحذیر الاخوان (تھانہ بھون) ص ۹)

رسالہ اعلام الاعلام اور تھانوی صاحب کا یہ رسالہ دو اہم فتوے کے نام سے مکتبہ قادریہ، لاہور سے چھپ چکا ہے۔

اہل حدیث کے پیشوا نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

"علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملک ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرماں روا ہیں، اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے یا دارالاسلام؟ حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا پڑا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ یہ دارالاسلام ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنیٰ؟ بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔"

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمان وہابیہ (مطبع محمدی، لاہور) ص ۱۵)

نواب صاحب کا رجحان طبع بھی دارالاسلام کی طرف ہے، وہ لکھتے ہیں:

"اس مقام میں ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اگر ہندوستان دارالحرب ہی ہو (یعنی ہے تو دارالاسلام ۱۲ قادری) تو بھی حکام انگلشیہ کے ساتھ جو یہاں کے رئیسوں کا عہد اور صلح ہے اس کا توڑنا بڑا گناہ ہے۔" (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمان وہابیہ (مطبع محمدی، لاہور) ص ۲۶)

اہل حدیث کے وکیل محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی ہو، وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا۔ پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو اقوام غیر نے اس پر تغلب سے تسلط پالیا ہو (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے)۔ تو جب تک اس میں ادائے شعائر اسلام کی آزادی ہے، وہ بحکم حالت قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے۔" (محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد ص ۱۹)

میاں نذیر حسین دہلوی کے سوانح نگار لکھتے ہیں:

"ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب کبھی نہ کہا۔" (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب، کراچی) ص ۱۳۴)

ڈپٹی نذیر احمد اہل حدیث لکھتے ہیں:

’’خدا کا شکر ہے کہ ہمارا ہندوستان باوجود یہ کہ نصاریٰ کی عملداری ہے، دار الحرب نہیں ہے‘‘ (حاشیہ سورۂ نساء رکوع ۱۴)
(سعید احمد اکبر آبادی: ہندوستان کی شرعی حیثیت، ص ۵۳)

امام احمد رضا پر بے اصل الزام لگایا جاتا ہے:

’’وہ ہر تحریک آزادی کے مخالف تھے، انہوں نے حرمتِ جہاد کا فتویٰ دیا۔ دلیل یہ دی کہ ہند دار الحرب نہیں ہے اور اعلانِ جہاد دار الحرب ہی میں ہوتا ہے، صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ دوسروں کو راضی کرنے کے لیے کہا کہ ہند دار الاسلام ہے اور اس موضوع پر مستقل رسالہ لکھا۔‘‘ (ترجمہ ملخصا) (ظہیر: البریلویہ ص ۴۰)

مخالفت کا یہ انداز اور اتہام پردازی کا یہ اسلوب قطعاً محمود نہیں ہے۔ مولانا کرامت علی جونپوری خلیفہ سید صاحب، نواب بھوپالی، بٹالوی صاحب، میاں نذیر حسین صاحب، ڈپٹی نذیر احمد، تھانوی صاحب اور مولانا عبد الحی لکھنوی سب ہی تو دار الحرب کی نفی کر رہے ہیں۔ کیا ان سب ہی کو دشمنِ آزادی قرار دیا جائے گا؟ نواب صاحب، بٹالوی صاحب اور مولانا جونپوری تو دار الاسلام قرار دے رہے ہیں، کیا ان پر بھی انگریز کو خوش کرنے کا الزام لگایا جائے گا؟ اور اگر نہیں تو ترجمانِ وہابیہ اور اشاعۃ السنۃ کی فائلوں کو دیکھ لیجئے، انگریزوں کو راضی کرنے کے ایسے ایسے منظر سامنے آئیں گے کہ چودہ طبق روشن ہو جائیں گے۔ پیشِ نظر کتاب کے دوسرے باب کا مطالعہ بھی سود مند رہے گا۔

ہندوؤں کا تعصب

ہندوؤں کی تنگ نظری کا عالم آشکار ہے، مسلمانوں کی دشمنی تو ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی:

’’ہندوؤں کے باورچی خانہ میں اگر کتا چلا جائے تو باورچی خانہ ناپاک نہیں ہوتا، لیکن اگر مسلمان کا سایہ بھی پڑ جائے تو باورچی خانہ ناپاک ہو جاتا ہے، کیونکہ مسلمان ملیچھ جو ٹھہرے۔ ایک ہندو حلوائی کی دکان پر جا کر مسلمان ایک ذلیل بھنگی کی طرح سودا خریدتا ہے اور کسی مسلمان کی مجال نہیں کہ ہندو کی کسی چیز کو ہاتھ لگا سکے۔‘‘ (تاج الدین احمد تاج، منشی: ہندوؤں سے ترکِ موالات ص ۱۸)

امام احمد رضا بریلوی، تحریک ترکِ موالات کے لیڈروں کی ہندو دوستی (موالات) پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’جب ہندوؤں کی غلامی ٹھہری، پھر کہاں کی غیرت اور کہاں کی خوداری؟ وہ تمھیں ملیچھ جانیں، بھنگی مانیں۔۔۔۔۔۔تمہارا پاک ہاتھ جس چیز کو لگ جائے گندی ہو جائے۔۔۔۔۔۔سودا بیچیں تو دور سے ہاتھ میں ڈال دیں۔۔۔۔۔۔پیسے لیں، تو دور سے یا پنکھا وغیرہ پیش کر کے اس پر رکھوالیں۔۔۔۔۔۔حالانکہ بحکم قرآنی خود وہی نجس ہیں اور تم ان نجسوں کو مقدس مطہر بیت اللہ (مسجد) میں لے جاؤ جو تمہارے ماتھا رکھنے کی جگہ ہے۔۔۔۔۔۔وہاں ان کے گندے پاؤں رکھواؤ۔۔۔۔۔۔مگر تم کو اسلامی حس ہی نہ رہا، محبت مشرکین نے اندھا کر دیا۔‘‘ (احمد رضا بریلوی، امام: رسائلِ رضویہ، ج ۲، ص ۱۹۳)

گاندھی کی ملاقات سے انکار

تحریک کا وہ دور، طوفان بلا خیز تھا، ہند کے سامری، گاندھی نے ایسا جادو پھونکا کہ بڑے بڑے لیڈر، دست بستہ اس کے

پیچھے چلتے تھے اوراس کی ملاقات کو وجہِ سعادت جانتے تھے۔ امام احمد رضا غیرتِ اسلامی کا وہ پیکر مجسم تھے کہ کسی بھی کافر کو خاطر نہ لاتے تھے۔ تحریکِ خلافت کے دور میں انہیں اپنا ہم خیال بنانے کے لیے گاندھی نے ملاقات کا پروگرام بنایا، لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا۔

ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ لکھتے ہیں:

''ایک صاحب ایک دن بہت خوش خوش آئے اور گاندھی جی کا پیغام حضرت کے پاس لائے کہ وہ بریلی آ کر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ حضرت نے بہت مختصر جواب دیا، فرمایا:

گاندھی جی کسی دینی مسئلے کے متعلق مجھ سے باتیں کریں گے یا دنیوی معاملات پر گفتگو کریں گے؟ اور دنیاوی معاملہ میں، مَیں کیا حصہ لوں گا، جبکہ میں نے اپنی دنیا چھوڑ رکھی ہے اور دنیوی معاملات سے کبھی غرض نہیں رکھی۔'' (مختار الدین آرزو، ڈاکٹر، انوار رضا (شرکتِ حنفیہ، لاہور) ص ۳۶۱)

یاد رہے کہ امام احمد رضا، بریلی کے جس محلے میں رہتے تھے، وہاں سب ہندو رہتے تھے، مسلمانوں میں سے آپ کا خاندان رہتا تھا۔ اس کے باوجود آپ کے جذبۂ ایمانی کا یہ عالم تھا کہ بے خوف وخطر اسلامی تعلیمات کا پرچار کرتے تھے اور ان کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتے تھے۔

تحریکِ خلافت

اس سے پہلے اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ترکی پر انگریزوں کے مظالم کے خلاف ہندوستان کے مسلمانوں نے غم وغصہ کا اظہار اور احتجاج کرنے کے لیے تحریک چلائی تھی، مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی، مجلسِ خلافت کی روحِ رواں تھے۔ امن اور عدم تشدد کے حامی مسٹر گاندھی نے اس اشتعال سے فائدہ اٹھایا، وہ اپنی فسوں کاری سے اس تحریک کا لیڈر اور امام بن گیا۔ مسلم لیڈروں نے اس کے فریب میں آ کر وہ وہ ناکردنی کام کیئے کہ اسلامی سوچ اور فکر رکھنے والے علماء تڑپ اُٹھے۔ گاندھی جو کٹر ہندو تھا، وہ اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے مسلمانوں کے جذبات سے کھیل رہا تھا، ورنہ اسے مسلمانوں کے مصائب اور مقاصد سے کیا ہمدردی ہو سکتی تھی؟

''وہ جو آج تمام ہندوؤں اور نہ صرف ہندوؤں، تم سب ہندو پرستوں کا امام ظاہر و بادشاہ باطن ہے، یعنی گاندھی صاف نہ کہہ چکا؟ کہ مسلمان اگر قربانی گاؤ نہ چھوڑیں گے، تو ہم تلوار سے چھڑا دیں گے۔'' (احمد رضا بریلوی، امام: المحجۃ المؤتمنہ (مطبع حسنی، بریلی) ص ۲۸)

علماء اہل سنت نے گاندھی کا پیش رو بننے سے انکار کر دیا، اگر چہ وہ خلافت اور اماکن مقدسہ کی حفاظت کا نام ہی کیوں نہ لیتا ہو، وہ کسی صورت میں بھی اسے امام بنانے پر تیار نہ ہوئے۔

ماہِ شوال ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء کو صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے السواد الاعظم، مراد آباد میں ''خلافت کمیٹی کی فتنہ سامانیاں اور علماء اہل سنت کی کارگزاریاں'' کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا جس میں انہوں نے مسلمانوں کی عالمی زبوں حالی، ہندوستانی مسلمانوں کے جوش اور جذبے کو بیان کرتے ہوئے ان مفاسد کی نشان دہی کی ہے جن کا ارتکاب لیڈر کر رہے تھے۔ نیز وہ

طریقے بھی تجویز کیے، جن سے ترک بھائیوں کی امداد کی جاسکتی تھی، نیز وہ فرماتے ہیں:

''قیامت نما نوازل (مصائب) بلادِ اسلامیہ کو تہ وبالا کر ڈالتے ہیں، مقاماتِ مقدسہ کی وہ خاک پاک جو اہل اسلام کی چشم عقیدت کے لیے طوطیا سے بڑھ کر ہے۔ کفار کے قدموں سے روندی جاتی ہے۔ حرمین محترمین اور بلادِ طاہرہ کی حرمت ظاہری طور پر خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ مسلمانوں کے دل کیوں پاش نہ ہو جائیں؟ ان کی آنکھیں کیا وجہ ہے، کہ خون کے دریا نہ بہائیں؟ سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت وحمایت خادم الحرمین کی مدد ونصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔''

(غلام معین الدین نعیمی، سید: حیات صدر الافضل (ادارہ جامعہ نعیمیہ رضویہ، لاہور) ص۹۹)

پھر مسلمانوں کی جدوجہد کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہندوستان میں مسلمان برابر جلسہ کر کے پرزور تقریروں میں جوش کا اظہار کر رہے ہیں۔ سلطنت برطانیہ سے ترکی کی اقتدار کے برقرار رکھنے کی درخواستیں کی جاتی ہیں، ترکی مقبوضات واپس دینے کے مطالبے کیے جاتے ہیں، اسی مقصد کے لیے رزولیشن پاس ہوتے ہیں، وفد بھیجے جاتے ہیں، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ تدبیریں کہاں تک کامیاب ہوسکتی ہیں؟''

(غلام معین الدین نعیمی، سید: حیات صدر الافضل (ادارہ جامعہ نعیمیہ رضویہ، لاہور) ص۱۰۰)

اس تحریک میں ہندوؤں کو ساتھ ملا لیا گیا، علمائے اہل سنت اس تحریک میں شامل نہ ہوئے اور علمائے اہل سنت کے اس تحریک میں شامل نہ ہونے پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اگرچہ یہ مسلمانوں کی شان کے خلاف۔۔

حقا کہ باعقوبتِ دوزخ برابر است
رفتن بپائے مردئ ہم سایہ دربہشت

لیکن مذہب کا فتویٰ اس (ہندوؤں کے شامل کرنے) کو ممنوع اور ناجائز قرار نہیں دیتا۔۔۔۔ لیکن صورتِ حالات کچھ اور ہے۔ اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندو ان کے ساتھ متفق ہو کر بجا ہے اور درست ہے، پکارتے مسلمان آگے ہوتے اور ہندو ان کے ساتھ ہو کر ان کی موافقت کرتے، تو بے جا نہ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان آمین کہنے والے کی طرح ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔ پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا فتویٰ، مقلد کی طرح سرِ نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔ ہندو آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے اپنا دین و مذہب ان پر نثار کرتے چلے جاتے ہیں۔''

(غلام معین الدین نعیمی، سید: حیات صدر الافضل، ص ۱۰۰-۱)

دین مذہب کے نثار کرنے کی کیفیت گزشتہ صفحات میں کسی قدر پیش کی جا چکی ہے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ نے فرمایا تھا اور بالکل بجا فرمایا تھا:

''مسلمانوں کا حقیقی نصب العین، دین و مذہب، اللہ تعالیٰ نے قرار دیا ہے، دنیا ان کے پاس دین کی رونق اور مذہب کی خدمت کے لیے ہے۔ جب دین و مذہب ہی نہ رہا تو ملعون ہے، وہ سلطنت جو ایمان کے عوض ملے اور صد ہا لعنت ہے اس حکومت پر جو

اسلام بیچ کر خریدی جائے۔“ (سلیمان اشرف بہاری، سید: الرشاد (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۳۰)

الائمۃ من قریش

تحریک خلافت سے اس کی فتنہ سامانیوں کے سبب، علماء اہل سنت کی بے تعلقی کا اجمالی پس منظر گزشتہ صفحات میں پیش کیا جا چکا ہے، اس لیے یہ کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے:

”بریلوی نے ایک اور رسالہ دوام العیش لکھا جس میں انہوں نے خلافتِ ترکیہ کی امداد کرنے والوں کے دعویٰ کو رد کیا اور دلیل یہ پیش کی کہ خلیفہ، قریشی ہی ہو سکتا ہے۔ چونکہ ترکی کے عثمانی حکمران قریشی نہیں ہیں، اس لیے ان کی خلافت ثابت نہیں، اسی بناء پر ہندوستان کے مسلمانوں پر ان کی نصرت وامداد لازم اور خلافت کے لیے انگریز سے جنگ جائز نہیں ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ تصریح کی کہ:

ترکوں کی حمایت، محض دھوکہ ہے، ورنہ خلافت کا نام لینے سے مقصد، ہندوستان کی اراضی کی آزادی ہے۔“ (ظہیر: البریلویہ ص ۴۱-۴۲)

ایک سوال کے جواب میں سلطنت ترکیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”سلطنتِ علیہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنتِ اسلام نہ صرف سلطنت، ہر جماعت اسلام، نہ صرف جماعت، ہر فردِ اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے، اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنیٰ؟ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے اور وقتِ حاجت دعا سے امداد واعانت بھی، ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے۔“

(احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۴۶)

کیا اب بھی یہ کہنے کا جواز رہ جاتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی سلاطین ترکیہ کی امداد کو اس بناء پر غیر ضروری قرار دیتے تھے۔

پھر غلط ترجمہ کے ذریعے یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک تحریک کا مقصد آزادیٔ ہند تھا، جس کی انہوں نے مخالفت کی۔ اصل عبارت دیکھنے سے غلط بیانی کا پردہ چاک ہو جائے گا۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”ترکوں کی حمایت تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اصل مقصود بغلامی ہنود سوراج کی چکھی ہے، بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے، بھاری بھر کم خلافت کا نام لو، عوام بپھریں، چندہ خوب ملے اور گنگاہ وجمنا کی مقدس زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے۔

اے پس روِ مشرکاں بزمزم نہ رسی!
کیں رہ کہ تومی روی بہ گنگ وجمن است

(احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۶۵)

اس عبارت کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ لیڈر، خلافت کا نام محض مطلب برآری کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔ اصل مقصد تو یہ ہے کہ آزادی حاصل کر کے سیکولر (لادینی) سٹیٹ قائم کی جائے جس میں قوت واقتدار کا سرچشمہ ہندؤوں کے پاس ہو، کر کیونکہ وہ اکثریت میں ہیں اور مسلمان ان کے محکوم اور تابع محض ہوں۔ یہ وہ مقصد تھا، جسے قبول کرنے سے امام احمد رضا نے انکار کیا تھا اور ہر صاحب بصیرت مومن کو اس سے انکار کرنا چاہیے۔

تحریکِ خلافت کے لیڈر، عامۃ المسلمین پر امام احمد رضا کے گہرے اثرات سے بخوبی واقف تھے، اسی لیے ہر قیمت پر انہیں اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے تھے۔ گاندھی نے ملاقات کا پیغام بھیجا تھا، جواباً آپ نے صاف انکار کر دیا۔ گزشتہ صفحات میں ان دونوں واقعات کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ فرنگی محل سے مولانا عبدالباری کے بار بار تقاضے آئے کہ آپ کی اس مسئلہ میں کیا رائے ہے؟ دارالافتاء بریلی سے جواب دیا گیا کہ ایسے مسائل دارالافتاء کے موضوع سے خارج ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ شاید خلافت کے نام سے ترک بھائیوں کو کوئی فائدہ پہنچ جائے، لیکن وہ نہ مانے، بلکہ انہوں نے شائع کر دیا کہ دارالافتائے بریلی خلافت کا منکر ہے اور کئی مواقع پر انہوں نے کہا کہ منکرِ خلافت کافر ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ خلیفہ شرعی کے لیے تو قریشی ہونا ضروری ہے اور سلطان ترکی قریشی نہیں۔۔۔ تو انہوں نے کہا کہ خلافتِ شرعیہ کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں ہے۔ (مصطفٰے رضا خاں قادری، مفتی اعظم ہند: تمہید دوام العیش، ص ۴۰-۱)۔ یہی بات ابو الکلام آزاد نے ایک رسالہ مسئلہ خلافت وجزیرۂ عرب میں لکھی۔

کسی شخص نے مولانا فرنگی محل کے خطبۂ صدارت اور ابوالکلام آزاد کے رسالہ کا حوالہ دے کر استفتاء بھیجا کہ کیا خلافتِ شرعیہ کے لیے قریشی ہونا شرط ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا نے رسالہ دوام العیش تحریر فرمایا جو ایک مقدمہ اور تین فصول پر مشتمل تھا، تیسری فصل شروع کی تھی کہ دیگر ضروری کاموں کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس خیال سے اس کی تکمیل نہ کی کہ ابھی اس کا وقت نہیں۔ وقت آئے گا، تو تکمیل کر کے طبع کرا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ وصال کے ایک سال بعد آپ کے صاحبزادے مولانا مصطفٰے رضا خاں مفتی اعظم ہند نے یہ رسالہ شائع فرمایا۔ (مصطفٰے رضا قادری، مفتی اعظم ہند، تمہید دوام العیش ص ۳۱-۳)

بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ امام احمد رضا نے دو رسالے اعلام الاعلام اور دوام العیش انگریزوں کی حمایت میں لکھے تھے، یہ تاثر ہرگز منصفانہ نہیں ہے۔ یہ دونوں رسالے آپ کے وصال کے بعد چھپے ہیں اور معمولی عقل والا انسان بھی سوچ سکتا ہے کہ اگر انگریزوں کو خوش کرنا مقصود ہوتا، تو یہ دونوں رسالے اپنی زندگی ہی میں شائع کر دیتے جبکہ ایسا نہیں ہوا، اس لیے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ یہ الزام لگانے والے دیانت دارانہ بصیرت سے محروم ہیں۔

اس رسالہ میں امام احمد رضا نے حدیث، فقہ اور عقائد کی کتابوں سے تقریباً پچاس احادیث اور اجلہ علماء وائمہ کی بانوے عبارات پیش کی ہیں اور یہ ثابت کیا ہے کہ خلافت کے لیے قرشیت کے شرط ہونے پر احادیث حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں۔ نیز اس مسئلہ پر صحابہ، تابعین اور اہل سنت کا اجماع ہے۔

(احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش، ص ۷۵)۔ اور اس مسئلہ میں صرف خوارج یا بعض معتزلہ مخالف ہیں۔ (احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش، ص ۴۶)

بریلی کی تاریخی کانفرنس

۱۹۲۱ء کا طوفانی زمانہ ہے۔ جمعیۃ العلماء ہند اور خلافت کمیٹی کا طوطی بول رہا ہے۔ متحدہ قومیت اور ہندو مسلم اتحاد کی رَو پوری قوت سے جاری وساری ہے۔ مشہور لیڈر امام احمد رضا اور دیگر علمائے اہل سنت کو اپنے راستے کا سب سے زیادہ سنگِ گراں سمجھتے ہیں اور عامۃ المسلمین پر ان کے اثرات سے خائف ہیں۔ علی برادران، بریلی شریف جا کر تحریک میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔ گاندھی خود ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ امام احمد رضا ملاقات سے انکار کر دیتے ہیں۔ جمعیۃ العلماء ہند کا سالانہ اجلاس، ابوالکلام آزاد کی صدارت میں بریلی میں منعقد ہونا قرار پاتا ہے۔ کل ہند سطح پر اس کی تشہیر کی جاتی ہے۔ متعدد اشتہار شائع کیے جاتے ہیں۔

ایک اشتہار کا عنوان ہے:

زندگی ستعار کی چند ساعتیں

اس میں ایک شق یہ تھی:

’’مخالفین ترکِ موالات اور موالاتِ نصاریٰ کے عملی حامیوں پر اتمام حجت کیا جائے گا۔‘‘

(اراکینِ جماعت رضائے مصطفےٰ: دوامغ الحمیر (مطبع حسنی، بریلی) ص ۴۷)

دوسرے اشتہار کا عنوان تھا:

آفتابِ صداقت کا طلوع

اس میں لکھا:

’’منکرین ومنافقین پر اتمام حجت، مسائلِ حاضرہ کا انقطاعی فیصلہ، خدائی فرمان پہنچانے کے لیے بریلی میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس ہونے والا ہے، سچائی ظاہر ہوگئی اور جھوٹ بھاگ نکلا۔ خداوند جبار وقہار کا یہ فرمان پورا ہو کر رہے گا۔‘‘

(اراکینِ جماعت رضائے مصطفےٰ: دوامغ الحمیر (مطبع حسنی، بریلی) ص ۴۷)

۱۰ رجب ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء کو جماعت رضائے مصطفےٰ کے مقاصد علیہ کے صدر مولانا امجد علی اعظمی نے اتمام حجتِ تامہ کے عنوان سے ستر سوالات پر مشتمل ایک اشتہار چھاپ کر مولانا عبدالماجد بدایونی ناظم جمعیۃ العلماء کے پاس بھیج دیا تاکہ ان پر خوب اچھی طرح غور وخوض کر لیا جائے اور اجلاس میں ان کا جواب دے کر تصفیہ کی راہ ہموار کی جائے۔

تبادلۂ خیال اور مناظرہ کے لیے جماعت رضائے مصطفےٰ کے چار علماء کے نام پیش کیے گئے۔

۱۔	مولانا محمد امجد علی اعظمی	صدر
۲۔	مولانا حسنین رضا خاں	ناظمِ اعلیٰ
۳۔	مولانا ظفر الدین بہاری	رکن
۴۔	مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی	رکن

بعد میں علی گڑھ سے مولانا سید سلیمان اشرف بہاری بھی تشریف لے آئے اور ان کا نام بھی مناظرین کی فہرست میں شامل کر دیا گیا۔

ابوالکلام آزاد صدر جمعیۃ العلماء بریلی پہنچے اور جماعت رضائے مصطفےٰ کے ستر سوالات اور مناظرہ کے مقام اور وقت کے تعین کے مطالبہ پر مشتمل اشتہارات دیکھے اور مذکورہ بالا علماء کے ساتھ مناظرہ سے پہلوتہی کرتے ہوئے امام احمد رضا کو مخاطب کیا۔ یہ رویہ کسی طور بھی مناسب نہ تھا۔ اول تو امام احمد رضا اس وقت علیل تھے، دوسرا یہ کہ اشتہارات میں علمائے اہلِ سنت کو منکرین اور منافقین کے القاب دے کر ان پر اتمام حجت کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ اب جب کہ امام احمد رضا بریلوی کے خلفاء اور اہل سنت کے ذمہ دار علماء اس چیلنج کو قبول کر چکے تھے، تو گریز کا کیا معنیٰ؟

علماء اہل سنت کا تقاضا بڑھا، تو مولوی عبدالودود ناظمِ استقبالیہ جمعیۃ العلماء ہند نے جواباً تحریر کیا:

> ”ہر کس و ناکس سے نزاع ومخاصہ کرنا خدام ملت کے نزدیک بے نتیجہ اور بے سود ہے۔“ (اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ: رودادِ مناظرہ • نادری پریس، بریلی) ص ۳)

۱۴ رجب کو مولانا سید سلیمان اشرف بہاری، صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے اس کا جواب دیا:

”جلسہ جمعیۃ العلماء منعقدہ بریلی کا رقعۂ دعوت، فقیر کے پاس بھیجا، فقیر نے شرکت سے امر مابہ النزاع کا تصفیہ چاہا، آنجناب اس بے بضاعت کو ”ناکس“ قرار دے کر گفتگو سے اعراض فرماتے ہیں۔ امام اہل سنت مجدد مائۃ حاضرہ سے طالبِ مناظرہ ہوتے ہیں۔ انصاف شرط ہے کہ رقعۂ دعوت فقیر کے پاس بلا واسطہ بھیجا جائے اور گفتگو کی جب نوبت آئے تو اسے کس ناکس کہا جائے، اس کے احقاقِ حق کو نزاع ومخاصمہ قرار دیا جائے کیا یہی شیوۂ خدام ملت ہے؟

آخر میں نہایت ادب سے گزارش ہے کہ براہِ کرم قبل نمازِ جمعہ فقیر کو اپنے جلسے میں بحیثیتِ سائل حاضر ہونے کی اجازات عطا فرمائیں۔“ (اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ: رودادِ مناظرہ • نادری پریس، بریلی) ص ۲-۳)

بلآخر ۱۴ رجب ۱۳۳۹ھ / ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو شام کے بعد مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اور دیگر علماء اہل سنت نہایت شان وشوکت کے ساتھ سٹیج پر پہنچ گئے۔ صدرِ جلسہ ابوالکلام آزاد نے صرف سید صاحب کو خطاب کے لیے ۲۵ منٹ کا وقت دیا۔

علامہ سید سلیمان اشرف نے مختصر وقت میں واشگاف الفاظ میں بیان کیا کہ ہمیں ترکی کی اسلامی سلطنت کی ہمدردی اور امداد سے انکار نہیں۔ یہ امداد اعانت تمام مسلمانانِ عالم پر فرض ہے، نہ ہی ہم انگریزوں کی دوستی کو جائز قرار دیتے ہیں۔ موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام اور حرام قطعی ہے۔ ہمیں تو ہندو مسلم اتحاد اور اس اتحاد کی بناء پر کیے جانے والے غیر اسلامی افعال اور اقوال سے اختلاف ہے۔“ (اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ ﷺ مناظرہ ص ۶-۵)

علامہ عبدالماجد دریا آبادی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی دھواں دار تقریر کا منظر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

”مخالفین کی طرف سے میدانِ خطابت کا ایک پہلوان، شہ زور اور ہیل تن، اکھاڑے میں اتارا گیا، کشتی پر کشتی مارے

ہوئے، داؤں پیچ کی استادی میں نام پائے ہوئے اور اس نے تقریر یہ مارا، وہ مارا کے انداز میں شروع کی، جلسہ پر ایک نشہ کی سی کیفیت طاری اور خلافت والوں کی زبان پر وظیفے یا حفیظ کے جاری' (محمد طفیل: نقوش (لاہور) شمارہ جنی ۱۹۶۵ء، ص ۴۷)

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ارکانِ خلافت جس کروفر سے بریلی آئے تھے، وہ قائم نہیں رہ سکا تھا۔

سید صاحب کی تقریر کے بعد ابوالکلام آزاد نے تقریر کی اور جماعت رضائے مصطفےٰ کے پیش کردہ سوالات کا بالکل جواب نہ دیا، روئے سخن صرف سید صاحب کی طرف رکھا اور کہا کہ مجھ پر افترا ہے کہ میں ناگپور کے خطبہ جمعہ میں گاندھی کو ستودہ صفات، خجستہ ذات وغیرہ الفاظ کہے تھے۔۔۔۔ کس نے قشقے کی اجازت دی؟۔۔۔۔ کس نے مہاتما گاندھی کی جے پکارنے کو کہا؟۔۔۔۔ بلکہ میں تو خود مہاتما کے یہ معنی تک نہیں جانتا کہ وہ کوئی تعظیم کا لفظ ہے۔ (حالانکہ مہا کا معنی عظیم اور آتما کا معنی روح، تو مہاتما کا معنی روحِ عظیم ہوا) آخر میں یہاں تک کہہ دیا:

> ''میں صاف کہتا ہوں کہ ہمارے ہندو بھائی بائیس کروڑ ہیں اگر وہ بائیسوں کروڑ گاندھی ہوں اور مسلمان ان کو پیشوا بنائیں اور ان کے بھروسہ پر رہیں، تو وہ بت پرست ہیں اور گاندھی ان کا بت۔'' (اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ ﷺ ومناظرہ ص ۹-۸)

ان کی تقریر کے بعد مولانا برہان الحق جبل پوری نے کہا کہ ناگپور کانفرنس کے ایک ماہ بعد زمیندار، لاہور کے پرچے دیکھ لیجئے، اس میں دوسرے لیڈروں کے اقوال کے علاوہ یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے خطبہ جمعہ میں گاندھی کی تعریف کی، اس پر ابوالکلام نے کہا:

''میں نے یہ پرچے نہیں دیکھے، اگر اس میں ایسا لکھا ہو، تو کذب بحت (خالص جھوٹ) ہے، **لعنة الله علی قائله**۔''

مولانا برہان الحق نے فرمایا: ''آپ یہ تکذیب ہی شائع کرادیجئے۔ نیز اخبار ''تاج'' کے حوالے سے کہا کہ آپ نے گنگا وجمنا کی سرزمین کو مقدس کہا۔ ابوالکلام آزاد نے اس کا بھی انکار کیا اور **لعنة الله علی قائله**'' (ایسا کہنے والے پر خدا کی لعنت ہو)

(اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ ﷺ ومناظرہ ص ۱۰-۱۱)

غرض یہ کہ جن بلند بانگ دعاوی کے ساتھ جمعیۃ العلماء ہند نے بریلی میں اجلاس رکھا تھا، ان پر اوس پڑ گئی۔ جماعت رضائے مصطفےٰ کے ستر سوالات کا پیہم تقاضوں کے باوجود جواب نہ دیا گیا۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کی تقریر کے جواب میں جان چھڑانے کا انداز نمایاں تھا۔ پھر یہ اقرار کرنے کے باوجود کہ ہر کافر سے موالات (دوستی) حرام ہے، غیر مسلم کو پیشوا بنانا حرام ہے، سابقہ رویے میں کوئی تبدیلی نہ لائے۔

حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں، فرزندِ اکبر امام احمد رضا خاں بریلوی نے اسی اجلاس میں فرمایا:

حرمین شریفین ومقاماتِ مقدسہ وممالک اسلامیہ کی حفاظت وخدمت ہمارے نزدیک ہر مسلمان پر بقدرِ وسعت وطاقت فرض ہے، اس میں ہمیں خلاف نہ ہے، نہ تھا، اسی طرح سلطانِ اسلام وجماعت اسلامی کی خیر خواہی میں ہمیں کچھ کلام نہ ہے، نہ تھا۔ تمام

کفار و مشرکین و نصاریٰ و یہود و مرتدین وغیرہ ہم سے ترکِ موالات ہم ہمیشہ سے ضروری و فرض جانتے ہیں۔

ہمیں خلاف آپ حضرات کی ان خلافِ شرح وخلاف اسلام حرکات سے ہے، جن میں سے کچھ مولوی سید سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت کے ستر سوال بنام اتمام حجتِ تامہ آپ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ ان کے جواب دیجئے جب تک آپ ان تمام حرکات سے اپنی رجوع نہ شائع کردیں گے اور ان سے عہدہ برآ نہ ہولیں گے، ہم آپ سے علیحدہ ہیں اور اس کے بعد خدمت وحفاظت حرمین شریفین ومقاماتِ مقدسہ وممالک اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جائز کوشش کرنے کو تیار ہیں۔'' (ارکین جماعت رضائے مصطفیٰ ﷺ اور مناظرہ ص ۲۸)

اس عنوان پر تفصیلی مطالعے کے لیے ''ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست'' مرتبہ مولانا محمد جلال الدین قادری ملاحظہ کیجئے:

جماعت انصار الاسلام

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ سلطنت ترکی کی امداد کے سلسلے میں امام احمد رضا نے کیا کیا؟ اس کی تفصیل کی تو اس وقت گنجائش نہیں، تاہم چند اشارات کیے جاتے ہیں:

امام احمد رضا نے ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۳ء میں چار انتہائی سود مند تدبیریں تدبیر فلاح ونجات واصلاح کے نام سے شائع کیں، انہیں اپنایا جاتا تو پوری قوم کا دینی اور معاشی نقشہ ہی بدل جاتا۔

۱۔ سوا ان باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہے، اپنے معاملات باہم فیصلہ کرلیں کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازیوں میں نہ اڑائیں۔

۲۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں کہ گھر کا نفع گھر ہی میں رہے۔

۳۔ بمبئی، کلکتہ، رنگون، مدراس، حیدرآباد وغیرہ کے تونگر مسلمان، اپنے بھائیوں کے لیے بنک کھولیں، سود شرع نے حرام قطعی فرمایا ہے، مگر اور سو طریقے نفع کے حلال فرمائے ہیں۔

۴۔ سب سے اعظم دین کی ترویج وتحصیل۔ (ارکین جماعت رضائے مصطفیٰ ﷺ بلاغ اخیر ص ۲۸)

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی نے ان تجاویز کے پیش نظر ایک تحقیقی مقالہ بعنوان فاضل بریلوی کے معاشی نکات'' لکھا ہے جو مرکزی مجلسِ رضا، لاہور نے شائع کردیا ہے۔

مولانا شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری، امام احمد رضا کی مساعی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

'' آج (۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگِ بلقان (۱۲-۱۹۱۱ء) کے موقع پر انہوں نے سلطنتِ اسلامی اور مظلومین مسلمین کی اعانت وامداد کی مناسب وصحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں، عام طور پر شائع کیں، قولاً وعملاً ان کی تائید کی، خود چندہ دے کر عوام کو اس طرف رغبت دلائی۔۔۔۔۔ اور اب بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے اعانتِ اسلام ومسلمین کے بتاتے رہے۔

مولانا احمد رضا خاں صاحب جو عملی کوششیں کرسکتے تھے، انہوں نے کیں، خود چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلوایا،

مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد واعانت پر توجہ ورغبت دلائی، تحفظ سلطنتِ اسلامی کی مفید وکارگر تدابیر بتائیں یہ عملی کوشش نہیں تو کیا ہے؟۔۔۔۔اپنی جماعت انصار الاسلام قائم کی۔"

(اولادِ رسول محمد میاں قادری، مولانا: برکاتِ مارہرہ مہمانانِ بدایوں (مطبع حسنی، بریلی) ص ۱۱-۱۲)

تحریکِ شدھی

امام احمد رضا بریلوی، صدر الافضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مولانا سید سلیمان اشرف بہاری اور دیگر علمائے اہل سنت کی مومنانہ بصیرت کی داد نہ دینا بے انصافی ہوگی۔ انہوں نے تحریک خلافت اور ترکِ موالات کے دوران بار بار اس حقیقت کا اظہار کیا تھا کہ ہندو مسلمانوں کے دشمن ہیں اور مذکورہ تحریکوں میں ان کی شمولیت بھی ایک چال ہے۔

اس کا ہلکا سا اندازہ مولانا محمد علی جوہر کی ایک تقریر سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے ۲۵ دسمبر ۱۹۲۷ء کو پشاور کے ایک اجلاس میں کی:

"ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتا رہا، ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی نے دورہ کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے لیے، حتیٰ کہ کانگریس کے لیے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کے لیے آپ کے دوروں کے مصارف بھی خلافت نے ادا کیے۔"

(رئیس احمد جعفری: حیات محمد علی جناح (بمبئی) ص ۱۰۵)

اس سے بڑھ کر قوم مسلم کی بدقسمتی کیا ہوگی کہ ترکوں کی امداد کے نام پر حاصل ہونے والا چندہ گاندھی کے دوروں کی بھینٹ چڑھتا رہا اور قوم یہ سوچ کر مطمئن رہی کہ ہم اپنے ترک بھائیوں کی امداد کر رہے ہیں۔

صرف یہی نہیں کہ ہندوؤں نے مسلمانوں کے مال پر ہاتھ صاف کیا، بلکہ ان کے دین وایمان پر ہاتھ صاف کرنے سے بھی نہیں چوکے۔

۱۹۲۵ء میں آریہ سماج کے بانی دیانند کی صد سالہ تقریب کے موقع پر ایک جلسہ میں ہندو لیڈر، ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے جمع ہوئے اور مسلمانوں کو دین اسلام سے برگشتہ کرنے کی ایک خفیہ سازش تیار کی گئی کہ اپنی مذہبی تبلیغ تیز کر کے اسلام اور داعیٔ اسلام ﷺ کے خلاف شکوک وشبہات پھیلا کر سیدھے سادے مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جائے۔ نیز انہیں احساس دلایا جائے کہ تمہارے آباؤ اجداد ہندو تھے۔ یہ ملک ہندوؤں کا ہے اور اسلام تو دیارِ غیر سے آیا ہوا مذہب ہے، تمہیں دوبارہ ہندو مذہب اختیار کر لینا چاہیے، نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں افراد دولتِ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

امام احمد رضا بریلوی وصال فرما چکے تھے۔ آپ کے تلامذہ، خلفاء اور ہم مسلک علماء نے پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کا مقابلہ کیا، اسی طرح سنگھٹن تحریک کا دفاع کیا، جس کی بنیاد پر مسلمانوں کو زدوکوب کیا جا رہا تھا۔ شدھی تحریک کے خلاف کام کرنے والے یہ حضرات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں

۲۔ مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں

۳۔ امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ

۴۔ مولانا قطب الدین اشرفی برہمچاری

۵۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی

۶۔ مولانا احمد مختار صدیقی میرٹھی

۷۔ حضرت علامہ ابوالحسنات قادری

۸۔ مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی

۹۔ مولانا نثار احمد کانپوری

۱۰۔ مولانا محمد مشتاق کانپوری (غلام معین الدین نعیمی، سید: حیات صدر الافضل، ص ۱۸۰)

۱۱۔ مولانا غلام قادر اشرفی (محمد مسعود احمد، پروفیسر: تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم (رضا پبلی کیشنز، لاہور) ص ۱۲۸)

اس سلسلے میں علماء اہل سنت نے آگرہ، متھرا، بھرتپور، گوڑ گانواں، گوبند گڑھ، مضافاتِ اجمیر، جے پور اور کشن گڑھ وغیرہ مقامات کے مسلسل دورے کیئے۔ صدر الافضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی اور امیر اہلسنت سید پیر جماعت علی شاہ علی پور نے آگرہ میں مرکز قائم کر کے عرصہ تک وہاں قیام کیا۔ (غلام معین الدین نعیمی، سید: حیات صدر الافاضل، ص ۱۸۰)

مجموعی طور پر ساڑھے چار لاکھ مرتد مسلمان ہوئے اور ڈیڑھ لاکھ ہندوؤں نے اسلام قبول کیا۔

(محمد مسعود احمد، پروفیسر: تحریک آزادی ہند، ص ۱۲۸)

شدھی تحریک کے بانی پنڈت دیا نند سرسوتی (شردھانند نے بدنام زمانہ کتاب سیتارتھ پرکاش میں حضور اقدس ﷺ اور دین اسلام پر اعتراضات کیے اور نہایت سوقیانہ زبان استعمال کی۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی نے اس کا مسکت جواب دیا۔ جو احقاق حق کے نام سے چھپ چکا ہے۔ (محمد مسعود احمد، پروفیسر: تحریک آزادی ہند، ص ۱۲۸)

شدھی تحریک کے دور میں جب ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے تو مسلمان لیڈر عامۃ المسلمین کو امن پسند رہنے کی تلقین کر رہے تھے، جبکہ ہندو لیڈروں کا رویہ اس کے برعکس تھا:

''گاندھی جی نے کہا تو یہ کہ ''ہندو و بزدل ہیں اور مسلمان دنگئی'' انہوں نے اور ان کے ساتھیوں نے شردھانند کے خلاف ایک حرف نہ کہا، مالوی جی کی امن سوزی اور اشتعال انگیزی پر چپ سادھ لی۔۔۔۔۔ امرتسر کے ایک جلسہ میں مولانا ظفر علی خاں نے پنڈت مالوی کی تفرقہ انگیزی اور فتنہ پروری کے خلاف کچھ کہہ دیا، تو گاندھی جی، جو صدرِ جلسہ تھے، بگڑ گئے اور انہوں نے کہا: آپ نے مالوی جی پر نکتہ چینی کر کے میرے سینہ پر گھونسہ مار دیا۔'' (رئیس احمد جعفری: حیات محمد علی جناح (بمبئی)، ص ۱۵۹)

ان حقائق کے پیشِ نظر بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ علماء اہل سنت نے اس دور پر بلاخیز میں جو کچھ فرمایا تھا، وہ ؏

قلندر هرچه گوید دیده گوید

کا مصداق تھا اور آنے والے حالات نے اس کی حرف بحرف تصدیق کر دی تھی۔

فرانس، روبنسن کی بے خبری

امام احمد رضا بریلوی اور دیگر علمائے اہل سنت نے ہندو مسلم اتحاد کے خلاف جو جہاد کیا تھا، وہ ہندو اور ہندو نواز علماء کی برہمی کا سبب تھا، پریس پر ہندو کا غلبہ تھا، اس لیے علمائے اہل سنت کو بدنام کرنے کی بھرپور مہم چلائی گئی۔

میاں عبدالرشید کالم نگار نور بصیرت ''نوائے وقت لکھتے ہیں:

''گاندھی کی آندھی نے جو خاک اڑائی تھی، اس میں بڑوں بڑوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور بینائی زائل ہوگئی، مگر علامہ اقبال اور قائداعظم کے علاوہ تیسری بڑی شخصیت جو اس شور غوغا اور ہلڑ بازی سے قطعاً متاثر نہ ہوئی حضرت احمد رضا خاں تھے۔ آپ نے ان دنوں بھی اس بات پر زور دیا کہ ہمیں اپنی دونوں آنکھیں کھلی رکھنی چاہیے۔ انگریز اور ہندو دونوں ہمارے دشمن ہیں۔ کانگرسی مسلمانوں نے صرف اپنی ایک آنکھ کھلی رکھی تھی۔ وہ صرف انگریز کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ ان دنوں چونکہ تقریباً سارے پریس پر ہندوؤں کا قبضہ تھا، اس لیے حضرت احمد رضا خاں بریلوی اور آپ کے ہم خیال لوگوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا گیا اور بدنام کرنے کی مہم چلائی گئی۔

لیکن تاریخ نے انہی حضرات کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اب باطل پراپیگنڈے کا طلسم ٹوٹ رہا ہے اور حق کھل کر سامنے آ رہا ہے۔'' (عبدالرشید، میاں: پاکستان کا پس منظر (ادارہ تحقیقات پاکستان، لاہور) ص ۱۳۹)

اسی مہم کی صدائے بازگشت، پروفیسر فرانس روبنسن، پروفیسر یونیورسٹی لندن کی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔

روبنسن لکھتا ہے:

احمد رضا خاں (۱۸۵۵ء-----۱۹۲۱ء)

''ان کا طریق کار انگریزی حکومت کی حمایت تھا، انہوں نے پہلی عالمی جنگ میں حکومت کی تائید کی، حکومت کی تائید و حمایت کا یہ سلسلہ تحریک خلافت ۱۹۲۱ء تک جاری رہا۔ انہوں نے بریلی میں ایک کانفرنس بلائی، جس میں ترک موالات کے مخالف اور ان علماء کو جمع کیا، جن کا عامۃ المسلمین طلباء اور اساتذہ پر بڑا اثر تھا۔'' (ظہیر: البریلویہ، ص ۴۴)

علم اور تحقیق کا معیار اگر یہ ہے کہ انگریز مصنف نے اپنی انگریزی کتاب میں لکھ دیا ہو، تو بلاشبہ مذکورہ بالا بیان تحقیق کا شاندار مرقع ہے اور اگر تحقیق کی بنیاد حقائق پر ہے تو کہنے دیجیے کہ یہ بیان قطعی غیر تحقیقی ہے۔

اس جگہ چند امور توجہ طلب ہیں:

۱۔ امام احمد رضا بریلوی کا سن پیدائش ۱۸۵۶ء ہے، جبکہ روبنسن نے ۱۸۵۵ء لکھا ہے۔

۲۔ یہ قطعاً غلط ہے کہ ان کا طریق کار حکومت کی حمایت تھا، وہ ہندو اور انگریز دونوں سے انتہائی نفرت رکھتے تھے۔

مشہور مؤرخ اور ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

''انہوں نے ثابت کیا کہ ہندوؤں کے ساتھ ''موالات'' بھی ایسے ہی حرام ہے، جیسے انگریزوں کے ساتھ۔'' (محمد ریاست علی قادری، سید: معارفِ رضا (مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۳ء) ص ۲۳۸)

خود امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

''اے ایمان والو! وہ جو تمہارے دین کو ہنسی، کھیل ٹھہراتے ہیں، جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی (یہود و نصاریٰ) اور باقی سب کافر، ان میں کسی سے اتحاد و وداد (محبت) نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ (ترجمہ آیت) اب تو کسی مفتری کے اس بکنے کی گنجائش نہ رہی کہ یہ حکم صرف یہود و نصاریٰ کے لیے ہیں۔'' (احمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ (مبارک پور، انڈیا) ج ۶، ص ۱۳)

۳۔ یہ بھی غلط ہے کہ انہوں نے پہلی عالمی جنگ میں انگریزی حکومت کی تائید کی، جس دور میں ان پر انگریز کی حمایت کا بہتان باندھا جا رہا تھا، اس وقت بھی ان کے مخالفین تسلیم کرتے تھے کہ وہ گورنمنٹ کو فوجی امداد دینے کے قائل نہ تھے۔

تحریکِ ترکِ موالات کے رہنما اور امام احمد رضا بریلوی کے سیاسی مخالف مولانا معین الدین اجمیری لکھتے ہیں:

''ترکِ موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے، جس کو دونوں بزرگوں (مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔''

پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۸ء۔۔۔۔۔۱۹۱۴ء) میں یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وہ گورنمنٹ کے حامی تھے۔ اگر کسی شخص کو اس پر اصرار ہے، تو وہ اس کا ثبوت فراہم کرے۔

۴۔ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ مارچ ۱۹۲۱ء میں جمعیۃ العلماء ہند نے بریلی میں کانفرنس بلائی تھی نہ کہ امام احمد رضا بریلوی نے، علماء اہل سنت نے اتمام حجت کے طور جمعیت کے رہنماؤں کا چیلنج قبول کیا تھا اور ان پر واضح کیا تھا کہ ہمارا اختلاف ہندو مسلم اتحاد اور اس کی بناء پر کئے جانے والے غیر شرعی افعال واقوال سے ہے نہ کہ انگریز دشمنی سے۔

مولانا سید سلیمان اشرف بہاری نے اپنی تقریر میں فرمایا:

''موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام اور قطعی حرام''

یاایھا الذین امنوا لا تتخذو والیھود والنصاریٰ الایۃ

نصرانی اور یہودی خواہ فریق محارب ہوں یا غیر محارب، موالات ان سے حرام اور مطلقاً حرام۔

ہر کافر سے موالات حرام، خواہ محارب ہو یا غیر محارب، لایتخذ المومنون الکافرین اولیاء، آپ حضرات انگریزوں سے تو موالات حرام بتاتے ہیں اور کافروں (ہندوؤں) سے موالات نہ صرف جائز، بلکہ عین حکمِ الٰہی کی تعمیل بتاتے ہیں۔

(اراکین جماعت رضائے مصطفےٰ: روداد مناظرہ (نادری پریس، بریلی) ص ۷)

۵۔ روبنسن نے لکھا ہے کہ مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے مسجد کانپور کے بارے میں حکومت سے جو معاہدہ کیا تھا، اس کی مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے مخالفت کی تھی۔ یہ بات خود روبنسن کے بیان کے مخالف ہے، کیونکہ جس شخص کا طریق کار ہی حکومت کی حمایت ہو، وہ حکومت کی پالیسی کی مخالفت کیوں کرے گا؟

ہوا یہ کہ ۱۹۱۳ء میں مچھلی بازار، کانپور کی مسجد کا ایک حصہ سڑک کی تعمیر میں شامل کر لیا گیا، اس پر مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا، گولی چلی اور متعدد مسلمان شہید ہو گئے۔ ۱۶ر اگست ۱۹۱۳ء کو مسلمانوں کا ایک وفد لیفٹیننٹ گورنر سے ملا، جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی بھی شامل تھے۔ ۱۴ر اکتوبر ۱۹۱۳ء کو ان حضرات نے وائسرائے ہند سے چند شرائط پر صلح کر لی۔ اس معاہدے کے بارے میں ایک استفتاء کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی نے ایک رسالہ اِبانۃ المتواری تحریر فرمایا، جس میں اس معاہدے پر سخت تنقید کی، کیونکہ شریعتِ اسلامیہ میں وقف قابلِ انتقال نہیں اور اس سلسلے میں لیفٹیننٹ گورنر اور وائسرائے ہند کی کوئی پروا نہ کی۔

(محمد مسعود احمد، پروفیسر: گناہِ بے گناہی (مرکزی مجلس رضا، لاہور) ص ۳۲، ۳۱)

۶۔ روبنسن نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کا عامۃ المسلمین میں بڑا اثر و رسوخ تھا، لیکن تعلیم یافتہ مسلمان انہیں پسند نہیں کرتے تھے۔

اہل علم کے نزدیک امام احمد رضا بریلوی کا مقام دیکھنا ہو تو پروفیسر محمد مسعود احمد، پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج ٹھٹھہ، سندھ کی تصانیف ”فاضلِ بریلوی علماء حجاز کی نظر میں“ اور ”امام احمد رضا اور عالم اسلام“ کا مطالعہ کیجئے۔ امام احمد رضا جن کو عرب و عجم کے علمائے نے خراجِ تحسین و عقیدت پیش کیا اور علامہ اقبال، ڈاکٹر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور مولانا وصی احمد محدث سورتی، جن کے مداح اور علم و فضل کے شیدائی ہوں، صدر الافضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، مصنف بہار شریعت، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری (والد ماجد ڈاکٹر مختار الدین آرزو، علی گڑھ) مولانا سید سلیمان اشرف بہاری صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، مبلغ اسلام شاہ عبدالعلیم صدیقی اور مفتی اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد قادری ایسے آسمان علم و فضل کے آفتاب و ماہتاب جن کے تلامذہ اور خلفاء ہوں، ان کے بارے میں روبنسن کا تجزیہ کوئی معقولیت نہیں رکھتا۔

۷۔ روبنسن نے نہ تو تاریخی شواہد کا مطالعہ کیا اور نہ ہی امام احمد رضا بریلوی کی تصانیف ان کے پیش نظر ہیں۔ ان کی معلومات کا انحصار ۲۹ر مئی ۱۹۶۸ء کے اس انٹرویو پر ہے جو انہوں نے مفتی رضا انصاری فرنگی محلی فرزند اکبر مولانا سلامت اللہ سے کیا۔

(فرانسس روبنسن: سپریٹزم امنگ انڈین مسلمز، ص ۳۴۲)

ہندو مسلم اتحاد کے خلاف امام احمد رضا نے جو جہاد کیا تھا، اس کی بناء پر فرنگی محل کے علماء بھی ناراض تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اس ناراضی کے اثرات اب تک باقی ہیں، جن کی بناء پر اس انٹرویو میں امام احمد رضا بریلوی پر گورنمنٹ کی حمایت کا الزام لگایا گیا ہے۔ اب جب کہ اس بے بنیاد الزام کی حقیقت عالم آشکار ہو چکی ہے۔ ایسے میں مفتی رضا انصاری کے انٹرویو اور روبنسن کے بیان میں کوئی وزن نہیں رہ جاتا۔

۸۔ روبنسن کا یہ حوالہ قاضی افضل حق قرشی نے اپنی تالیف اقبال کے ممدوح علماء میں نقل کیا تھا، جس میں انہوں نے اقبال کی آڑ میں علماء اہل سنت پر تبرا کر کے اپنے ذوق سب و شتم کی تسکین کی تھی۔ انہوں نے روبنسن کی کتاب کے ص ۳۴۲ کا حوالہ دیا تھا۔ البریلویۃ کے مولف نے اصل کتاب کی طرف رجوع کئے بغیر اس عبارت کا ترجمہ کر دیا اور حوالہ ص ۳۴۲ کا دیا، حالانکہ یہ عبارت ص ۳۲۲ پر ہے۔ گزشتہ سطور میں اشارہ کیا جا چکا ہے کہ ایسی عبارت تحقیق کی دنیا میں کچھ وزن نہیں رکھتیں، جن کا دلیل و برہان سے دور کا

بھی کوئی واسطہ نہ ہو۔

یہ بات یاد رہے کہ مولانا رضا انصاری فرنگی محلی (متوفی ۵ رفروری ۱۹۹۰ء) نے ۱۹۸۸ء میں ڈیفنس سوسائٹی، کراچی میں اپنے ایک انٹرویو میں اپنے موقف سے رجوع کر لیا تھا، (''مفتی صاحب نے کہا کہ اگر ہم مصلحین کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ہم کو متعدد ایسی شخصیات مل جائیں گی جن کو ان کی اجتہادی فکر کی بنا پر عوام وخواص کے غم وغصہ کا شکار ہونا پڑا مگر وہ اپنے موقف پر قائم رہے اور بعد میں وقت نے ثابت کر دیا کہ ان ہی کا موقف درست تھا جیسا کہ مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی کے ایک فتوے سے ثابت ہے، فاضل بریلوی نے ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات کے دوران جب ہندوؤں سے بھی تعاون کو ممنوع قرار دیا تو ہندوستان کی قوم پرست فضاء میں زلزلہ آ گیا، ان کے موقف کو انگریزوں کی حمایت قرار دیا گیا مگر بعد میں ہونے والے حالات وواقعات نے فاضل بریلوی کے موقف کی توثیق کر دی'')۔ (خلیل احمد رانا)

(مفتی محمد رضا انصاری فرنگی محلی، شخصیت اور خدمات: تحریر خواجہ رضی حیدر سابق ایڈیٹر روزنامہ ''حریت'' کراچی، مطبوعہ سورتی اکیڈمی ناظم آباد، کراچی ۱۹۹۲ء، ص ۲۷)

امام احمد رضا ۔۔۔ اور انگریز

انگریزی حکومت سے بے تعلقی امام احمد رضا بریلوی کو ورثے میں ملی تھی، اپنے والد ماجد مولانا نقی علی خاں بریلوی کے اوصاف جمیلہ کے ضمن میں فرماتے ہیں:

''موالات فقراء اور امر دینی میں عدم مبالات باغنیاء، حکام سے عزلت، رزق موروث پر قناعت وغیر ذالک۔''

(احمد رضا بریلوی، امام: تعارف مصنف جواہر البیان (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ص ۶)

حکام وقت سے بے تعلقی امام احمد رضا کے صاحبزادوں، شاگردوں اور خلفا کا بھی طرۂ امتیاز ہی ہے۔

تجارت کے بہانے آ کر ہندوستان پر حاکم بن بیٹھنے والوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور سوئی ہوئی مسلم قوم کو جگاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ؎

سونا جنگل، رات اندھیری، چھائی بدلی کالی ہے
سونے والو! جاگتے رہیو، چوروں کی رکھوالی ہے

(حدائق بخشش (مدینہ پبلشنگ، کراچی) ج ۱ ص ۸۳)

انگریزی دور میں مسلمانوں کے دین ایمان کے غارت کرنے والے فتنوں کی کثرت تھی، عیسائی اور آریہ کھلم کھلا دین اسلام اور حضور نبی اکرم ﷺ پر اعتراض کرتے تھے اور غفلت کے مارے مسلمان ان کے لیکچر سنتے تھے۔ امام احمد رضا بریلوی ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء ایک فتوی **بارق النور فی مقادیر ماء الطهور** میں ایسے مسلمانوں کی سرزش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آج کل ہمارے عوام بھائیوں کی سخت جہالت یہ ہے کہ کسی آریہ نے اشتہار دیا کہ اسلام کے فلاں مضمون کے رد میں

وقت لیکچر دیا جائے گا۔ یہ سننے کے لیے دوڑے جاتے ہیں۔۔۔۔۔ پادری نے اعلان کیا کہ نصرانیت کے فلاں مضمون کے ثبوت میں فلاں وقت ندا ہوگی۔ یہ سننے کے لیے دوڑے جاتے ہیں۔۔۔۔۔

بھائیو! تم اپنے نفع ونقصان کو زیادہ جانتے ہو یا تمہارا عزوجل تمہارے نبی ﷺ، ان کا حکم تو یہ ہے کہ شیطان تمہارے پاس وسوسہ ڈالنے آئے، تو سیدھا جواب یہ دے دو کہ تو جھوٹا ہے۔۔۔۔ نہ یہ کہ تم آپ دوڑ کر ان کے پاس جاؤ اور اپنے رب، اپنے قرآن، اپنے نبی کی شان میں کلماتِ ملعونہ سنے۔" (احمد رضا بریلوی، امام: فتاوی رضویہ (شیخ غلام علی، لاہور) ج ۱، ص ۱۴۵)

پھر مزید تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اگر ایمان سچا ہے، تو اب یہ فرمایئے کہ ان کے لیکچروں، نداؤں میں آپ کے رب وقرآن ونبی وایمان کی تعریف ہوگی یا مذمت؟ ظاہر ہے کہ دوسری صورت ہی ہوگی اور اسی لئے تم کو بلاتے ہیں کہ تمہارے منہ پر تمہارے خدا ونبی وقرآن ودین کی توہین و تکذیب کریں۔

اب ذرا غور کر لیجئے! ایک شریر نے زید کے نام اشتہار دیا کہ فلاں وقت، فلاں مقام پر میں بیان کروں گا کہ تیرا باپ ولد الحرام اور تیری ماں زانیہ تھی، للہ! انصاف، کیا کوئی غیرت والا، حمیت والا، انسانیت والا جبکہ اسے اس بیان سے روک دینے، باز رکھنے پر قادر ہو، اسے سننے جائے گا؟ حاشا للہ! یہ کسی بھنگی چمار سے بھی نہ ہو سکے گا، پھر ایمان کے دل پر ہاتھ کر دیکھو کہ اللہ ورسول وقرآن عظیم کی توہین، تکذیب، مذمت سخت تر ہے یا ماں باپ کی گالی؟ ایمان رکھتے ہوا سے اس سے کچھ نسبت نہ جانو گے۔ پھر کون سے کلیجے سے ان جگر شگاف، ناپاک، ملعون بہتانوں، افتراؤں، شیطانی الکلوں، ڈھکوسلوں کو سننے جاتے ہو۔

بلکہ حقیقۃً انصافاً وہ جو کچھ بکتے اور اللہ ورسول وقرآن عظیم کی تحقیر کرتے ہیں۔ اس سب کے باعث یہ سننے والے ہیں۔ اگر مسلمان اپنا ایمان سنبھالیں، اپنے رب وقرآن ورسول کی عزت وعظمت پیش نظر رکھیں اور ایکا کر لیں کہ وہ خبیث لیکچر، گندی ندائیں سننے کوئی نہ جائے گا، جو وہاں موجود ہو، وہ بھی فوراً وہی مبارک ارشاد کا کلمہ کہہ کر کہ تو جھوٹا ہے چلا جائے گا، تو کیا وہ دیواروں، پتھروں سے اپنا سر پھوڑیں گے؟ تو تم سن سن کر کہلواتے ہو، نہ تم سنو، نہ وہ کہیں، پھر انصاف کیجئے کہ اس کہنے کا وبال کس پر ہوا۔" (احمد رضا بریلوی، امام: فتاوی رضویہ، ج ۱، ص ۲۱۷)

کیا جس شخص کے دل میں انگریزوں کے لیے ذرا بھی نرم گوشہ ہو، وہ ایسا شدید اندازِ گفتگو اختیار کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ایسا اندازِ تلقین وہی شخص اختیار کر سکتا ہے جس کا دل ودماغ نورِ ایمان سے منور ہو اور مسلمانوں کی تباہی جس کے لیے ناقابل برداشت المیہ ہو، وہ نہ تو اتحاد اتحاد کی رٹ لگانے والوں کی خاطر میں لاتا ہے اور نہ ہی گورنمنٹ کی ناراضی کی پروا کرتا ہے۔

زبان کی حد تک انگریزی سیکھنے میں حرج نہیں، بلکہ بہت سے فوائد ہیں، لیکن جب نصاب تعلیم غیر اسلامی مقاصد کو سامنے رکھ کر ترتیب دیا گیا ہو، تو اس کے نقصان دہ ہونے میں شک نہیں ہے۔

امام احمد رضا بریلوی اس عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"انگریزی اور وہ بے سود تضییعِ اوقات تعلیمیں جن سے کچھ کام دین تو دین، دنیا میں بھی نہیں پڑتا، جو صرف اس لیے رکھی گئی

ہیں کہ لڑکے این وآن ومہملات میں مشغول رہ کر دین سے غافل رہیں کہ ان میں حمیتِ دینی کا مادہ ہی پیدا نہ ہو، وہ یہ جانیں ہی نہیں کہ ہم کیا ہیں اور ہمارا دین کیا؟ جیسا کہ عام طور پر مشہود و معہود ہے، جب تک یہ نہ چھوڑی جائیں اور تعلیم وتکمیل عقائد حقہ وعلوم صادقہ کی طرف باگیں نہ موڑی جائیں، دہریت، نیچریت کی بیخ کنی ناممکن ہے، کیا لیڈر اس میں ساعی ہیں؟ ہرگز نہیں۔" (احمد رضا بریلوی، امام: رسائل رضویہ ج ۲، ص ۹۳)

حضرت مولانا مفتی محمد برہان الحق جبل پوری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"ایک دن بعد نمازِ عصر، تفریح کے لیے بگھی پر، گن کیرج فیکٹری کی طرف نکلے، فوجی گوروں کی پارٹی فیکٹری سے اپنے اپنے کوارٹروں کی طرف جا رہی تھی، انہیں دیکھ کر حضرت نے فرمایا:

"کم بخت بالکل بندر ہیں"

(محمد برہان الحق، مفتی: اکرام امام احمد رضا (مجلس رضا، لاہور) ص ۹۱)

۱۳۱۸ھ/ ۱۔۱۹۰۰ء میں پٹنہ، عظیم آباد کے اجلاس میں امام احمد رضا بریلوی نے تقریر فرماتے ہوئے روئے سخن ندوۃ العلماء کی طرف موڑتے ہوئے فرمایا:

"سب کلمہ گو حق پر ہیں، خدا سب سے راضی ہے، سب کو ایک نظر سے دیکھتا ہے۔ گورنمنٹ انگریزی کا معاملہ خدا کے معاملوں کا پورا نمونہ ہے۔ اس کے معاملے کو دیکھ کر خدا کی رضا و ناراضی کا حال کھل سکتا ہے۔۔۔۔ یہ کلمات اور ان کے امثال خرافات کو اہل ندوہ کی جو رودا دہے، جو مقال ہے، ایسی باتوں سے مالا مال ہے، سب صریح وشدید نکال وعظیم وبال وموجب غضب ذی الجلال ہیں۔" (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۱۲۷)

امام احمد رضا انگریزی کچہریوں میں جانے کے قائل نہ تھے، بلکہ کچہری کو عدالت اور انگریزی جج کو عادل کہنے سے شدید ممانعت فرماتے تھے، ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں لکھنو سے ایک استفتاء آیا کہ نصاریٰ کی کچہریوں کو عدالت اور آج کل کے حکام کو عادل کہنا بہت سخت ہے اور فقہا نے حکم کفر تک فرمایا۔ دریافت طلب یہ ہے کہ یہ حکم کفر مسئلہ مفتیٰ بہا ہے؟

اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"عدالت بہ طورِ علَم رائج ہے۔ معنیٰ وضعی مقصود نہیں ہوتے، لہٰذا تکفیر ناممکن البتہ عادل کہنا ضرور کلمہ کفر ہے، مگر محض بروجہ خوشامد ہوتا ہے، لہٰذا تجدید اسلام ونکاح کافی، ہاں خلاف ماانزل کو اعتقاداً عدل جانے، تو قطعاً وہی کفر ہے کہ من شك فی کفرہ فقد کفر۔"

(احمد رضا بریلوی، امام: فتاوٰی رضویہ، ج ۶، ص ۱۱۶)

یہی وجہ تھی کہ جب ایک مسئلہ میں اختلاف نے شدت اختیار کی، تو اہل بدایوں نے آپ کے خلاف اپنے شہر میں استغاثہ دائر کر دیا۔ کچہری سے سمن جاری ہوئے، مگر امام احمد رضا کسی صورت بھی کچہری نہ گئے۔ (مرید احمد چشتی، مولانا: جہانِ رضا، ص ۱۱۸)

"صرف یہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کو بھی یہی تلقین فرماتے تھے کہ باستثناء ان معدود باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہو، اپنے تمام معاملات اپنے ہاتھ میں لیتے، اپنے سب مقدمات اپنے فیصل کرتے، یہ کروروں روپے جو اسٹامپ و وکالت میں گھسے جاتے

ہیں، گھر کے گھر تباہ ہو گئے اور ہوتے جاتے ہیں، محفوظ رہتے۔" (غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل، ص ۱۵۹)

امام احمد رضا نے مسلمانوں کی کامیابی کے لیے جو تجاویز پیش کی تھیں، ان میں ایک تجویز یہ تھی۔

"اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدتے کہ گھر کا نفع گھر میں رہتا، اپنی حرفت وتجارت کو ترقی دیتے کہ کسی چیز میں کسی دوسری قوم کے محتاج نہ رہتے، یہ نہ ہوتا کہ یورپ وامریکہ والے چھٹانک بھر تانبا کچھ صناعی کی گڑھت کر کے گھڑی وغیرہ نام رکھ کر آپ کو دے جائیں اور اس کے بدلے پاؤ بھر چاندی آپ سے لے جائیں۔" (غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل، ص ۱۵۹)

انگریز نوازی کا الزام دینے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"یہ کس کی خوشی کو تھا مولوی عبدالباری صاحب خدامِ کعبہ کی بانگی کے لیے مسجد کانپور کو عام سڑک اور ہمیشہ کے لئے جنب و حائض وکافر ومشرک کی پامال کرا آئے اور بکمال جرات اسے مسئلہ شرعیہ ٹھہرایا، اس کے رد میں ابانۃ المتواری لکھا گیا، جس میں ان سے کہا گیا۔

دانم نہ رسی بکعبہ لے پشت براہ!
کیں راہ کہ تو می روی بانگلستانست (احمد رضا بریلوی، امام: رسائل رضویہ: ج ۲، ص ۱۴۳)

مختصر یہ کہ امام احمد رضا بریلوی، انگریز کے مذہب، اس کی تعلیم، اس کی تعظیم، کچہری، وضع قطع اور اس کی محبت سے شدید نفرت رکھتے تھے، حد یہ کہ کارڈ اور لفافہ الٹا کر کے پتا لکھتے تا کہ ملکہ وکٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور جارج پنجم کا سر نیچے ہو جائے۔ (مرید احمد چشتی، مولانا، جہانِ رضا: ص ۱۱۸)۔ خطوط پر زیادہ پیسوں کے ٹکٹ لگانے سے منع فرماتے کہ بلاوجہ نصاریٰ کو روپیہ پہنچانا کیسا؟ جن کے ساتھ دوستی ہو، یوں ان کی ایک ایک ادا سے نفرت نہیں کی جاتی۔

امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

"قرآن عظیم نے بکثرت آیتوں میں تمام کفار سے موالات قطعاً حرام فرمائی۔ مجوس ہوں، خواہ یہود ونصاریٰ، خواہ ہنود اور سب سے بدتر مرتدانِ عنود۔" (حمد رضا بریلوی، امام: فتاویٰ رضویہ، ج ۶، ص ۱۹۲)

سید الطاف علی بریلوی ایسے ہی شواہد کی بناء پر لکھتے ہیں:

"سیاسی نظریہ کے اعتبار سے حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بلاشبہ حریت پسند تھے، انگریز اور انگریزی حکومت سے دلی نفرت تھی۔ "شمس العلماء" قسم کے خطاب وغیرہ کو حاصل کرنے کا ان کے صاحبزادگان مولانا حامد رضا خاں صاحب ومصطفےٰ رضا خاں کو کبھی تصور بھی نہ ہوا۔" (مرید احمد چشتی: جہانِ رضا، ص ۱۱۸)

جعفر شاہ پھلواری جو تحریک ترکِ موالات کے دور میں امام رضا بریلوی کے مخالفین میں سے تھے، لکھتے ہیں:

"ترکِ موالاتیوں نے ان کے متعلق یہ مشہور کر رکھا تھا کہ نعوذ باللہ! وہ سرکارِ برطانیہ کے وظیفہ یاب ایجنٹ ہیں اور تحریک ترکِ موالات کی مخالفت پر مامور ہیں۔ (مرید احمد چشتی: جہانِ رضا، ص ۱۲۵) طرفہ یہ کہ ایک طرف انگریز دوستی کا الزام دیا جاتا ہے اور

دوسری طرف کہا جاتا ہے کہ "خود بریلوی نے کہا کہ جس نے انگریزی ٹوپی (ہیٹ) پہنی، وہ بلاشبہ کافر ہے۔" (ترجمہ)

(ظہیر: البریلویہ ص ۲۰۸)

کیا دوستوں کے ساتھ یہی رویہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ان کے قومی شعار استعمال کرنے والے کو کفر کی وادی میں دھکیل دیا جائے؟

تحریکِ ترکِ موالات کے راہنما اور امام احمد رضا کے سیاسی مخالف مولانا معین الدین اجمیری لکھتے ہیں:

"ترکِ موالات کی ایک تجویز نمبر ۵ ایسی بھی ہے جس کو دونوں بزرگوں (مولوی اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خاں) نے تسلیم کیا ہے اور وہ یہ کہ گورنمنٹ برطانیہ کو فوجی امداد نہ دی جائے۔" (رئیس احمد جعفری: اوراقِ گم گشتہ (مطبوعہ لاہور) ص ۵۷۶)

بہت دور کی سوجھی

امام احمد رضا بریلوی کے پردادا حافظ کاظم علی خاں بدایوں کے تحصیل دار تھے۔ ان کے بارے میں مولانا ظفر الدین بہاری لکھتے ہیں:

"وہ اس جدوجہد میں تھے کہ سلطنتِ مغلیہ اور انگریزوں میں جو کچھ مناقشات تھے، ان کا تصفیہ ہو جائے، چنانچہ اسی تصفیہ کے لیے حضرت حافظ صاحب کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔" (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت ج ۱، ص ۳)

صاف ظاہر ہے کہ وہ سلطنتِ مغلیہ کے نمائندہ اور سفیر ہونے کی حیثیت سے انگریزوں سے گفتگو کرنے کلکتہ گئے تھے، اس میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی، اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر کامیابی ہوئی بھی ہوگی، تو یہ مسلمانوں کی سلطنت کی سیاسی خدمت ہوگی نہ کہ انگریز کی، لیکن تاریخ سازی کی ناکام کوشش کرنے والوں کو یہ بھی انگریز کی پولیٹیکل خدمت دکھائی دیتی ہے۔

"مولوی احمد رضا خاں کے پردادا حافظ کاظم علی خاں بریلوی نے انگریزی حکومت کی پولیٹیکل خدمات سرانجام دیں۔"

(افضل حق قریشی، قاضی: اقبال کے ممدوح علماء (مکتبہ محمودیہ لاہور) ص ۴-۵۱۳)

کیا امریکہ اور برطانیہ وغیرہ ممالک میں متعین پاکستانی سفیروں کے بارے میں بھی یہی تاثر دیا جائے گا وہ غیر ملکی سیاسی خدمات انجام دے رہے ہیں؟

ہاں البتہ انگریزی حکومت کی سیاسی خدمات کی ہلکی سی جھلک دیکھنا چاہیں، تو ایک اقتباس کا مطالعہ سودمند رہے گا۔

"۱۲۳۱ھ تک سید احمد صاحب امیر خاں کی ملازمت میں رہے، مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خاں کی صلح کرادی۔۔۔۔ لارڈ ہیسٹنگ، سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا، امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب، سید احمد صاحب نے امیر خاں کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔۔۔۔ اسی طرح متفرق پرگنے ریاستوں سے بڑی قیل وقال کے بعد انگریزوں سے دلوا کر بپھرے ہوئے شیر کو اس حکمت سے پنجرے میں بند کر دیا۔" (حیرت دہلوی، مرزا: حیاتِ طیبہ (مکتبۃ السلام، لاہور) ص ۴-۵۱۳)

اس اقتباس کا ایک ایک لفظ بتا رہا ہے کہ سید صاحب نے انگریز حکومت کی کیسی کیسی شاندار خدمات انجام دیں اور کس طرح ایک بپھرے ہوئے شیر کو پنجرے میں بند کر کے انگریزی حکومت کے خطرات کا صفایا کر دیا۔ امام احمد رضا پر اس قسم کی موہوم بنیادوں پر الزامات کی دیوار تعمیر کرنے والے ایک طرح یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ ہمارے پاس دلائل وشواہد نام کی کوئی چیز نہیں ہے، ورنہ وہ یوں ریت کی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش نہ کرتے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے: ''جواب ﷺ و بے گناہی'' مطبوعہ لاہور اور کراچی، تصنیف پروفیسر محمد مسعود احمد پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج ٹھٹھہ، سندھ ۱۲ قادری)

وصال

تقریباً تصنیف صدی، اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب کریم ﷺ کی محبت کی شمع مسلمانوں کے دلوں میں روشن کرنے اور ملتِ اسلامیہ کی دینی، علمی اور فکری راہنمائی فرمانے کے بعد ۲۵ صفر ۱۲۸ اکتوبر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء بروز جمعہ، جمعہ کے وقت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا وصال ہوا۔ (حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف (مکتبہ اشرفیہ، مریدکے) ص ۲۷)

وصال سے کچھ دن پہلے ایک مجلس میں بطور وصیت فرمایا:

''تم مصطفےٰ ﷺ کی بھولی بھیڑیں ہو، بھیڑیے تمہارے چاروں طرف ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں بہکا دیں، تمہیں فتنہ میں ڈال دیں، تمہیں اپنے ساتھ جہنم میں لے جائیں، ان سے بچو اور دور بھاگو! دیوبندی ہوئے، رافضی ہوئے، نیچری ہوئے، قادیانی ہوئے، چکڑالوی ہوئے، غرض کتنے ہی فرقے ہوئے، اور اب سب سے نئے گاندھوی ہوئے جنھوں نے ان سب کو اپنے اندر لے لیا۔

(حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف (مکتبہ اشرفیہ، مریدکے) ص ۱۸)

اس عبارت کو کیسے عجیب انداز میں نقل کیا جاتا ہے، ملاحظہ ہو:

''بھیڑیئے تمہارا ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہیں، تمہیں گمراہ اور فتنے میں واقع کرنا چاہتے ہیں اور تمہیں جہنم میں لے جانا چاہتے ہیں، ان سے بچو خصوصاً دیوبندیوں سے۔'' (ظہیر: البریلویۃ ص ۴۵)

امام احمد رضا بریلوی نے متعدد فرقوں کا ذکر کیا ہے، جن میں رافضی اور قادیانی کا بھی ذکر ہے۔ غور کیجئے اقتباس نقل کرتے وقت ان کا ذکر کیوں نہیں کیا۔ دراصل البریلویۃ کے ص ۲۱ پر شیعہ ہونے، اور ص ۱۹ پر مرزا قادیانی کے بھائی کے شاگرد ہونے کا الزام دیا گیا ہے۔

اب اگر اس جگہ صحیح عبارت نقل کر دی جاتی، تو گزشتہ صفحات کے الزامات غلط ہو جاتے۔ کیونکہ جس شخصیت نے اپنی وصیت میں ان فرقوں سے اجتناب کی تلقین کی ہو، اس کا ان فرقوں سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ پھر ''خاصۃ الدیوبندیین'' کس عبارت کا ترجمہ ہے؟ یہ خاص ایجاد بندہ ہے، امام احمد رضا نے یہ تخصیص ہرگز نہیں کی۔

امام احمد رضا نے وصال سے دو گھنٹے سترہ منٹ پہلے چند وصیتیں قلم بند کرائیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

- ''شروع نزع کے وقت کارڈ، لفافے، روپیہ، پیسے کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے۔''

ذی روح کی تصویر سے کس قدر نفرت اور اجتناب ہے؟ اور وہ بھی کس کی تصویریں؟ انگریز حکمرانوں کی۔

- ''خبردار کوئی شعر میری مدح کا نہ پڑھا جائے۔۔۔۔۔۔یوں ہی قبر پر''۔ علماء ربانی کی یہی شان ہے۔
- ''فاتحہ کے کھانے سے اغنیاء کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقراء کو دیں۔

اور وہ بھی اعزاز اور خاطر داری کے ساتھ، نہ کہ جھڑک کر۔

غرض کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

اعزہ سے اگر بطیب خاطر ممکن ہو تو فاتحہ میں، ہفتہ میں دو تین بار ان اشیاء سے بھی کچھ بھیج دیا کریں۔۔۔۔۔دودھ کا برف خانہ ساز اگرچہ بھینس کے دودھ کا ہو۔۔۔۔۔مرغ کی بریانی، مرغ پلاؤ۔۔۔۔۔خواہ بکری کا شامی کباب۔۔۔۔۔پراٹھے اور بالائی۔۔۔۔۔فیرنی۔۔۔۔۔اُردکی پھریری۔۔۔۔۔دال مع ادرولوازم۔۔۔۔۔گوشت بھری کچوریاں۔۔۔۔۔سیب کا پانی۔۔۔۔۔انار کا پانی۔۔۔۔۔سوڈے کی بوتل۔۔۔۔۔دودھ کا برف۔۔۔۔۔اگر روزانہ ایک چیز ہو سکے، یوں کرو یا جیسے مناسب جانو۔۔۔۔۔مگر بطیب خاطر۔۔۔۔۔میرے لکھنے پر مجبورانہ، نہ ہو۔'' (حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف، ص ۲۲-۲۳)۔

سبحان اللہ! دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے بھی غرباء اور فقیر کا اس قدر خیال ہے کہ ان کے لیے ایسی ایسی چیزوں کا انتظام فرما گئے، جو ان کے خواب وخیال میں بھی نہ آسکتی تھیں۔ علماء اہل سنت پر شکم پروری کا الزام لگانے والے غور کریں کہ یہ اپنے پیٹ کی فکر ہے یا ناداروں کے پیٹ کی!

امام احمد رضا بریلوی کی حیاتِ ظاہرہ میں غریب پروری کا عالم یہ تھا:

''کاشانہ اقدس سے کبھی کوئی سائل خالی نہ پھرتا، اس کے علاوہ بیوگان کی امداد، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، ناداروں کے توکلاً علی اللہ مہینے مقرر تھے اور یہ اعانت فقط مقامی ہی نہ تھی، بلکہ بیرونجات میں بذریعہ منی آرڈر، رقوم امداد روانہ فرمایا کرتے تھے۔

(ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۲، ص ۵۲)

جبکہ ان کی اپنی خوارک کی مقدار یہ تھی:

''زیادہ سے زیادہ ایک پیالی شوربا بکری کا بغیر مرچ کا اور ایک یا ڈیڑھ بسکٹ سوجی کا اور وہ بھی روزانہ نہیں، بلکہ بسا اوقات ناغہ بھی ہوتا تھا۔ (ظفر الدین بہاری، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ص ۴۷)

وصیت میں ایک شق یہ بھی تھی۔

''رضا حسین، حسنین اور تم سب محبت واتفاق سے رہو اور حتی الامکان اتباع شریعت نہ چھوڑو، اور میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے، اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔'' (حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف، ص ۲۵)

ظاہر ہے کہ دین نام ہے اسلامی عقائد کا، جن پر قائم رہنا ہر حال میں ضروری ہے۔ **الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ○** (الآیۃ) ''جبر واکراہ کی صورت میں تصدیق قلبی کا برقرار رہنا ضروری ہے''۔ اور شریعت، عملی احکام کو کہتے ہیں جن پر بقدرِ طاقت عمل کیا جائے گا:

لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا (الایۃ۲۸۶البقرۃ۲)۔

بعض لوگ یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ انہوں نے نیا دین ایجاد کیا تھا جس پر کاربند رہنے کی تاکید شدید کر رہے ہیں، حالانکہ ان کی تصانیف موجود ہیں، کوئی بھی شخص مطالعہ کر کے معلوم کرسکتا ہے کہ انہوں نے دین اسلام کی صحیح ترجمانی کی ہے اور نت نئے اٹھنے والے فرقوں کا سختی کے ساتھ محاسبہ کیا ہے۔

وصال سے چاند روز پہلے جو ارشادات بہ طور وصیت فرمائے، ان میں فرمایا:

''اللہ ورسول کی سچی محبت، ان کی تعظیم اور ان کے دوستوں کی خدمت اور ان کی تکریم اور ان کے دشمنوں سے سچی عداوت۔۔۔۔۔ جس سے اللہ ورسول کی شان میں ادنیٰ توہین پاؤ، پھر وہ تمہارا کیسا ہی پیارا کیوں نہ ہو، فوراً اس سے جدا ہو جاؤ۔۔۔۔۔ جس کو بارگاہِ رسالت میں ذرا بھی گستاخ دیکھو، پھر وہ تمہارا کیسا ہی بزرگ معظم کیوں نہ ہو، اپنے اندر سے اسے دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔۔۔۔۔ میں پونے چودہ برس کی عمر سے یہی بتاتا رہا اور اس وقت پھر یہی عرض کرتا ہوں۔''

(حسنین رضا خاں، مولانا: وصایا شریف، ص۱۹)

سید الطاف علی بریلوی نمازِ جنازہ کی چشم دیدہ روداد ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''حضرت کی میت ان کی جائے قیام، محلہ سوداگراں سے شہر کے باہر تین چار میل کے فاصلہ پر دریائے رام گنگا کے کنارے واقع عیدگاہ، جہاں وہ عیدین کی نماز پڑھایا کرتے تھے، لے جائی گئی، اس وقت سخت گرمی اور دھوپ تھی، لیکن اس کے باوجود جلوس اور نماز میں کم از کم دس ہزار عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔۔۔۔۔ اور روز پورے شہر میں ہر شخص کو بے پناہ صدمہ تھا اور گھر گھر صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔''

(محمد مرید احمد چشتی: جہان رضا، ص۱۱۳)

اس دور میں جبکہ ذرائع ابلاغ اور وسائل نقل وحمل محدود تھے۔ اس قدر اجتماع معمولی نہیں ہے۔

مبالغہ آرائی

''البریلویۃ'' (ص۵۱-۴۶) میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ امام احمد رضا کے عقیدت مندوں نے ان کے بارے میں بے جا مبالغہ سے کام لیا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے'' کہ چند اقتباسات مخالفین کی تصانیف سے پیش کر دیئے جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ مبالغہ آمیزی سے کس نے کام لیا ہے اور کس قدر؟

سید احمد بریلوی (رائے بریلی کی طرف منسوب) کے ہاتھ پر ایک شرابی بیعت کرتا ہے، سید صاحب نے کہا کہ ہمارے سامنے نہ پینا، وہ گھر جا کر پینے لگتا ہے، تو سید صاحب سامنے، کوٹھڑی میں جا کر پینے لگا، تو پھر سامنے۔

''آخر لاچار ہو کر پاخانہ میں شراب طلب کی، تو وہاں بھی حضرت کو سامنے کھڑا دیکھا۔''

(محمد جعفر تھانیسری: حیات سید احمد شہید (نفیس اکیڈمی، کراچی) ص۱۳۹)

اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حاضر و ناظر ہونے کے عقیدے کو تو بریلویوں کے ان خصوصی عقائد میں شمار کیا جاتا

ہے، جو عقل ونقل کے خلاف ہیں۔ (ظہیر: البریلویۃ، ص ۱۰۶)۔ لیکن اپنے پیرومرشد کی عظمت چمکانے کے لیے یہ قوت ثابت کی جارہی ہے کہ وہ جہاں چاہیں حاضروناظر ہوجائیں، آخر عقل ونقل کے مخالف یہ شعبدہ بازی کیوں تسلیم کرلی گئی ہے؟

ایک طرف تو انبیاء واولیاء کے لیے علم کے اثبات کو کتاب وسنت اور فقہ حنفی کے مخالف قرار دیا جارہا ہے۔ (ظہیر: البریلویۃ ص ۸۵)۔ دوسری طرف سید صاحب کی شان میں دل کھول کر مبالغہ کیا جاتا ہے:

''سید صاحب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسی بصیرت عطا کی ہے کہ میں دیکھ سکتا ہوں کہ یہ بہشتی ہے یا دوزخی''۔ (محمد جعفر تھانیسری: حیات سید احمد شہید: ص ۱۷۴)۔

یہ مبالغہ نہیں، تو اسے حقیقت کے کس خانے میں فٹ کیا جائے گا؟

ایک دل دہلا دینے والا مبالغہ بھی ملاحظہ ہو، سید صاحب کی زبانی یہ کہلوایا گیا ہے:

''جب تک ہند کا شرک اور ایران کا رفض اور چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہوکر ہر مردہ سنت زندہ نہ ہو جائے گی، اللہ رب العزت مجھ کو نہیں اٹھائے گا، اگر قبل از ظہور ان واقعات کے کوئی شخص میری موت کی خبر تم کو دے اور تصدیق پر حلف بھی کرے کہ سید احمد میرے روبرو مارا گیا، تو تم اس کے قول پر ہرگز اعتبار نہ کرنا، کیونکہ میرے رب نے مجھ سے وعدۂ واثق کیا ہے کہ ان چیزوں کو میرے ہاتھ پر پورا کر کے مارے گا۔'' (محمد جعفر تھانیسری: حیات سید احمد شہید: ص ۱۷۴)

آج تک ان امور میں سے کوئی بھی معرضِ ظہور میں نہیں آیا، اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہوتا تو یقیناً پورا ہوتا، اس لیے یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ یہ خودساختہ الہام ہے، الہام ربانی ہرگز نہیں ہوسکتا۔ مولوی سخاوت علی جونپوری لکھتے ہیں:

''تفصیلش درمعیارالحق مصنفہ مولانا حجۃ اللہ علی العالمین۔۔۔۔۔

مولانا سید محمد نذیر حسین صاحب ادامت برکاتہ علی کافۃ الخلق مرقوم''

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب، کراچی) ص ۵۲۳)

مولوی عبدالجبار عمرپوری، میاں نذیر حسین کی شان میں لکھتے ہیں:

حییٰ طریق الحق بعد مماته

ووجوده من اٰیة الرحمن

احسن به من فایق اقرانه

مانذۀ فی عالم الامکان (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب، کراچی) ص ۴۹۷)

حضور نبی اکرم ﷺ کی کمالاتِ عالیہ میں نظیر ممکن، مگر میاں صاحب کی نظیر ناممکن، ان کا وجود آیت الرحمٰن ہے، اس مبالغے کا کیا جواز ہے؟

قاضی طلس محمد پشاوری، میاں صاحب کی مدح میں لکھتے ہیں:

ے شیخ اجل، چراغ ازل، صادق احمل
غوثِ زمیں، غیاث زماں، پیر باصفا
ے بدر جلی، صفی و ولی، عترۂ علی
دانائے ہر خفی و جلی، معدن سخا
ے موقوف بر قبولِ تو احکام شرع و دیں
چوں براصولِ ہندسہ، برہان مدعا
ے ہم فکر بے قرین، تو حلالِ مشکلات
ہم عقل پیش بیں تو کشافِ مدعا ؏

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب، کراچی) ص ۹۷-۴۷۴)

انبیاء واولیاء کے لیے غوثِ زمیں، غیاث زماں، دانائے ہر خفی وجلی اور حلالِ مشکلات کے الفاظ استعمال کرنے والا فتوائے شرک سے محفوظ نہیں رہ سکتا، مگر میاں صاحب کے بارے میں سب کچھ روا، بلکہ احکام شرع و دین ان کے قبول کرنے پر موقوف، اور اگر وہ قبول نہ کریں، تو؟ ے

ہر حکم بے رضائے تو مردود اہلِ دل!
ہر نکتہ بے قبولِ تو ناچیز چوں لقا!

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۴۷۸)

ایک اور شعر ملاحظہ ہو، یوسف حسین صابری لکھتے ہیں:

کرامتے ست کہ تبدیل ماہیات نمود
مجالِ عقل شدہ پیشِ سعیِ اُو مجبور ے

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۸۰۳)

میاں صاحب کی کرامات کو اس بلندی پر لے جایا جا رہا ہے کہ وہ ماہیات وحقائق کو تبدیل کر سکتے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں، اپنی بیگم نواب شاہجہان بیگم کی مدح وثناء میں دادِ بلاغت دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

واحیت السنن واماتت البدع۔۔۔ الیٰ ان سالت فیوضها العامة لکل حاضر و بادی وجالت خیول جودها فی کل بادیة ووادی۔۔۔ جامعة للفضائل التی قلما تجتمع فی رجل فضلا عن النسوان، حاوية للفواضل التی قصر دون تبیانها لسان الترجمان وهٰذه زرة من میدان مناقبها العلیة ۔

(صدیق حسن بھوپالی، نواب: ابجد العلوم، ج ۳، ص ۲۸۶-۷)

”اس نے سنتوں کو زندہ کیا اور بدعتوں کو مار دیا، اس کے فیضِ عام کا سیلاب ہر شہری اور دیہاتی تک پہنچے اور اس کی سخاوت

کے گھوڑے ہر جنگل اور ہر وادی میں پہنچے، وہ ایسے فضائل کی جامع ہے جو عورتوں میں تو کجا، مردوں میں بھی شاذ ونادر پائے جاتے ہیں، وہ ایسے کمالات کی حامل ہے، جن کے بیان سے ترجمان کی زبان عاجز ہے، اور یہ اس کے بلند مناقب کے میدان کا ایک ترجمہ ہے۔"

جس شخص کو معلوم نہ ہو کہ مبالغہ کسے کہتے ہیں، وہ اس عبارت کو پڑھ کر مبالغہ کی حقیقت معلوم کر سکتا ہے۔۔۔ خود نواب صاحب کی تعریف میں جو قلابے ملائے گئے ہیں، وہ بھی ایک نظر دیکھ لیجئے:

تمکن من اعنة البیان مالم یتمکن علیه الاعیان، فجاء فی عصره عدیم النظیر فی مایکون و کان۔

(عبدالباری سہسوانی: خاتمہ ابجد العلوم: ج ۳ ص ۲۹۱)

"وہ بیان کی ان لگاموں پر قادر ہیں، جن پر بڑے بڑے قادر نہ ہو سکے، وہ اپنے زمانے میں بے نظیر ہیں، ان کی نظیر ماضی میں ہوئی نہ آئندہ ہو گی۔"

مولوی عبدالباری سہسوانی، ان کی مدح میں لکھتے ہیں:

هو حجة لله قاهرة ۔
هو بیننا اعجوبة الدهر
هو آیة فی الخلق ظاهرة ۔
انواره اربت علی الفجر

اس کے باوجود یہ تصریح کرتے ہیں:

وثنائی هذا علیه لیس من المبالغة فی شیئ۔ (عبدالباری سہسوانی: خاتمہ ابجد العلوم: ج ۳، ص ۵-۲۹۳)

"وہ اللہ تعالیٰ کی حجۃ قاہرہ ہیں، وہ ہمارے درمیان زمانے کا عجوبہ ہیں، وہ مخلوق میں آیتِ ظاہرہ ہیں، جس کے انوار صبح صادق سے زیادہ ہیں۔۔۔ اس میں کچھ مبالغہ نہیں۔"

اربابِ علم ودانش کے چند تاثرات

ذیل میں امام احمد رضا بریلوی کے بارے میں چند اہل علم کے تاثرات پیش کیے جاتے ہیں، جن کی شخصیت شک وشبہ سے بالا تر ہے۔ ان مبنی بر حقیقت تاثرات کو غلوِ عقیدت قرار نہیں دیا جا سکتا ہے۔

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی سابق وزیر حقوق، بیروت (لبنان)، امام احمد رضا کی تصنیف لطیف الدولۃ المکیۃ پر تقریظ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:

فوجدته من انفع الکتب الدینیة واقواها حجةً ولا یصدر مثله الا عن امام کبیر، علامة نحریر فرضی الله عن مؤلفه وارضاه وبلغه من کل خیر مناه۔ (الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ: (المکتبہ، کراچی) ص ۹-۳۷۳)

"میں نے اسے کتبِ دینیہ میں نافع ترین اور دلیل کے اعتبار سے مضبوط تر پایا، ایسی کتاب امام کبیر اور علامہ اجل ہی لکھ سکتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف سے راضی ہو اور انہیں راضی کرے اور ان کی تمام پاکیزہ امیدوں کو برلائے۔“

مولانا احمد ابوالخیر بن عبداللہ میرداد، مدرس مسجد حرام، مکہ معظمہ فرماتے ہیں:

فقد نظرت فی ھذہ الرسالة نظر تدقیق وامعان فالفیتھافی غایة من الحسن والتحقیق قد شرح القلوب بیانھا وسطع فی سماء التحقیق برھانھا وکیف لاوھی جمع العلامة الامام النبیل الذکی الھمام ورأس المؤلفین فی زمانه وامام المصنفین بھخم اقرانه۔ (الفیوضات الملکیہ، ص۳۰)

”میں نے اس رسالہ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، تو اسے حسن، تحقیق اور پختگی میں انتہا کو پہنچا ہوا پایا، اس کا بیان شرح صدر عطا کرتا ہے اور اس کے دلائل آسمانِ تحقیق پر درخشاں ہیں اور کیوں نہ ہو، یہ امام علامہ، دانشور، ذکی، بلند ہمت، اپنے زمانے کے مؤلفین کے رئیس اور معاصرین کے اعتراف کے مطابق، مصنفین کے امام کی تصنیف ہے۔“

حضرت شیخ موسیٰ علی شامی، مدنی فرماتے ہیں: **امام الا ئمة المجدد لھٰذہ الامة۔** (الفیوضات الملکیہ، ص۴۶۲)

”اماموں کے امام اور اس امت کے مجدّد“

ڈاکٹر سر ضیاء الدین، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ریاضی کے ایک پیچیدہ مسئلے کے حل کے لیے جرمنی جانا چاہتے تھے۔ مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کے مشورے پر بریلی حاضر ہوئے۔ امام احمد رضا بریلوی نے چند منٹ میں وہ مسئلہ حل کر دیا، واپسی پر ڈاکٹر صاحب کا تاثر یہ تھا:

”اتنا زبردست محقق عالم اس وقت ان کے سوا شاید ہی ہو، اللہ نے ایسا علم دیا کہ عقل حیران ہے۔ دینی، مذہبی، اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اوقلیدس، جبر و مقابلہ، توقیت، (میں) اتنی زبردست قابلیت اور مہارت کہ میری عقل جس مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی، حضرت نے چند منٹ میں حل کر کے رکھ دیا۔۔۔۔ صحیح معنی میں یہ ہستی نوبل پرائز کی مستحق ہے۔“

(محمد برہان الحق جبل پوری، مفتی: اکرام امام احمد رضا (مجلس رضا، لاہور) ص۵۹-۶۰)

تفصیل کے لیے دیکھیے پروفیسر محمد مسعود احمد مدظلہٗ کی تصنیف فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں اور امام احمد رضا اور عالم اسلام ملاحظہ فرمائیں تو اندازہ ہو جائے گا کہ علمائے اسلام نے امام احمد رضا کی بارگاہ میں کیسے کیسے گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں۔

تواضع زگردن فرازاں نکوست

شعر و سخن اور خاص طور پر اردو نعت کے میدان میں امام احمد رضا بریلوی کے مقام کو ایک عالم نے تسلیم کیا ہے، متعدد دانشوروں اور ادیبوں کے تاثرات اس سے پہلے نقل کیے جا چکے ہیں، خود انہوں نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں

(احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش مع تحقیقی ادبی جائزہ (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ص۷۸)

علم و فضل اور نعت گوئی کے بلند ترین منصب پر فائز ہونے کے باوجود بارگاہِ رسالت سے والہانہ لگاؤ اور ادب و احترام ان کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا، یہاں تک کہ ان کے مخالفین بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہیں کہ وہ واقعی عاشق رسول تھے، فرماتے ہیں:

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کتے ہزار پھرتے ہیں

(احمد رضا بریلوی، امام: حدائق بخشش مع تحقیقی ادبی جائزہ (مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی) ص ۷۷)

اس شعر سے بارگاہِ رسالت کے ساتھ جس گہری عقیدت و الفت اور اپنے عجز و انکسار کا اظہار ہو رہا ہے، اسے محبت آشنا قلوب ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ دیدۂ و دل فرشِ راہ کرنے والے اس کیف کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ محروم محبت افراد کی اس سوز و گداز کی لذت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

علامہ ابن حجر مکی فرماتے ہیں:

رؤی انصاری فی النوم فقیل له مافعل الله بك قال غفرلی قیل بما ذا قال بالشبه الذی بینی وبین النبی ﷺ قیل له انت شریف؟ قال لا قیل فمن این الشبه؟ قال کشبه الکلب الی الراعی۔

(احمد بن حجر الہیتمی المکی، الامام: الصواعق المحرقۃ (مکتبۃ القاہرۃ، مصر) ۲۴۴)

''ایک انصاری کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا: مجھے بخش دیا، پوچھا کس سبب سے؟ فرمایا: اس مناسبت کی بناء پر جو میرے اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان ہے۔ پوچھا کیا آپ سید ہیں؟ فرمایا نہیں، پوچھا پھر مناسبت کونسی ہے؟ فرمایا جو ایک کتے اور نگہبان کے درمیان۔''

سبحان اللہ: یہ تعلق اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند ہے کہ اسی بناء پر بخش دیا۔ مولانا محمد عبدالرحمٰن جامی قدس سرہٗ، جو عاشقانِ رسول مقبول میں نہایت بلند مقام رکھتے ہیں۔

عرض کرتے ہیں: ؏

سگت را کاش جامی نام بودے
''کاش کہ آپ کے کتے کا نام جامی ہوتا۔''

حضرت قدسی رحمہ اللہ تعالیٰ یوں عرض نیاز کرتے ہیں۔

نسبتِ خود بسگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

''میں نے اپنی نسبت آپ کے کتے کی طرف کی اور شرمسار ہوں، کہ آپ کی گلی کے کتے کی طرف نسبت بھی بے ادبی ہے''۔

لیکن غیر صحت مند نگاہوں کو اس میں تضاد نظر آتا ہے، انہیں ہر طرف مبالغہ ہی مبالغہ نظر آتا ہے۔ (ظہیر: البریلویہ، ص ۱-)۵۰

امام احمد رضا بریلوی کے پہلے شعر کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے:

انا ملك مملكة البيان ولا بد للناس من تسليم كل ما اقوله (ظہیر: البریلویہ، ص ۱-)۵۰

"میں مملکتِ بیان کا بادشاہ ہوں، اور میں جو کچھ کہوں لوگوں پر اسے تسلیم کرنا ضروری ہے۔"

خط کشیدہ عبارت خود ساختہ ہے، اس شعر میں ایسا کوئی نشان نہیں ہے۔

ملک سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

تلامذہ اور خلفاء

ڈاکٹر محمد مسعود احمد مدظلہٗ نے حرمین شریفین اور دیگر ممالک کے ۳۲ علماء اور پاک و ہند کے ۲۷ علماء کا تذکرہ کیا ہے، جنہیں امام احمد رضا نے خلافت واجازت عطا فرمائی۔ (محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں، مجلس رضا، لاہور)۹۰-۸۸)۔ یہ تمام حضرات آسمانِ شریعت وطریقت کے آفتاب و ماہتاب گزرے ہیں، جنہوں نے اپنے علم وفضل کی تابانیوں سے ایک جہان کو منور کیا۔

آج بحمدہٖ تعالیٰ پاکستان کے طول وعرض میں پھیلے ہوئے تنظیم المدارس سے وابستہ تقریباً چھ سو مدارس امام احمد رضا کے مسلک، مسلکِ اہل سنت وجماعت کی نمائندگی کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہندوستان میں سینکڑوں مدارس دین کی تعلیم وتبلیغ میں مصروف ہیں۔

تحریک پاکستان

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے بعد امام احمد رضا بریلوی نے دو قومی نظریہ کی بیانگِ دہل حمایت اور حفاظت کی۔ علامہ اقبال اور قائداعظم کے اس نظریہ کو اپنانے سے پہلے امام احمد رضا اور ان کے ہم مسلک علماء پوری ثابت قدمی کے ساتھ اس نظریے کی حفاظت کے لیے جہاد کر چکے تھے۔

۳ نومبر ۱۹۲۱ء کو روزنامہ پیسہ اخبار لاہور نے ایک اداریہ لکھا، جس کا عنوان تھا:

آہ: مولانا احمد رضا خاں صاحب

اس عنوان کے ماتحت امام احمد رضا کے سیاسی موقف کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا:

"ترکِ موالات کے متعلق مرحوم کی رائے یہ تھی کہ جب مسلمانوں میں ترکِ موالات کا حکم صاف ہے تو اس میں استثناء کی ضرورت نہیں۔ وہ یہ کہ جب اسلام میں یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے ساتھ یکساں ترکِ موالات کا حکم ہے، تو جس طرح انگریزوں اور

ان کی حکومت سے ترکِ موالات کیا جاتا ہے، ویسے ہی ہندوؤں سے بھی جو مشرکین شمار کیے جاتے ہیں، ترکِ موالات ہونی چاہیے۔ یہ منطق نہایت کمزور ہے کہ انگریزوں سے تو ترکِ موالات ہو اور ہندوؤں سے محض سیاسی اتحاد کے لیے موالات روا رکھی جائے۔'' (محمد مرید احمد چشتی: خیابانِ رجا (عظیم پبلی کیشنز، لاہور) ص ۳۶)

امام احمد رضا کے وصال کے بعد ان کے تلامذہ، خلفاء اور ہم مسلک علماء اسی راہ پر چلتے رہے اور ملتِ اسلامیہ کی بہتری اور کامیابی کے لیے تمام تر رعنائیاں صرف کرتے رہے۔

انگریز حکمرانوں کی جانب داری اور ہندوؤں کی ہٹ دھرمی نے اصحاب فکر و نظر مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ پرامن اور باعزت زندگی گزارنے کے لیے مسلمانوں کے لیے الگ وطن کا ہونا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اہل سنت کے ایک مفکر محمد عبدالقدیر نے ۱۹۲۵ء میں ایک رسالہ ہندو مسلم اتحاد پر کھلا خط گاندھی کے نام لکھا، جس میں تقسیم ہند کے سلسلے میں تفصیلی تجاویز پیش کی گئیں اور یہ تجویز پیش کی کہ جس علاقے میں مسلمانوں کی اکثریت ہو، وہ مسلمانوں کو دے دیا جائے پھر انہوں نے ضلع دار ان علاقوں کی نشان دہی بھی کر دی اور جن علاقوں میں ہندیا دوسری قومیں اکثریت میں ہوں، وہ انہیں دے دیئے جائیں، یہ رسالہ ۱۹۲۵ء میں علی گڑھ سے شائع ہوا تھا۔ (محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم (رضا پبلی کیشنز، لاہور) ص ۲۷۵)

۱۹۳۰ء میں جب علامہ اقبال نے اپنے خطبۂ الٰہ آباد میں تقسیم ہند کی اسی تجویز کو پیش کیا، تو ہندوؤں نے اس پر بڑی برہمی کا اظہار کیا، طبقۂ علماء میں سب سے پہلے حضرت صدر الافاضل سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اس تجویز کی پُر زور تائید کی اور فرمایا:

''ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں پر تقسیم کر دیا جائے۔ ایک حصہ ہندوؤں کے زیر اقتدار اور دوسرا مسلمانوں کے۔ ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا؟ یہ ہندو اخبارات کو دیکھنے سے ظاہر ہوگا۔ کیا یہ کوئی ناانصافی کی بات تھی؟ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا، تو ہندوؤں کو بھی اسی نسبت سے فائدہ ملتا تھا۔ کیا چیز تھی جو اس رائے کی مخالفت پر ہندوؤں کو برانگیختہ کرتی رہی اور انہیں اس میں اپنا کیا ضرر نظر آیا؟ بجز اس کے کہ مسلمانوں کی بقا کی ایک صورت اس میں نظر آئی تھی اور انہیں تھوڑا سا اقتدار ملا جاتا تھا۔۔۔ اس حالت میں مسلمان کہلانے والی جماعت (جمعیۃ العلماء ہند وغیرہ) ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پرانی فرسودہ لکیر کو پیٹا کرے، تو اس پر ہزار افسوس۔'' (محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم: رضا پبلی کیشنز، لاہور: ص ۲۷۶-۷)

آل انڈیا سنی کانفرنس

مارچ ۱۹۲۵ء میں جامعہ نعیمیہ مراد آباد (بھارت) میں چار روزہ کانفرنس ہوئی، جس میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں نے صدرِ مجلس استقبالیہ کی حیثیت سے خطبہ صدرات پڑھا، اسی کانفرنس میں الجمعیۃ المرکزیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس) کی داغ بیل ڈالی گئی۔ صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی اس کے ناظم اعلیٰ اور امیر ملت حضرت پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری، اس کے صدر منتخب کیے گئے۔ قائدین نے شبانہ روز کوشش سے متحدہ پاک و ہند کے گوشے گوشے میں اس جماعت کی شاخیں قائم کیں۔ ایک طرف

اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ کو منظم کیا، تو دوسری طرف ہندوؤں اور کانگریسی علماء کی چالوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔۔۔ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں:

"بریلوی مکتبِ فکر کی قیادت (بعدازاں) مولانا نعیم الدین مرادآبادی کے ہاتھوں میں آگئی جمعیۃ علماء ہند کے برعکس وہ ۱۹۳۸-۳۹ء میں ہی اس بات پر یقین کر چکے تھے کہ انگریز زیادہ عرصے تک برصغیر پر اپنا اقتدار قائم نہیں رکھ سکیں گے، ان کے لیے یہ سوال شدت اختیار کرتا جا رہا تھا کہ اس کے بعد ملک کا اقتدار کون سنبھالے گا؟ چنانچہ وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلم اکثریت کے صوبوں پر مشتمل مسلمانوں کی ایک الگ ریاست تشکیل دینی چاہیے، اس لیے جونہی قراردادِ پاکستان (۱۹۴۰ء) منظور ہوئی، اس مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے علماء جنہوں نے اس سے قبل بھی کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کی مدد کی تھی۔ قیام پاکستان کے لیے جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے اپنی جماعت کے کام کو وسیع تر کر دیا اور ان کی ہر شاخ پاکستان کے قیام کی ضرورت کی تبلیغ میں مصروف ہوگئی۔ مولانا سید نعیم الدین نے بذاتِ خود شمالی برصغیر کا دورہ کیا اور اس کے متعد چھوٹے اور بڑے شہروں اور قصبات میں تقریریں کیں، تنظیم کا نیا دستور تیار کیا گیا اور اسے نیا نام دیا گیا۔ آل انڈیا سنی کانفرنس سے اس کا نام "جمہوریۃ الاسلامیہ" رکھ دیا گیا۔

(ریاست علی قادری، سید، معارف رضا (مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۳ء) ص۲۳۸)

۱۹۴۰ء میں منٹو پارک (مینار پاکستان) لاہور میں جب قراردادِ پاکستان منظور ہوئی تو اس اجلاس میں علامہ عبدالحامد بدایونی، علامہ عبدالغفور ہزاروی اور علامہ ابوالحسنات قادری بھی شریک تھے۔ علامہ بدایونی نے قرارداد کے حق میں خطاب بھی فرمایا۔

(محمد صادق قصوری: اکابر تحریک پاکستان (نوری کتب خانہ، لاہور) ص۱۳۹)

قیام پاکستان سے اہل سنت کے قلبی لگاؤ کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اہل سنت کے ترجمان ہفت روزہ الفقیہ، امرتسر کی پیشانی پر ۱۹۴۲ء میں ہی پاکستان لکھا ہوتا تھا۔ (محمد جلال الدین قادری: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، ص۳۲)۔ جبکہ بدقسمتی سے امرتسر، پاکستان میں شامل ہی نہ ہو سکا۔

۴؍جون ۱۹۴۵ء کو وائسرائے ہند لارڈ ویول نے ایک منصوبے کا اعلان کیا کہ ہندوستان کی سیاسی جماعتوں کے مشورے سے نئی ایگزیکٹو کونسل کی تشکیل کی جائے گی۔ ۲۵ جون کو شملہ میں اس کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ قائداعظم نے وائسرائے سے اس امر کی یقین دہانی چاہی کہ مسلمانوں کی طرف سے کونسل میں صرف مسلم لیگ کو نمائندگی دی جائے۔

(رضی حیدر، خواجہ: قائداعظم کے ۷۲ سال (سورت اکیڈمی کراچی) ص۳۹۲-۳)

اس موقع پر مفتی اعظم ہند مولانا مصطفےٰ رضا خاں نے بریلی سے وائسرائے ہند کے نام مسلم لیگ کی حمایت میں شملہ تار ارسال کیا۔ یہ خبر ۱۵؍جولائی ۱۹۳۵ء، پھر ۲۷؍اکتوبر ۱۹۴۵ء کو روزنامہ انجام دہلی میں چھپی جسے اہل سنت کے ترجمان ہفت روزہ الفقیہ، امرتسر نے ۷ تا ۱۴؍نومبر ۱۹۴۵ء کے شمارے میں نقل کیا۔ الفقیہ کے تراشے کا عکس خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس میں چھپ چکا ہے۔

(رئیس احمد جعفری: حیات محمد علی جناح، ص۷۶۵-۸)

۲۶؍نومبر ۱۹۴۵ء کو مرکزی اسمبلی کا انتخاب ہوا، مسلمانوں کی تیس نشستوں پر مسلم لیگ کے نمائندوں نے انتخاب لڑا، اور

بھاری اکثریت میں کامیابی حاصل کی۔ جمعیۃ علماء دہلی، احرار، خاکسار اور مسلم مجلس نے بھی اپنے نمائندے مختلف نشستوں کے لیے کھڑے کیے تھے، ان میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہوسکا۔ (رضی حیدر خواجہ: قائداعظم کے ۷۲ سال، ص ۳۹۹)۔ فروری ۱۹۴۶ء میں صوبائی اسمبلی کے انتخاب میں بھی مسلم لیگ نے زبردست کامیابی حاصل کی۔

۴ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو وزیر ہند نے برطانیہ کے دارالامراء میں اعلان کیا کہ انتخابات کے بعد حکومت برطانیہ، ہندوستان میں دستور ساز اسمبلی قائم کرے گی اور ایک کیبنٹ مشن ہندوستان بھیجے گی تاکہ یہ ہندوستانی رہنماؤں سے ملاقات کر کے بحیثیت آزاد مملکت ہندوستان کے مستقبل کا فیصلہ کرسکے۔ (رضی حیدر خواجہ: قائداعظم کے ۷۲ سال، ص ۳۹۹)

۲۴ مارچ ۱۹۴۶ء کو کیبنٹ مشن، دہلی پہنچ گیا جو لارڈ پیتھک لارنس، سر اسٹیفورڈ، کرپس اور اے وی الیگزنڈر پر مشتمل تھا، اسی دن پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مشن کے ایک رکن سر اسٹیفورڈ کرپس نے کہا:

”ہم کھلے دل کے ساتھ ہندوستان آئے ہیں، ہمارے پاس کوئی سکیم نہیں، ہم ہر سیاسی مسئلہ کے متعلق تحقیقات کریں گے۔“

(رضی حیدر خواجہ: قائداعظم کے ۷۲ سال، ص ۷-۴۰۶)

یہ وہ نازک ترین دور تھا، جس میں حکومتِ برطانیہ کو فیصلہ کرنا تھا کہ تقسیم ہند اور قیام پاکستان کو منظور کیا جائے یا نہیں؟ علماء اہل سنت نے پوری قوت کے ساتھ قیام پاکستان کی حمایت کی اور آل انڈیا سنی کانفرنس کی جدوجہد عروج کو پہنچ گئی۔

حضرت مفتی اعجاز ولی خاں، مدرس مدرسہ منظرِ اسلام، بریلی نے اسی سال پاکستان کی حمایت میں فتویٰ جاری کیا۔ (محمد صادق قصوری: اکابر تحریک پاکستان (نوری کتب خانہ لاہور، ج ۲، ص ۲۶)

۱۹۴۶ء میں علماء اہل سنت کا ایک فتویٰ شائع ہوا، جس میں کانگریس کی مخالفت اور مسلم لیگ کی تائید کی گئی تھی۔ ذیل میں وہ فتویٰ پیش کیا جاتا ہے:

”آل انڈیا سنی کانفرنس کے مشاہیر علماء و مشائخین کا متفقہ فیصلہ:

مسلم لیگ کو ووٹ دے کر
کانگریس کو شکست دی جائے

آل انڈیا سنی کانفرنس، مسلم لیگ کے ہر اس طریقہ عمل کی تائید کرسکتی ہے جو شریعت مطہرہ کے خلاف نہ ہو جیسے کہ الیکشن کے معاملہ میں کانگریس کو ناکام کرنے کی کوشش۔ اس میں مسلم لیگ جس مسلمان کو بھی اٹھائے، سنی کانفرنس کے اراکین وممبران اس کی تائید کرسکتے ہیں، ووٹ دے سکتے ہیں، دوسروں کو اس کے ووٹ دینے کی ترغیب دے سکتے ہیں مسئلہ پاکستان یعنی ہندوستان کے کسی حصہ میں آئین شریعت کے مطابق فقہی اصول پر حکومت قائم کرنا سنی کانفرنس کے نزدیک محمود و مستحسن ہے۔“

اس فتوے پر پچاس سے زیادہ اہل سنت کے جلیل القدر علماء کے دستخط ہیں، جن میں سرفہرست مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں (جانشین وفرزند امام احمد رضا بریلوی) صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی (خلیفہ امام احمد رضا) صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (خلیفہ امام احمد رضا) مفسر اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں (جانشین وفرزند حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں)

ان کے علاوہ دار العلوم مظہرِ اسلام بریلی کے مدرسین مولانا تقدس علی خاں، مہتمم، محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد، صدر مدرس، مولانا سردار علی خاں، مدرس مولانا وقار الدین پیلی بھیتی، مدرس مولانا عبد الغفور، مدرس مولانا احسان علی مظفر پوری، مدرس مولانا انوار احمد، مدرس اور مولانا فضل غنی، مدرس کے دستخط ہیں۔ یہ فتویٰ بصورتِ اشتہار شاعرِ آستانہ مولانا محمد یعقوب حسین ضیاء القادری پروپیگنڈہ سیکرٹری ڈسٹرکٹ سنی کانفرنس، بدایوں، یوپی نے شائع کیا۔ (عکس فتویٰ، قادیانی مرتد (مجلس رضا، لاہور) ص ۴۴)۔ اس کے علاوہ ۲۹ رمارچ ۱۹۴۶ء کو اخبار دبدبہ سکندری، رام پور، ج ۸۴ شمارہ ۱۵ میں بھی یہ فتویٰ شائع ہوا۔ (عکس فتویٰ: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس ص ۳۳۸)

۲۳ تا ۲۵ صفر مطابق ۲۸ تا ۳۰ جنوری ۱۳۶۵ھ/ ۱۹۴۶ء کو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے عرس مبارک کے موقع پر متحدہ پاک وہند کے اطراف واکناف سے تشریف لائے ہوئے علماء ومشائخ جمع ہیں اور ہر شخص مسئلہ پاکستان کے بارے میں سوچ رہا ہے۔ جذبات کے تلاطم کا یہ عالم کہ بازار میں قائم کیے جانے والے ہوٹلوں کے نام پاکستان کی نسبت سے رکھے جا رہے ہیں کسی ہوٹل کا نام حامدی پاکستان ہوٹل اور کسی کا رضوی پاکستان ہوٹل، یہ فضا صرف اسی وقت قائم ہو سکتی ہے، جب کسی مطالبے کی لہر، ہر کس وناکس کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہو۔

سٹیج پر جو مقرر آتا ہے، اس کا موضوع الیکشن اور پاکستان ہی ہے حضرت صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی (خلیفہ امام احمد رضا) نے اپنے خطاب میں فرمایا:

کانگریس فتنۂ عظیمہ ہے، وہ ہندوستان سے مسلمانوں کے استیصال کا ارادہ کر چکی ہے۔۔۔۔ علمائے اہل سنت مسلمانوں کو اس جال میں پھنستا دیکھ کر صبر نہیں کر سکتے، اس لیے ہم مدت سے اعلان کر رہے ہیں اور ہماری تمام سنی کانفرنسیں جو ملک کے گوشہ گوشہ میں ہر صوبہ میں قائم ہیں۔ کانگریس کے مقابلہ میں پوری جدوجہد کر رہی ہیں، چنانچہ پچھلے الیکشن (نومبر ۱۹۴۵ء مرکزی الیکشن) میں ان کانفرنسوں کی کوششیں بہت مفید ثابت ہوئیں۔ اس وقت (فروری ۱۹۴۶) میں ہونے والے صوبائی انتخابات کے لیے) ہم پھر یہی اعلان کرتے ہیں۔ (محمد جلال الدین قادری، مولانا: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس (بحوالہ دبدبہ سکندری) ص ۱۰۰-۹۸)

اس خطاب کے بعد حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی نے تائید کرتے ہوئے فرمایا:

"الیکشن کے معاملہ میں ہماری اجتماعی کوشش یہی ہے کہ کانگریس کو ناکام کر دیا جائے ہم اس خدمت کو مسلمانوں کے حق میں نافع سمجھ کر رضائے الٰہی کے لیے انجام دیتے ہیں۔" (محمد جلال الدین قادری، مولانا: خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس (بحوالہ دبدبہ سکندری) ص ۳۱۱)

مفتی اعظم پاکستان

۱۹۴۶ء کے فیصلہ کن الیکشن میں حضرت مفتی اعظم ہند مولانا محمد مصطفےٰ رضا خاں نے بریلی میں مسلم لیگ کے امیدوار کے حق میں سب سے پہلا ووٹ ڈالا۔ لیگی رضا کار انہیں جلوس کی شکل میں مفتی اعظم پاکستان کے نعرے لگاتے ہوئے واپس آستانہ رضویہ تک

لائے۔

حضرت مولانا تقدس علی خاں مدظلہ، پیر جو گوٹھ، سندھ فرماتے ہیں:

”حضرت مفتی اعظم ہند قدس سرہ العزیز غالباً ۱۹۴۶ء کے الیکشن میں جس میں کانگریس اور مسلم لیگ کا سخت مقابلہ تھا اور یہ فیصلہ ہونا تھا کہ پاکستان بنے یا نہیں؟ اس میں اول ووٹ حضرت کا ہوا، امیدوار عزیز احمد خاں ایڈووکیٹ تھے، عزیز احمد خاں مسلم لیگ کی طرف سے تھے، اور ووٹ ڈالنے کے بعد حضرت کو جلوس کی شکل میں مسلم لیگ کے رضا کار مفتی اعظم پاکستان کے نعروں کے ساتھ آستانہ شریف پر واپس لائے۔ (مکتوب بنام راقم الحروف: تحریر ۲۸ فروری ۱۹۸۵ء)۔

یہ واقعہ فروری ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات کا ہے جس میں بریلی، پیلی بھیت شہری حلقے میں مولوی عزیز احمد خاں، مسلم لیگ کے امیدوار تھے، انہیں ۱۵۳۱۱ ووٹ ملے، ان کے مقابل عبداللطیف فاروقی قوم پرست تھے، جنہیں ۶۰۶ ووٹ ملے تھے، مسلم لیگ کے امیدوار بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔ (ولی مظہر، ایڈووکیٹ: عظیم تحریک (مطبوعہ ملتان ۱۹۸۳ء) ج ۱، ص ۳۷۶)۔

آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶ء

یوں تو آل انڈیا سنی کانفرنس کی متحدہ پاک و ہند کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی کثیر التعداد شاخیں اور ان سے وابستہ ہزاروں علماء اپنے حلقوں میں تحریک پاکستان اور اس کے مقاصد سے عوام وخواص کو روشناس کرا رہے تھے، لیکن بنارس کا اجلاس اپنی جامعیت اور شان وشوکت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ تھا، اہل سنت وجماعت کے پانچ ہزار علماء ومشائخ اور ہر اجلاس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اجتماع (غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل (مکتبہ نعیمیہ رضویہ، لاہور) ص ۱۸۹)، شرکاء کے جنوں خیز جذبے اور پاکستان کے ساتھ گہرے قلبی لگاؤ کا غماز تھا۔ بلاشبہ یہ کانفرنس تحریک پاکستان کا وہ سنگِ میل ہے جس کے تذکرے کے بغیر قیام پاکستان کی کوئی تاریخ مکمل نہیں کہلا سکتی۔

یہ کانفرنس ۲۷ رتا ۳۰ راپریل ۱۹۴۶ء کو فاطماں باغ، بنارس میں منعقد ہوئی چاروں دن ہر اجلاس کی صدارت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے فرمائی (محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: تحریک آزادئ ہند اور السواد الاعظم، ص ۲۵۲-۳)۔ اس کانفرنس میں کیبنٹ مشن، مسٹر کرپس اور ان کے ساتھیوں کو بھی دعوت دی گئی تا کہ وہ پورے ملک کے نمائندہ اجتماع میں حاضر ہو کر بچشم خود، پاکستان سے متعلق مسلمانوں کے والہانہ جذبات کو دیکھ لیں، انہوں نے شمولیت کا وعدہ بھی کیا، لیکن اپنی گوناگوں مصروفیات کے سبب عین آخر وقت میں بذریعہ تار اپنی معذرت کا اظہار کر دیا۔ (غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل، ص ۱۸۹)

۱۹ اپریل ۱۹۴۶ء کو صبح نو بجے سے ایک بجے دوپہر تک، منعقد ہونے والے کانفرنس کے تیسرے اجلاس میں متفقہ طور پر یہ قرارداد منظور کی گئی:

”آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پر زور حمایت کرتا ہے، اور اعلان کرتا ہے کہ علماء ومشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی

حکومت قائم کریں جو قرآن کریم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو۔ (مختصر رپورٹ خطبہ صدارت، جمہوریہ اسلامیہ، مطبوعہ مرادآباد ۱۹۴۶ء، ص ۲۹)

اسی اجلاس میں اسلامی حکومت کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لیے ایک کمیٹی تشکیل کی گئی جس میں حسب ذیل حضرات شامل تھے:

''مولانا سید محمد محدث اعظم ہند کچھوچھوی، مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، مولانا مصطفےٰ رضا خاں بریلوی، مولانا امجد علی اعظمی، مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری (یہ تمام حضرات امام احمد رضا کے خلفاء ہیں) مولانا عبدالحامد بدایونی، دیوان سید آل رسول، اجمیر شریف، خواجہ قمرالدین سیالوی، سیال شریف، شاہ عبدالرحمٰن بھرچونڈی شریف (سندھ) مولانا سید امین الحسنات، مانکی شریف (سرحد) خان بہادر بخشی مصطفےٰ علی، مدراس، مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، لاہور۔'' (مختصر رپورٹ خطبہ صدارت، جمہوریہ اسلامیہ، مطبوعہ مرادآباد ۱۹۴۶ء، ص ۲۹)۔

۲۷؍اپریل ۱۹۴۶ء کو جمہوریت اسلامیہ (آل انڈیا سنی کانفرنس کا دوسرا نام) کی مجلس استقبالیہ کے صدر، محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی نے ولولہ انگیز اور انتہائی بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں انہوں نے فرمایا:

''آل انڈیا سنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے، جس میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں، بلکہ اسلام کی حکومت ہو، جس کو مختصریوں کہیے کہ خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہو۔'' (مختصر رپورٹ خطبہ صدارت، جمہوریہ اسلامیہ، مطبوعہ مرادآباد ۱۹۴۶ء، ص ۲۹)۔

آل انڈیا سنی کانفرنس، اجمیر منعقدہ ۷، ۸ جون ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں خطاب فرماتے ہوئے محدث اعظم ہند کچھوچھوی نے فرمایا:

''ان پاکوں کا عزم یہ ہے کہ رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بنا کر دکھا دینا ہے یہی علماء ومشائخ اور ان کے برگزیدہ عزائم اور ارادے ہیں، جس کا نام آل انڈیا سنی کانفرنس یا جمہوریت اسلامیہ ہے اور جس میں اس وقت صرف علماء ومشائخ کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے۔۔۔۔۔۔اب بحث کی لعنت چھوڑو۔۔۔۔۔۔اب غفلت کے جرم سے باز آؤ۔۔۔۔۔۔اٹھ پڑو۔۔۔۔۔کھڑے ہو جاؤ۔۔۔۔۔چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو۔۔۔۔۔۔پاکستان بنا لو۔۔۔تو جا کر دم لو۔۔۔کہ یہ کام اے سنیو! سن لو کہ صرف تمہارا ہے۔'' (الخطبۃ الاشرفیہ جمہوریۃ الاسلامیہ (مطبوعہ مرادآباد) ص ۸-۷)۔

آل انڈیا سنی کانفرنس کی تنظیم میں سب سے زیادہ حصہ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی کا تھا۔ ان کے سوز وگداز اور حکیمانہ طریق کار کا اثر یہ تھا کہ تمام علماء ومشائخ اہل سنت کو ایک سٹیج پر لا کھڑا کیا۔

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی آل انڈیا سنی کانفرنس کے بارے میں لکھتے ہیں:

اس کے ارکان پاکستان پر اس قدر اعتقاد رکھتے تھے کہ مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے جمہوریۃ اسلامیہ پنجاب کے آرگنائزر مولانا ابوالحسنات کو ایک خط میں لکھا:

''جمہوریۃ الاسلامیہ کو کسی بھی صورتِ حال میں پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار ہونا قبول نہیں، خواہ جناح خود اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔ کیبنٹ مشن تجاویز سے ہمارا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ (ریاست علی قادری، سید: معارف رضا (مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۳ء) ص۳۳۹)۔

بنارس کانفرنس کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

بنارس میں ۲۷ رتا ۳۰ راپریل ۱۹۴۶ء ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں پانچ ہزار علماء نے شرکت کی اور حاضرین ومندوبین کے سامنے پاکستان کی ضرورت واہمیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی۔ جب یہ علماء اپنے اپنے علاقوں میں واپس گئے۔ تو قیامِ پاکستان کی تحریک وسیع پیمانے پر پذیرائی حاصل ہوئی۔ (ریاست علی قادری، سید: معارف رضا (مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۳ء) ص۴۳۹)

صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی مساعی کی ہمہ گیری اور سنی کانفرنس کی بے پناہ مقبولیت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اس کے ممبران کی تعداد ایک کروڑ سے متجاوز ہو چکی تھی۔ (غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل، ص ۱۸۸)

حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی کی زبان میں قدرت نے ایسی تاثیر رکھی تھی کہ ان کی گفتگو سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی تحریکات کے زمانے میں ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی تھے۔ صدر الافاضل، دہلی جا کر مولانا جوہر سے ملے اور انہیں ہندوؤں سے اتحاد کے نقصانات کی طرف توجہ دلائی، خدا کی شان کہ مولانا جوہر نے فرمایا:

''مولانا: آپ گواہ رہیں، میں اب توبہ کرتا ہوں، آئندہ کبھی ہنود وغیر مسلموں سے اتحاد وداد نہ رکھوں گا۔۔ مولانا! میں نے ہندوؤں سے میل جول رکھ کر مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ دعا فرمایئے کہ ماتجی (باقی) عمر میں اس نقصان کی تلافی کر سکوں، اب میں گاندھی کے پاس جا رہا ہوں، آپ دیکھیں گے کہ یہ میری اس سے آخری ملاقات ہوگی۔ (غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل، ص۱۷۳)

مولانا جوہر، گاندھی کے پاس گئے اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے چند فارمولے اس کے سامنے رکھے، اس نے صاف انکار کر دیا اور مولانا جوہر لڑ کر واپس آ گئے اور بیزاری کا اعلان کر دیا۔ اس واقعہ کے تین ماہ بعد گول میز کانفرنس، لندن کے موقع پر ان کا وصال ہو گیا۔

مولانا شوکت علی نے خود مراد آباد جا کر صدر الافاضل کے سامنے ہندو مسلم اتحاد کے سلسلے میں سرزد ہونے والے غیر شرعی افعال واقوال سے توبہ کی۔ (غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل، ص۱۷۳-۲)

مولانا مفتی محمد برہان الحق جبل پوری، خلیفہ امام احمد رضا بریلوی نے بھی تحریک پاکستان میں نمایاں خدمات انجام دیں، ان کا بیان ہے:

"فقیر نے تعمیر پاکستان میں جو نمایاں حصہ لیا اور مسٹر جناح کے مشن کو تقویت دینے کے لیے صوبہ پنجاب، صوبہ سرحد اور صوبہ سندھ کا پورا دورہ کیا اور اس سلسلے میں جو فقیر کی تقریریں ہیں وہ ایک علیحدہ موضوع ہے جو بعونہٖ تعالیٰ قلم بند ہے، مگر فقیر اپنی شہرت کا نہ کبھی طالب ہوا، نہ اس کی اشاعت ضروری سمجھی۔ مسٹر جناح کے ایک شکریہ کا خط بھی محفوظ ہے۔ اللہ تعالیٰ میری کوششوں کو قبول فرمائے اور پاکستان کو ہر قسم کے شر و فساد اور پریشانی سے محفوظ فرمائے، آمین واللہ الموفق۔ (محمد برہان الحق جبل پوری، مفتی: اکرام امام احمد رضا (مجلس رضا، لاہور، ص ۱۱۸)

امام احمد رضا بریلوی کے ہم مسلک علماء و مشائخ نے تحریکِ پاکستان کی بھرپور حمایت کی۔ مشائخ میں سے حضرت امیر ملت پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوری، مانکی شریف، زکوڑی شریف، گولڑہ شریف، جلال پور شریف، سیال شریف، تونسہ شریف، بھر چونڈی شریف وغیرہم کے سجادہ نشین اور دیگر مشائخ کرام نے ہر طرح تحریک کا ساتھ دیا۔

علماء کرام میں سے مولانا عبدالحامد بدایونی، شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، شاہ عارف اللہ قادری، علامہ ابوالحسنات قادری، علامہ عبدالغفور ہزاروی، مولانا غلام الدین، لاہور۔ مولانا غلام محمد ترنم، مولانا محمد بخش مسلم، علامہ عبدالمصطفےٰ ازہری، مفتی محمد عمر نعیمی، علامہ احمد سعید کاظمی، مولانا شاہ احمد نورانی اور مولانا عبدالستار نیازی وغیرہم نے اس تحریک میں اہم کردار ادا کیا۔

اس موضوع پر تفصیلات جاننے کے لئے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

۱ تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم
۲ فاضل بریلوی اور ترکِ موالات
۳ خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس
۴ ابوالکلام آزاد کی تاریخی شکست
۵ اکابر تحریک پاکستان (۲ جلد)
۶ پاکستان کا پس منظر اور پیش منظر
۷ حیات صدر الافاضل
۸ معارفِ رضا

قیام پاکستان کے بعد حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی محدث اعظم ہند سید محمد محدث کچھوچھوی، مفتی محمد عمر نعیمی اور مولانا غلام معین الدین نعیمی، مارچ ۱۹۴۸ء میں پاکستان تشریف لائے اور دستور اسلامی کے مسئلے پر لاہور اور کراچی کے علماء سے مذاکرات کیے، طے پایا کہ صدر الافاضل دستور اسلامی کا مسودہ تیار کریں، کوشش کی جائے گی کہ پاکستان کی قومی اسمبلی سے اسے منظور کرایا جائے۔ اسی اثناء میں صدر الافاضل سخت علیل ہو گئے۔ اس لیے انہیں واپس جانا پڑا۔ مراد آباد جا کر ابھی دستور کی گیارہ دفعات تحریر کر پائے تھے کہ پیام اجل آ پہنچا اور ۱۸ رذی الحجہ ۲۲ را کتوبر ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء کو وصال فرما گئے۔ (محمد مسعود احمد، ڈاکٹر: تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، ص ۵۵)۔

جمعیۃ العلماء پاکستان

تقسیم ملک کے بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ انوار العلوم، ملتان میں علماء اہل سنت کا اجتماع ہوا، جس میں طے پایا کہ پاکستان میں سنی کانفرنس کا نام تبدیل کر کے جمعیۃ العلماء پاکستان رکھا جائے، کیونکہ دونوں ملکوں میں سنی کانفرنس کے نام سے کام کرنے سے مختلف دشواریاں پیش آسکتی ہیں۔

حضرت علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری سابق صدر پنجاب سنی کانفرنس کو جمعیۃ العلماء پاکستان کا صدر اور حضرت علامہ احمد سعید کاظمی کو ناظم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔ (غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل، ص ۱۹۶)۔

علامہ ابوالحسنات قادری کے بعد علامہ عبدالحامد بدایونی، صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلومہاروی، علامہ عبدالغفور ہزاروی شیخ الاسلام خواجہ قمر الدین سیالوی، یکے بعد دیگر جمعیت کے صدر رہے۔ ان دنوں قائد اہل سنت مولانا شاہ احمد نورانی صدر اور مجاہد ملت حضرت مولانا عبدالستار خان نیازی جنرل سیکرٹری ہیں۔

باب دوم

غیر مقلدین کی انگریز نوازی تاریخ کے آئینے میں

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

شیشے کے گھر

علماء اہل سنت وجماعت کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ ارباب اقتدار کی چوکھٹ پر جبہ سائی کو اپنے دینی منصب اور مقام کے خلاف سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس سے مجتنب رہے۔ وہ غیر مسلم حکمران تو کجا مسلمان سلاطین اور نوابوں سے بھی تعلق خاطر رکھنے کے روادار نہ ہوئے۔ ایک دفعہ امام احمد رضا خاں بریلوی سے ریاست نانپارہ کے نواب کی شان میں قصدیہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تو آپ نے حضور سید عالم ﷺ کی شان میں ایک نعت لکھی اور مقطع میں فرمایا۔

کروں مدحِ اہل دُول رضاؔ، پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

ایسے بے نفس اور پیکر ورع وتقویٰ حضرات کا انگریزی حکومت سے راہ ورسم رکھنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خوشامد اور تملق سے کام لینے کو کوئی انصاف پسند دیانت دار تصور بھی نہیں کرسکتا یہی روایت آج تک جاری ہے۔

پیش نظر مقالہ میں علماء اہل حدیث کی فکری اور سیاسی تاریخ کا ایک حصہ پیش کیا گیا ہے۔ احسان الٰہی ظہیر کی طرح خود ساختہ نتائج اخذ نہیں کیے گئے، بلکہ ان کی کتابوں کے اقتباسات من وعن پیش کر دیئے گئے ہیں۔ مقام حیرت ہے کہ اتنا کمزور اور نازک ماضی رکھنے کے باوجود غیر مقلدین، علماء اہل سنت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتے ہوئے نہیں شرماتے۔ کچھ عرصہ سے انہوں نے اتہام پردازی کی مہم چلا رکھی ہے، اس لیے انہیں آئینہ دکھانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد قارئین یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکیں گے کہ ان پر "شیشے کے مکان میں بیٹھے کر کلوخ اندازی" کی مثال کس قدر صحیح صادق آتی ہے۔

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

اہل حدیث کی وہابیت سے نفرت

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اہل حدیث آج تک وہابیت سے نفرت اور بیزاری کا اعلان کرتے رہے ہیں۔ مولوی محمد

حسین بٹالوی نے گورنمنٹ برطانیہ سے بڑی کوششوں کے بعد وہابی نام کی جگہ اہل حدیث منظور کرایا۔ ذیل کے چند اقتباسات اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

''ہند کے لوگوں کو وہابیہ نجدیہ سے نسبت دینا کمال نادانی اور نہایت بے وقوفی اور صریح غلطی ہے۔'' (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمان وہابیہ، ص ۱۴)۔ اس الزام کو رد کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن و حدیث پر عامل ہیں، ان کا نام اہل سنت و جماعت ہے نہ وہابی۔۔۔ اور ہندوستان کے اکثر مسلمان سنی مذہب رکھتے ہیں، نہ مذہب حنبلی۔۔۔ اور علماء اسلام نے جہاں تعداد بہتر فرقوں اس امت اسلام کی لکھی ہے اور نام بنام ان کو گنا ہے، ان میں کہیں کسی جگہ کسی فرقہ کا نام وہابیہ نہیں بتلایا اور یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو دین قدیم اسلام میں کوئی نئی راہ و طریقہ یا جدید مذہب و فساد کی بات نکالے، اس کا نام بدعتی اور ہوائی ہے اور وہ دوزخیوں میں ہے، پھر کس طرح کوئی سچا مسلمان کسی نئے طریقے نکالے ہوئے پر چل سکتا ہے اور وہ کب کسی لقب جدید کو اپنے لیے پسند کرے گا۔''

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمان وہابیہ، ص ۱۴)

غور کیجئے نواب صاحب کتنی صراحت کے ساتھ کہہ گئے ہیں کہ وہابی نجدی سچے مسلمان نہیں، بلکہ دوزخی ہیں، اس کے علاوہ حنبلیوں کے سنی ہونے کی بھی نفی کر گئے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں شائع ہونے والا جریدہ ''اشاعۃ السنۃ'' تمام اہل حدیث کا ترجمان رہا ہے، اس میں لکھا ہے:

''اہل حدیث کو وہابی کہنا لائبل (مزید حیثیت) ہے۔ (اشاعۃ السنۃ: ج ۱۰، شمارہ ۲، ص ۱۹ (حاشیہ)۔

نیز لکھا: ''وہابی باغی و نمک حرام''۔ (اشاعۃ السنۃ: ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۳۲ (حاشیہ)۔

''وہابی کا لفظ اس لیے بھی غلط تھا کہ یہاں کے اہل حدیث کو نجد کے وہابیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اہل نجد حنبلی ہیں۔ اہل حدیث کسی امام کے مقلد نہیں، لیکن انگریزوں نے انہیں زبردستی کہنا شروع کیا، اس کے خلاف جتنی کوششیں ہوئیں، وہ بالکل درست تھیں''۔ (غلام رسول مہر: افادات مہر (مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی) شیخ غلام علی، لاہور، ص ۲۳۶)

مگر آج کے اہل حدیث بڑے فخر سے اپنا تعلق وہابیت اور محمد بن عبدالوہاب نجدی سے جوڑ رہے ہیں، آخر کیوں، سوائے اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ نجدی ریالوں کی چمک دمک اپنی جانب کھینچ رہی ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

حب الدنیا راس کل خطیئۃ

ذرا افراط عقیدت دیکھیے: مجدد الدعوۃ السلفیۃ فی شبہ الجزیرۃ وامام اھل التوحید محی السنۃ قاطع الشرک والبدعۃ شیخ الاسلام محمد بن عبدالوھاب۔ (ظہیر:)۔

ایک ایک لفظ میں ریالوں کی کھنک محسوس کی جا سکتی ہے۔

۷/ زیقعدہ ۱۴۰۵ھ ۲۶/ جولائی ۱۹۸۵ء

شرف قادری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انگریزی دور---- زمانہ ترقی

متحدہ پاک و ہند میں انگریز کی آمد تک تمام مسلمان سنی حنفی مسلک سے وابستہ تھے۔ سلاطین بھی اکثر و بیشتر حنفی تھے، البتہ بعض بادشاہوں نے نئی راہیں اپنانے کی کوشش کی، مگر انہیں عامۃ المسلمین کی تائید وحمایت حاصل نہ ہوسکی۔ بعض مقامات پر فقہ جعفری پیروکار بھی پائے جاتے تھے، کہیں کہیں فقہ شافعی پر عمل کرنے والے بھی موجود تھے، اکثر احناف ہی کی تھی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

''خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں۔ اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور رفاضل، قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے۔'' (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمان وہابیہ، ص ۱۰)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعے اور کمتر اہل حدیث ہیں''۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۷)

جب سے اس سرزمین پر انگریز کے منحوس قدم آئے، تو دین و مذہب سے آزادی اور بے راہروی کی رو بھی چلی نکلی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث لکھتے ہیں:

''اے حضرات! یہ مذہب سے آزادی اور خودسری و خود اجتہادی کی تیز ہوا یورپ سے چلی ہے وار ہندوستان کے ہر شہر و بستی و کوچہ و گلی میں پھیل گئی ہے، جس نے غالباً ہندوؤں کو ہندو اور مسلمانوں کو مسلمان رہنے نہیں دیا۔ حنفی اور شافعی مذاہب کا تو کیا پوچھنا ہے۔'' (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنہ ج ۱۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۵)

آزادروی کی یہ ہوا اتفاقاً نہیں چلی تھی، بلکہ اس میں انگریزی حکومت کی منشا بھی شامل تھی۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

''فرمانبروایانِ بھوپال کو ہمیشہ آزادگی مذہب میں کوشش رہی جو خاص منشا گورنمنٹ انڈیا کا ہے۔۔۔۔ دولتِ عالیہ برٹش نے اس معاملہ میں قدیماً و حدیثاً ہر جگہ انصاف پر نظر رکھی ہے، کسی جگہ مجرد تہمت و افتراء پر کاروائی خلاف واقع نہیں فرمائی، بلکہ اشتہار آزادی مذہب جاری کیے۔'' (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیت (مطبع محمدی، لاہور) ص ۳)

مزید لکھتے ہیں:

''اگر کوئی بدخواہ و بداندیش سلطنت برٹش کا ہوگا، تو وہی شخص ہوگا جو آزادگی مذہب کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ دادوں کے وقت سے چلا آتا ہے، جما ہوا ہے۔'' (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیت (مطبع محمدی، لاہور) ص ۵)

خاص طور پر حنفی، شافعی وغیرہ مذاہب سے آزادی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ آزادگی ہماری مذاہب جدیدہ سے عین مراد

قانونِ انگلشیہ ہے۔" (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ (مطبع محمدی، لاہور) ص۲۰)

ملکہ وکٹوریہ کے جشنِ جوبلی پر غیر مقلدین کی طرف سے جو ایڈریس (سپاسنامہ) پیش کیا گیا، اُس کی ایک شق یہ تھی:

"وہ خصوصیت ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے، بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے"۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹: شمارہ ۷: ص۲۰۶)

مولوی محمد حسین بٹالوی، حکومت کے "وہابی" کی بجائے اہل حدیث نام الاٹ کرنے پر شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"فرقہ اہل حدیث، گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے اور اپنے ہر دل عزیز اور مسلمانوں کے خیر خواہ وائسرائے لارڈ ڈفرن اور اپنے پیارے اور رحم دل اور فیاض لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچی سن کا تہ دل سے شکر گزار ہے اور بعوض وشکریہ اس احسان اور احسانات سابقہ کے (جو بشمول دیگر رعایا خصوصاً اہل اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں) علی الخواص احسان آزادی مذہبی کے (جس سے یہ فرقہ عام اہل اسلام سے بڑھ کر ایک خصوصیت کے ساتھ فائدہ اُٹھا رہا ہے)"۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹: شمارہ ۷: ص۲۰۳)

ایک جگہ تو پوری صراحت کے ساتھ غیر مقلدین کی آزادی روی کو انگریزی حکومت کے اشارہ ابرو کا مرہون منت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ لوگ (غیر مقلدین) اپنے دین میں وہی آزادگی برتتے ہیں، جس کا اشتہار بار بار انگریزی سرکار سے جاری ہوا ہے۔ خصوصاً دربارِ دہلی میں جو سب درباروں کا سردار ہے۔۔۔۔ یہ آزادگی سرکار برٹش کو یا ان کو جو اس حکومت میں اظہار اپنی آزادگی مذہب خاص کا کرتے ہیں، مبارک رہے، اب تامل کرنا چاہیے کہ دشمن سرکار کا وہ ہوگا جو کسی قید میں اسیر (مقلد) ہے یا وہ ہوگا جو آزاد وفقیر (غیر مقلد) ہے"۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ ص۳)

محمد حسین بٹالوی اپنے فرقے کا تعلق تمام سلف صالحین سے قطع کر کے صرف نبی اکرم ﷺ کا مقلد ہونا ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ فرقہ اہل حدیث بجز پیغمبر ﷺ کسی صحابی (ابو بکر، عمر فاروق، علی مرتضیٰ، عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کسی تابعی (حسن بصری، زہری، سعید بن المسیب وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) کسی امام (ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی صوفی (جنید بغدادی، شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی مولوی زندہ یا مردہ کا محض مقلد نہیں ہے اور اسی وجہ سے اس گروہ کا نام ان کے مخالفوں نے لا مذہب وغیرہ مقلد رکھا ہوا ہے۔" (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ ۳، ص۴۷)

گویا صراط الذین انعمت علیہم والا صراط مستقیم فرسودہ ہو چکا تھا، اس لیے نئے راستے کی ضرورت پیدا ہوئی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اس فرقہ کے نو پیدا ہونے کی شہادت دیتے ہیں:

فقد نبتت فی ھذاالزمان فرقة ذات سمعة و ریاء تدعی لانفسھا علم الحدیث و القرآن والعمل بھما علی العلات فی کل شان مع انھالیست فی شیئی من اھل العلم والعمل والعرفان۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: الحطہ: اسلامی اکیڈمی، لاہور: ص ۱۵۲)

''اس زمانہ میں نمائش اور ریا کا عادی فرقہ پیدا ہوا ہے جو اپنے علاتی بھائیوں (احناف) کے مقابل حدیث وقرآن کے علم اور ہر معاملے میں قرآن وحدیث پر عمل کا دعویٰ کرتا ہے، حالانکہ علم، عمل اور معرفت میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے''۔

میاں نذیر حسین دہلوی کے استاذ اور خسر مولانا عبدالخالق فرماتے ہیں:

''سو بانی مبانی اس طریقہ احداث (غیر مقلدین) کا عبدالحق ہے جو چند روز سے بنارس میں رہتا ہے''۔ (عبدالخالق، مولانا: تنبیہ الضالین (مطبع ریاض ہند، آگرہ) ص ۳)

مولوی محمد شاہ شاہجہانپوری جو خود غیر مقلد ہیں، لکھتے ہیں:

''کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں جس سے لوگ بالکل ناآشنا ہیں، پچھلے زمانہ میں شاذ ونادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں، مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔''

اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔

(بشیر احمد قادری: اہل حدیث اور انگریز (ابوحنیفہ اکیڈمی، فقیر والی) ص ۱۶-۱۵ بحوالہ الارشاد الی سبیل الرشاد، ص ۱۳)

تقلید ائمہ اور اجماع کا انکار

ہندوستان کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت مذہب حنفی سے وابستہ تھی۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

''اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعے اور کمتر اہل حدیث ہیں۔''

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۷)

ایسے عالم میں تشکیک کی فضا قائم کرنا اور عامۃ المسلمین کو ائمہ دین کی پیروی سے منع کرنا، وحدتِ ملی کے ختم کرنے کی جانب پہلا قدم تھا، غیر مقلدین کے پہلے امام شاہ اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں:

''اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں کتنے پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں۔ کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی (اجتہاد) سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں اور سب سے بہتر راہ یہ ہے کہ اللہ ورسول کے کلام کو اصل رکھئے اور اس کی سند پکڑیئے۔'' (اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۳)

حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ مقلدین قرآن وحدیث کے ان احکام پر عمل کرتے ہیں جو ائمہ دین نے بیان کیے جن کے علم وفضل اور تقویٰ ودیانت پر تمام دنیا کے مسلمان متفق ہیں، جبکہ غیر مقلدین براہِ راست قرآن وحدیث سے احکام حاصل کرنے اور اجتہاد کے مدعی ہیں ان غیر مقلدین کو قرآن وحدیث کے فہم میں ائمہ مجتہدین سے کیا نسبت؟ جن کی جلالت اور ثقاہت پر دنیا کے تمام مسلمان متفق ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فاذا کان جاهل فی بلاد الهند او بلا دما وراء النهر ولیس هناك عالم شافعی ولا ما لکی ولا حنبلی ولا کتاب من کتب هذه المذاهب وجب علیه ان یقلد لمذهب ابی حنیفة ویحرم علیه ان یخرج من مذهبه لا نه حینئذ یخلع ربقة الشریعة ویبقی سدا مهملا۔ (ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ: الانصاف (مکتبہ ایشیق استانبول) ص ۴۲)

"جب ہند اور ماوراء النہر کے شہروں میں کوئی بے علم شخص ہو اور وہاں کوئی شافعی، مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور ان مذاہب کی کوئی کتاب بھی نہ ہو تو اس پر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے اور اس پر حرام ہے کہ امام کے مذہب کو ترک کرے، کیونکہ وہ اس وقت شریعت کا قلادہ (گلے سے) اتار پھینکے گا اور بے کار اور مہمل رہ جائے گا۔"

چھوٹا منہ اور بڑی بات

نواب صدیق حسن خاں اپنے زمانہ کے مدعیانِ علم کے بارے میں لکھتے ہیں، اس سے واضح ہو جائے گا کہ عالم کون ہے اور بے علم کون؟

ان قصاری نظر ابناء هذا االزمان فی علم الحدیث فی مشارق الانور فان ترفعت الی مصابیح البغوی ظنت انها تصل الی درجة المحدثین وما ذاك الالجهلهم بالحدیث بل لو حفظهما عن ظهر قلب وضم الیهما من المتون مثلهما لم یکن محدثا (حتیّ یلج الجمل فی سم الخیاط) وانما الذی یعده اهل الزمان بالغا الی النهایة وینا دونه محدث المحدثین وبخاری العصر من اشتغل بجامع الاصول لابن الا ثیر مع حفظ علوم الحدیث لا بن الصلاح اِو التقریب للنووی الاانه لیس فی شیئی من رتبة المحدثین۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی: الحطہ، ص ۱۵۲)

"علم حدیث میں ہمارے معاصرین کی نظر زیادہ سے زیادہ مشارق الانوار تک ہے اور اگر وہ امام بغوی کی مصابیح تک پہنچ جائیں، تو اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ درجہ محدثین تک پہنچ گئے ہیں، حالانکہ وہ اگر ان دونوں کتابوں کو زبانی یاد کر لیں اور ان کے علاوہ دیگر متون بھی حفظ کر لیں تو وہ محدث نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔

ہمارے معاصرین جسے انتہا کو پہنچا ہوا شمار کرتے ہیں اور اسے محدثوں کا محدث اور بخاریٔ عصر کہتے ہیں وہ ہے جو ابن اثیر کی جامع الاصول (کے پڑھنے پڑھانے) میں مصروف ہو اور ابن صلاح کی علوم الحدیث یا امام نووی کی تقریب اسے یاد ہو حالانکہ اسے، محدثین کا کوئی مرتبہ حاصل نہیں ہے۔"

خود نواب صاحب نے ائمہ مجتہدین کی راہ پر چلنے سے جا بجا انکار کیا ہے اور دنیا بھر کے حنفی شافعی، مالکی اور حنبلی مسلمانوں کے اجماع کو قبول کرنے سے گریز کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

"ہم ایک خدا کے ماننے والے اور ایک نبی برحق کی چال چلنے والے اپنے تئیں کسی اگلے بڑے اماموں کی طرف منسوب

نہیں کرتے۔ نہ اپنے تئیں حنفی اور شافعی کہتے ہیں اور نہ حنبلی اور مالکی کہنے سے راضی ہوتے ہیں۔'' (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمان وہابیہ، ص۱۹)

اس سے چند سطر بعد اجماع کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ صرف کتاب وسنت (اجماع کا کوئی ذکر نہیں) کی دلیلوں کو اپنا دستور العمل ٹھیراتے ہیں اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں۔'' (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمان وہابیہ، ص۲۰)

ائمۂ مجتہدین کے اجتہادات کو مکر وفریب اور امتِ مسلمہ کی غالب اکثریت کو خرابیوں کے جال میں گرفتار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور پر ظاہر ہے کہ سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبوں اور دغابازیوں کی علم رائے (اجتہاد) ہے جو مسلمانوں میں بعد پیغمبر برحق کے پھیلا ہے اور مہا جال، ان سب خرابیوں کا بول چال فقہا اور مقلدوں کی ہے۔'' (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمان وہابیہ، ص۲۴)

چند سطر بعد اس سے بھی آگے کی خبر دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

''غرض یہ کہ اگر غور سے دیکھو اور خوب خیال کرو، تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں کی بنیاد یہی گروہ ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب وغیرہ کا مقلد کہتا ہے۔'' (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمان وہابیہ، ص۲۴)

نواب وحید الزماں جو خود بھی غیر مقلد ہیں، اپنے بھائیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر، صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے، اس کو بھی نہیں سنتے ہیں۔'' (محمد عبد الحلیم چشتی: حیات وحید الزماں، نور محمد، کراچی، ص۱۰۲، (بحوالہ وحید اللغات، مادہ شر شعب)

غیر مقلدین کی تقلید

لطف کی بات یہ کہ ائمۂ مجتہدین کی تقلید کو عار جاننے والے، ابن تیمیہ، ابن قیم اور شوکانی کے اقوال کے آگے مقلدانہ سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ نواب وحید الزماں اس غلو پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا، بس اس کے پیچھے پڑ گئے، برا بھلا کہنے لگے۔''

بھائیو! ذرا غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابو حنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑ دی، تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو ان سے

بہت متاخر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟ (محمد عبدالحلیم چشتی: حیات وحید الزماں (بحوالہ وحید اللغات) ص ۱۰۲)

اسی لیے میاں نذیر حسین دہلوی کے استاذ اور خسر مولانا عبدالخالق لکھتے ہیں:

''جیسے یہ نئے مذہب والے (غیر مقلدین) ہیں کہ کسی مذہب کو نہیں مانتے، تو وہ مقرر اجماعِ امتِ مرحومہ کا مخالف ہے، اس کو محمدی خالص جاننا عین ذلالت ہے۔'' (عبدالخالق، مولانا: تنبیہ الضالین (مطبع ریاض ہند، آگرہ) ص ۳۹)

مولانا عبدالحی لکھنوی اس قسم کے نو پیدا فرقوں کے ظہور اور ان کے پیدا ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولعمری افسادھؤ لاء الملاحدة والفساد اخوانھم الاصاغر المشھررین بغیر المقلدین الذی سموا انفسھم باھل الحدیث وشتان مابینھم وبین اھل الحدیث قد شاع فی جمیع بلاد الھند وبعض بلاد غیر الھند فخربت بہ البلاد ووقع النزاع والعناد فالی اللہ المشتکیٰ والیہ المتضرع والملتجیٰ بدأالذین غریبا وسیعود غریبا فطوبیٰ للغرباء٥

ولقد کان حدوث مثل ھٰولاء المفسدین والملحدین فی الازمنة السابقة فی ازمنة السلطنة الاسلامیة غیر مرة فقا بلتھم اساطین الملة وسلاطین الامة بالصوارم المنکبة واجروا علیھم الجواز م المفنیة فاند فعت فتنتھم بھلا کھم ولما لم تبق فی بلاد الھند فی اعصار تاسلطنة اسلامیة ذات شوکة وقوة عمت الفتن واوقعت عباد اللہ فی المحن فانا للہ وانا الیہ راجعون۔ (عبدالحی لکھنوی، مولانا: الآ ثار المرفوعۃ (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ص ۹)

''ملحد نیچریوں کے چھوٹے بھائی غیر مقلدین ہیں جنہوں نے اپنا نام اہل حدیث رکھا ہوا ہے، حالانکہ ان کے اور اہل حدیث کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے، ان دونوں فرقوں کا فساد ہندوستان کے تمام شہروں اور بیرونِ ہند کے بعض شہروں میں پھیل گیا ہے، چنانچہ شہر خراب ہو گئے اور جھگڑا اور عناد پیدا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں شکایت، عاجزی اور التجا ہے، دین کی ابتداء غربت میں ہوئی اور وہ پھر غریب ہو جائے گا۔ پس غربا کے لیے خوشخبری ہے۔

ایسے مفسدین اور ملحدین، گزشتہ ادوار میں اسلامی سلطنت کے زمانے میں کئی دفعہ پیدا ہوتے رہے، ملتِ اسلامیہ کے سلاطین تلواروں سے ان کا مقابلہ کرتے رہے اور ان کے خاتمہ حتمی احکام صادر کرتے رہے۔ چنانچہ ان کی ہلاکت کے ساتھ ان کا فتنہ سرد ہوتا رہا اور جب ہمارے زمانے کے ہندوستان میں قوت وشوکت والی اسلامی سلطنت باقی نہ رہی تو فتنے عام ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مصیبتوں میں ڈال دیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔''

مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

''راقم کو اگر کوئی طنز سے وہابی کہتا ہے تو تردید کی ضرورت نہیں سمجھتا، لیکن اگر کوئی اہل حدیث کے نام سے یاد کرے، تو اس سے برأت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، اہل حدیث سے تحزب اور گروہ بندی کی بو آتی ہے۔''

(مسعود عالم ندوی: حاشیہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور) ص ۲۹)

فرقہ قلیلہ

پاک وہند میں غالب اکثریت سنی حنفی مسلمانوں کی رہی ہے۔ غیر مقلدین ہمیشہ تعداد میں کم رہے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف خود انہیں بھی رہا ہے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے ہم خیال علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''پھر خاص اپنے گروہ جو عام مسلمانوں کی نسبت ایسے ہیں جیسے آٹے میں نمک، کی قلت پر اور عام مسلمانوں کی نظروں میں ان کی حقارت اور ذلت پر ترس کھائیں، اس قلت اور ذلت کو اور نہ بڑھائیں۔'' (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۷، شمارہ ۱۲، ص ۲۷۰)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کہتے ہیں:

''خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں۔'' (صدیق حسن بھوپالی: ترجمان وہابیہ: ص ۱۰)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''حنفیہ جن سے یہ ملک بالکل بھرا ہوا ہے'' (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ: ص ۱۵)

ان کا یہ قول بھی قابل ملاحظہ ہے:

''اور ہند کے (مسلمان) اکثر حنفی اور بعضے شیعہ اور کمتر اہل حدیث''۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۵)

''امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے، اَسّی سال قبل پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔'' (ثناء اللہ امرتسری: شمع توحید (مطبوعہ سرگودھا) ص ۴۰)

طرفہ تماشا یہ کہ اس تمام تر قلت اور ذلت کے باوجود دنیا بھر کی برائیوں کا الزام سوادِ اعظم احناف کو دینے سے باز نہیں آتے اور صاف کہہ دیتے ہیں:

''اگر غور سے دیکھو اور خوب خیال کرو تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں کی بنیاد یہی گروہ ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب وغیرہ کا مقلد کہتا ہے۔'' (صدیق حسن خان بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۳)

مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان میں اسلام کی آمد سے آج تک جو جماعت غالب اکثریت کے ساتھ موجود رہی، وہ جھوٹی ہے اور سچا فرقہ صرف وہ ہے جو انگریز کی آمد کے بعد پیدا ہوا فیا للعجب:

مولوی بشیر احمد قادری دیو بندی لکھتے ہیں:

''سارے عالم اسلام میں غیر مقلدین کا فرقہ باقاعدہ جماعتی رنگ میں کبھی پہلے تھا اور نہ ہی اب موجود ہے۔ صرف ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں یہ فرقہ کہیں کہیں پایا جاتا ہے، لیکن ہندوستان میں انگریز کی حکمرانی سے قبل اس گروہ کا کہیں بھی نام ونشان تک نہ تھا۔ ہندوستان میں اس فرقہ کا ظہور وجود، انگریز کی نظرِ کرم اور چشم التفات کا رہین منت ہے۔''

(بشیر احمد قادری: اہل حدیث اور انگریز (ابو حنیفہ اکیڈمی، فقیر والی، بہاولنگر) ص ٦)

فتنوں کا سرچشمہ

سلف صالحین اور ائمۂ مجتہدین کا راستہ اور طریقہ نہ صرف **صراط الذین انعمت علیھم** کا مصداق ہے، بلکہ ان حضرات کی پیروی وہ بابرکت قلعہ ہے جس کے اندر رہنے والا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نئے نئے فتنوں سے محفوظ اور مامون رہتا ہے اور جب کوئی شخص ان حفاظتی حدود کو پھلانگ جاتا ہے تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس گڑھے میں جا گرے گا۔

غیر مقلدین نے اتباعِ ائمہ کی رسی اپنی گردن سے کیا اتار دی کہ جو شخص جس شکاری کی زد میں آیا، اسی کے جال میں گرفتار ہو گیا۔

غیر مقلد عالم قاضی عبدالاحد خانپوری لکھتے ہیں:

''پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین، مخالفین، سلف صالحین جو حقیقت ما جاء بہ الرسول سے جاہل ہیں، وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں، شیعہ وروافض کے، یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر ونفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ وزنادقہ کا تھے اسلام کی طرف، یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں، ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہٖ مثل اہلِ تشیع۔'' (بشیر احمد قادری: غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں (مطبوعہ فقیر والی) ص ۳۰)

محمد سعید الرحمٰن علوی دیوبندی لکھتے ہیں:

''دعویٰ تو اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نیچریت، انکارِ حدیث قادیانیت سمیت اکثر وبیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے پیدا ہوئے۔'' (بشیر احمد قادری: اہل حدیث اور انگریز (مقدمہ) ص ۳)

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

''سرسید کا مذہب اسلامی دنیا کو معلوم ہے کہ عقلی تاویلات اور ملاحدہ یورپ کے خیالات تھے، چند روز انہوں نے اہل حدیث کہلایا۔'' (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۲)

نواب صدیق حسین بھوپالی لکھتے ہیں:

''سید احمد خاں سی ایس آئی دعوی وہابیت کا کرتے ہیں۔'' (صدیق حسین بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۷)

''قادیان میں مرزا پیدا ہوا، تو اس کو بھی اہل حدیث کے مولوی حکیم نور الدین بھیروی، جمونی اور مولوی احسن امروہوی بھوپالی نے ویلکم یا لبیک کہا۔ فتنہ انکار حدیث (چکڑالوی مذہب) نے مسجد چینیا نوالی (لاہور) میں جو اہلحدیث کی مسجد ہے، جنم لیا اور چٹو ومحکم الدین وغیرہ (جو اہل حدیث کہلاتے تھے) کی گود میں نشو ونما پایا اور یہی مسجد بانی مذہب چکڑالوی کا ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹ شمارہ ۸، ص ۲۵۲)

آج کل احسان الٰہی ظہیر اسی مسجد کے خطیب ہیں۔

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی لکھتے ہیں:

''اس مقصد کے لیے بھی غیر مقلدین نے اس (انگریز) کو چند نہایت موزوں افراد فراہم کیے۔ یہ تھے لاہور کی چینیا نوالی مسجد کے خطیب عبداللہ چکڑالوی، احمد دین بگوی، اسلم جیراجپوری، نیاز فتح پوری اور ان کے اتباع واذناب یہ اشخاص انگریز کی آرزوؤں، خواہشوں اور تمناؤں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہایت تیزی سے آگے بڑھے اور فرقۂ انکار حدیث کی بنیاد رکھی۔

(بشیر احمد قادری: اہل حدیث اور انگریز، ص۱۱-۱۰)

مولوی بشیر احمد دیوبندی ''خیر التقلید'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''جناب بٹالوی صاحب۔۔۔۔لکھتے ہیں:۔۔۔پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کے جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر و ارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔

(بشیر احمد قادری: اہل حدیث اپنے اکابر کی نظر میں، ص۳۲)

علماء دیوبند۔۔۔۔اور اہل حدیث

دیوبندی مکتب فکر کے، اعتقادیات میں اہل حدیث کے ساتھ متفق ہونے کے باوجود اہل حدیث کے بارے میں تاثرات لائق مطالعہ ہیں۔

غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ

مولوی اشرف علی تھانوی، محمد حسین بٹالوی کے بارے میں کہتے ہیں:

''مولانا موصوف غیر مقلد تھے، مگر منصف مزاج، حضرت (تھانوی صاحب) نے فرمایا کہ میں نے خود ان کے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' میں ان کا یہ مضمون دیکھا ہے، جس کا خلاصہ ہے کہ:

''پچیس سال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ ہے۔''

حضرت گنگوہی نے اس قول کو سبیل السداد میں نقل کیا ہے۔

(محمد شفیع، مفتی: مجالس حکیم الامت (دارالاشاعت، کراچی) ص۲۳۲)

تھانوی صاحب کے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

''ارشاد فرمایا کہ غیر مقلدی بے عقلی کی دلیل ہے، بے دینی کی نہیں، ہاں جو ائمۂ مجتہدین پر تبرا کرے، تو بے دینی ہے۔'' (محمد شفیع، مفتی: مجالسِ حکیم الامت (دارالاشاعت، کراچی) ص۲۳۳)

بے ادب اور گستاخ

''ایسے ہی اکثر غیر مقلد ہیں، حدیث کا تو نام ہی نام ہے، محض قیاسات ہی قیاسات ہیں، اپنے ہی مقلد ہیں، حدیث کی

تو ہوا بھی نہیں لگی اور ایک چیز کا تو ان میں نام ونشان نہیں، وہ ادب ہے، نہایت ہی گستاخ اور بے ادب ہوتے ہیں جو جس کو چاہتے ہیں کہہ ڈالتے ہیں، بڑے جری ہیں اس باب میں اور بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنے والا بڑے ہی خطرہ میں ہوتا ہے سوء خاتمہ کا۔

(محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ (ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، ج ۴، ص ۲۴)

رخصتوں کا مجموعہ

''حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اکثر غیر مقلدوں کے مذہب کا حاصل مجموعہ رخص (رخصتوں پر عمل کرنا) ہے جس کا نتیجہ بد دینی ہے۔

(محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ (ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، ج ۴، ص ۲۶۹)

غیر مقلد ہونا آسان

''غیر مقلد ہونا تو بہت آسان ہے، البتہ مقلد ہونا مشکل ہے، کیونکہ غیر مقلدی میں تو یہ ہے کہ جو جی میں آیا کر لیا، جسے چاہا بدعت کہہ دیا، جسے چاہا سنت کہہ دیا، کوئی معیار ہی نہیں، مگر مقلد ایسا نہیں کر سکتا، اس کو قدم قدم پر دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہے۔ بعضے آزاد غیر مقلدوں کی ایسی مثال ہے کہ جیسے سانڈ ہوتے ہیں۔ اس کھیت میں منہ مارا، اس کھیت میں نہ مارا، نہ کوئی کھونٹا ہے نہ تھان۔

(محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ، ج ۴، ص ۲۹۴)

ادب وتہذیب سے دور

اکثر پکے محبِ دنیا ہیں، بزرگوں سے بدگمانی اس قدر بڑھی ہوئی ہے جس کا کوئی حد وحساب نہیں اور اس سے آگے بڑھ کر یہ ہے کہ بدزبانی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ادب اور تہذیب ان کو چھو بھی نہیں گئے۔ ہاں بعضے محتاط بھی ہیں۔ **وقلیل ماھم** (محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ، ج ۱، ص ۲۲۲) (اور وہ بہت تھوڑے ہیں)۔

نیت پر بھی شبہ

''بعضے غیر مقلدوں میں تشدد بہت ہوتا ہے، طبیعت میں شر ہوتا ہے اور مجھے تو الا ماشاء اللہ ان کی نیت پر بھی شبہ ہے۔ سنت سمجھ کر شاید ہی کوئی عمل کرتے ہوں، مشکل ہی سا معلوم ہوتا ہے۔ (محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ، ج ۱، ص ۲۲۲)

ابطالِ سنت

''آج کل کے اکثر غیر مقلدوں میں تو سوء ظن کا خاص مرض ہے۔ کسی کے ساتھ بھی حسنِ ظن نہیں رکھتے۔ بڑے ہی جری ہوتے ہیں، جو جی میں آتا ہے جس کو چاہتے ہیں جو چاہیں کہہ ڈالتے ہیں۔ ایک سنت کی حمایت میں دوسری سنت کا ابطال کرنے لگتے

ہیں۔ (محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ، ج ۱، ص ۳۰۹)

فتنوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے

ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے سابق مدیر، محمد سعید الرحمٰن علوی لکھتے ہیں: ''دعویٰ اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نیچریت، انکارِ حدیث، قادیانیت سمیت اکثر و بیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے پیدا ہوئے''۔ (محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ، ج ۱۲، ص ۳۲۲)

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی، مدرس مدرسہ قاسم العلوم، فقیروالی لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں اس فرقے کا ظہور و وجود، انگریز کی نظر کرم اور چشم التفات کا رہین منت ہے۔ ہندوستان میں جب انگریز نے اپنے منحوس قدم جمائے،، تو اس نے مسلمانوں میں انتشار و خلفشار، اختلاف و افتراق اور تشتت ولامرکزیت پیدا کرنے کے لیے ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کے شاطرانہ اصول کے تحت یہاں کے باشندگان کو مذہبی آزادی دی۔۔۔ کیونکہ وہ ابلیسِ سیاست تھا، بنابریں وہ بخوبی جانتا تھا کہ مذہبی آزاد خیالی ہی تمام فتنوں کا منبع، مصدر اور سرچشمہ ہے، اس مذہبی آزادی کے نتیجہ فرقہ غیر مقلدین ظہور پذیر ہوا۔ (بشیر احمد قادری، اہل حدیث اور انگریز، ص ۶)

آخر میں بہ طور خلاصہ لکھتے ہیں:

کیا وہ جماعت (جس کے بانی، موسس ایسے گھناؤنے کردار اور گھٹیا ذہن کے مالک ہوں جن کی ساری زندگی انگریز پرستی اور اسلام دشمنی میں گزری ہو، جن کی زندگی کا مشن اور نصیب العین ہی انگریز کی وفاداری اور جاں نثاری ہو، جو انگریز سرکار کے مقاصد کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہوں) محبِ وطن اور ملک و ملت کی غم خوار اور بہی خواہ ہوسکتی ہے؟ کیا ایسی جماعت صحیح اسلام کی علمبردار ہوسکتی ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔

۔۔۔۔۔۔ جب ان کے اکابر کے کردار کا یہ حال ہے، تو ان کے اصاغر کے کردار کا اندازہ، ناظرین کرام بخوبی لگا سکتے ہیں۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا (بشیر احمد قادری، اہل حدیث اور انگریز، ص ۶)۔

بے ادب اور گستاخ

آزادروی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اس طبقے کا رجحان خطرناک حد تک گستاخی اور بے ادبی کی طرف ہوگیا، علماء اہل سنت کے شدید محاسبے نے کسی حد تک روک تھام کی ورنہ یہ منہ زور سیلاب نہ جانے کہاں تک جا پہنچتا۔

چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

- غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے دریافت کر لیجئے، یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔ (محمد اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۲۳)

اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ غیب کا علم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں ہے، معاذ اللہ: وہ غیب سے جاہل رہتا ہے، تاوقت یہ کہ اس کے جاننے کا ارادہ نہ کرے۔

✿ اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔" (محمد اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۱۵)۔

اس عبارت کو پڑھ کر بندۂ مومن کی روح تک کانپ اٹھتی ہے: ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، میں تمام انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کرام سب ہی آگئے۔ ان کے بارے میں یہ ذلیل کلمات لکھنا کس قدر متعفن ذہنیت کا غماز ہے؟ کوئی عیسائی یہ کلمات لکھتا تو بات سمجھ میں آسکتی تھی، مگر حیف ہے کہ یہ کلمات ایک کلمہ پڑھنے والے نے لکھے ہیں۔

✿ شیخ اور ان کے امثال، خواہ وہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، کی طرف ہمت کا لگا دینا، اپنی گائے اور گدھے کے خیال میں غرق ہونے سے بدرجہا بدتر ہے۔"

(محمد اسمٰعیل دہلوی، صراطِ مستقیم، فارسی (مکتبہ سلفیہ، لاہور) ص ۸۶)۔ ترجمہ

"ہمیں بحث و مناظرہ سے غرض نہیں ہے۔ اگر آپ کے سینے میں دل اور دل میں نور ایمان کی کوئی کرن موجود ہے تو انصاف و دیانت کے نام پر بتائیے کہ اس میں سید عالم ﷺ کی توہین و تنقیص ہے یا نہیں؟ اور کیا توحید کی تکمیل کے لیے تنقیصِ رسالت ضروری ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر عرض کرتے ہیں کہ ایسی توحید شیطانی تو ہو سکتی ہے، رحمانی ہرگز نہیں۔"

مولانا رومی اور مولانا جامی رحمہا اللہ تعالیٰ کی عظمت و ولایت کا ایک جہان معترف ہے، مگر اہل حدیث انہیں کن القاب سے یاد کرتے ہیں؟ مولوی نور محمد کی تصنیف شہباز شریعت کا مطالعہ کیجئے، وہ لکھتے ہیں:

ایہ جامی کتا بھوکیا اندر تختے کفراں والے
جو جامی، رومی دے جھلک اوو کافر سڑن نہ کالے
مثنوی رومی دے وچ جامی شارح چک چلایا
بلکیاں کتیاں والے چکوں رکھیں شرم خدایا

(نور محمد، مولوی: شہباز شریعت (مطبع محمدی، لاہور) ص ۳-۱۳۲)

یاد رہے کہ علامہ اقبال، پیر رومی کے اس قدر عقیدت مند ہیں کہ اپنے کلام میں جا بجا ان کے ارشادات کا تذکرہ کرتے ہیں اور مولانا جامی کی عظمتوں کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

کشتۂ انداز ملا جامیم
نظم و نثر او علاج خامیم

اللہ تعالیٰ بزرگانِ دین کی بے ادبی اور گستاخی سے محفوظ رکھے۔

عامۃ المسلمین کو بات بات پر مشرک قرار دینا، تو اس قوم کا دل پسند مشغلہ ہے۔ ذیل کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، کس بیدردی

سے تمام امتِ مسلمہ کو مشرک قرار دیا ہے اور غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو بھی اسی زمرے میں داخل کر دیا ہے۔ ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”پھر اللہ ایک ایسی باؤ (ہوا) بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہو گا، مر جائیں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں، یعنی نہ اللہ کی تعظیم نہ رسول کی راہ پر چلنے کا شوق، بلکہ باپ داووں کی رسموں کی سند پکڑنے لگیں گے۔ اسی طرح سے شرک میں پڑ جائیں گے۔۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہو گا۔ پیغمبر ﷺ کے فرمانے کے موافق ہوا۔“ (محمد اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (دہلی) ص ۵۳)

ان چند حوالوں کے پیش کرنے کا مقصد اس ذہنیت کی نشان دہی کرتا ہے جو اہل حدیث کا امتیازی وصف ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے:

تحقیق الفتویٰ	علامہ فضل حق خیر آبادی
اطیب البیان	مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی
الکوکبۃ الشہابیہ	امام احمد رضا بریلوی
مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان	مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی

تبدیلی عنوان

سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی نے ائمہ اربعہ کے طریقے پر چلنے کو غیر ضروری قرار دیا اور کہا کہ ان چاروں مسالک سے جو کتاب وسنت کے قریب ہو اس پر عمل کر لیا جائے اور کسی درپیش مسئلہ میں کسی بھی امام کے قول پر عمل کر لینا چاہیے۔ کسی ایک معین امام کی تقلید ضروری نہیں ہے۔ اس فرقے کا نام سید صاحب کی نسبت سے ”احمدی“ رکھا گیا۔

(محمد علی قصوری: مشاہداتِ کابل و یاغستان (انجمن ترقی اردو، کراچی) ص ۱۰۶)

سید صاحب کی وفات کے بعد ان کے معتقدین میں مزید شدت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اپنے افکار کے ساتھ ساتھ نئے نام تجویز کرنا شروع کر دیئے۔ پہلے محمدی پھر موحد اور آخر میں اہل حدیث نام تجویز کیا۔ مولوی محمد شاہجہانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔

(الارشاد الی سبیل الرشاد ص ۱۳) (بشیر احمد قادری: غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں، ص ۱۷)

غیر مقلدین کے مخالفین انہیں وہابی کے نام سے یاد کرتے تھے، حکومت کے کاغذات میں بھی یہی نام استعمال ہوتا تھا۔ غیر مقلدین کے مشہور راہنما مولوی محمد حسین بٹالوی نے باقاعدہ درخواست دے کر انگریزی حکومت سے اپنا نام ”اہل حدیث“ الاٹ کرایا اور حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا:

مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو درخواست حکومت کو دی، اس کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں:

- لفظ وہابی ایسے دو بُرے معنوں میں مستعمل ہے جن سے گروہ اہلِ حدیث کی برأت ونفرت ثابت ہے۔۔۔لہٰذا اہل حدیث اپنے حق میں اس لفظ کی استعمال جائز نہیں جانتے اور اس کو لائبل (مزیل حیثیت) لفظ خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ مومون، لفظ کافر کو یا مسلمان، لفظ حلال خور کو۔

اور اپنی مہربان گورنمنٹ اور خواص ملک سے وہ اصرار کے ساتھ یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس لفظ سے اس گروہ کو مخاطب نہ کیا کریں۔

- یہ فرقہ گورنمنٹ کا دلی خیر خواہ، گورنمنٹ سے اس درخواست کرنے کی جرأت کرتا ہے کہ گورنمنٹ اپنی خیر خواہ رعایا کی نسبت ایسے الفاظ کا استعمال قطعاً ترک کرے۔

یہ درخواست ۱۹ رجنوری ۱۸۸۷ء کو منظوری ہوئی۔ بٹالوی صاحب نے اس کا تذکرہ تمام ترممنونیت کے ساتھ کیا، لکھتے ہیں:

''اس درخواست کو ہمارے رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر پنجاب سر چارلس ایچی سن صاحب بہادر بالقابہ نے معرضِ قبول میں جگہ دی اور بڑے زور کے ساتھ گورنمنٹ ہند کی خدمت میں اس کی قبولیت کے لیے سفارش کی۔

مسلمانوں کے حال پر رحم فرما و ہر دل عزیز وائسرائے و گورنر جنرل لارڈ ڈفرن بالقابہ نے بھی سر چالس ایچی سن صاحب بالقابہ کی رائے زریں سے اتفاق رائے ظاہر فرمایا اور سرکاری کاغذات میں اس لفظ کے استعمال سے ممانعت کا حکم فرمایا۔'' (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۹-۱۹۷)

نام کی تبدیلی کا اہم فائدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منجملہ ان نتائج کے جو ۱۸۸۶ء میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ایک عمدہ نتیجہ یہ ہے کہ اس رسالہ (اشاعۃ السنۃ) نے گروہِ اہل حدیث کی وفاداری گورنمنٹ پر ثابت کر دی اور ان کے حق میں لفظ ''وہابی'' کا (جو ناواقفوں کے خیال میں ان کی وفاداری میں شبہ انداز تھا) استعمال حکماً موقوف کرا دیا۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ ۱، ص ۷)

اگست ۱۹۰۲ء میں مولوی محمد حسین بٹالوی شملہ گئے، تو رپورٹ مردم شماری میں بعض جگہ اہل حدیث کے لیے لفظ وہابی لکھا ہوا دیکھا، چنانچہ انہوں نے سپرنٹنڈنٹ مردم شماری پنجاب، ایچ، اے روز کو ایک درخواست دی، جس میں لکھا:

''ازراہِ مہربانی وانصاف پروری اس نکِ نیم (بدنام) کو رپورٹ میں بدل دیا جائے۔۔۔۔اس برے لقب کو اپنے حق میں کوئی اہل حدیث استعمال نہیں کرتا۔'' (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۱)

ایچ اے روز نے یہ درخواست اپنے سفارشی ریمارک کے ساتھ گورنمنٹ پنجاب کو بھیج دی، پھر بٹالوی صاحب لفٹیننٹ گورنر پنجاب کو ملے اور اس معاملہ کی طرف توجہ دلائی۔

''جس پر ہمارے بیدار مغز جزورس نامور لفٹیننٹ گورنر سر چارلس ریواز صاحب بہادر نے حکم صادر فرمایا کہ جن کاغذاتِ مردم شماری میں لفظِ ''وہابی'' لکھا گیا، ان کو ردی کر کے از سرِ نو کاغذات چھپائے جائیں۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ،

ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۲)

ہندوستان کی برطانوی حکومت نے ۱۸۸۱ء کی مردم شماری رپورٹ میں اس فرقے کا اندراج ''وہابی'' کے تحت کیا ہے۔

(Ibbetson, D.C: Census Report for the Panjab, Lahore, 1882, pp, 147-48۔

لیکن بعد کی رپورٹوں میں ان کی درخواست پر ان کے فرقہ کو ''اہل حدیث'' کے حروف تہجی کے تحت لائے ہیں۔

روزے اس فرقہ کے عقائد کی تفصیلات تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''اس فرقے کے پیرو دیگر تمام مسلمانوں کو ''مشرک'' کہتے ہیں'' They call the rest of the Muhammadans Mushrik

Rose, H.R: A Glossary of teh Tribes and Castles of the Punjab and North West)

(Frontier Province, Lahore, 1978, Vol. II p.8)

ان تفصیلات سے اس فرقہ کی حکومت سے وفاداری، حکومت کی نگاہ میں قدر ومنزلت اور بٹالوی صاحب کی شبانہ روز تگ ودَو کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

مستند خیر خواہ

نام کی اس تبدیلی کے فائدے پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے:

اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ گورنمنٹ پنجاب سے ایک سرکلر جاری کرا دیا کہ اہل حدیث کو وہابی کہنا لائبل (مزیل حیثیت) ہے خود گورنمنٹ پنجاب اور اس کے اعلیٰ حکام نے اپنی چٹھیوں میں اعتراف کیا ہے کہ اہل حدیث برٹش گورنمنٹ کے بدخواہ نہیں ہیں، بلکہ خیر خواہ ہیں۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنہ، جلد ۱۰، شمارہ ۱، ص ۱۰)

اہل حدیث ----- اور انگریز

اس میں شک نہیں کہ غیر مقلدین سیاست جدیدہ سے بخوبی واقف واقع ہوئے ہیں، زمانے کے نشیب وفراز اور اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے گُر سے واقف ہیں، چاہے اس کے لیے کیسے ہی جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرنا پڑیں۔

شاہ اسمٰعیل دہلوی خاندانِ ولی اللّٰہی میں امتیازی شخصیت کے حامل تھے، علمی ماحول میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور مروجہ علوم دینیہ حاصل کیے۔ گھڑ سواری اور تیراکی کے خاص طور پر شائق تھے۔ مرزا حیرتؔ دہلوی لکھتے ہیں:

''اس کثرت سے پانی میں رہنے سے آپ کو جل مانس کا لقب دلوا دیا تھا'' (مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ (مکتبۃ السلام، لاہور) ص ۹۱)

شاہ اسمٰعیل دہلوی کے مزاج مین ابتداء ہی سے آزادروی پائی جاتی تھی دہلی میں جب انہوں نے اپنے حنفی آباء واجداد اور اساتذہ کے برعکس رفع یدین شروع کیا، تو ان کے چچا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے انہیں کہلا بھیجا کہ رفع یدین چھوڑ دو، اس سے خواہ

مخواہ فتنہ پیدا ہوگا۔ انہوں نے جواب میں فوراً یہ حدیث پڑھ دی:

من تمسك بسنتي عند فساد امتي فلهٗ اجر مائة شهيد۔

جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو اپنائے اس کے لیے سو شہید کا اجر ہے۔

اس پر شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے فرمایا:

"بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہوگیا، مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا۔ یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ سنت کے مقابل خلافِ سنت ہو اور ما نحن فیہ (زیرِ بحث مسئلہ) میں سنت کے مقابل خلافِ سنت نہیں، بلکہ دوسری سنت ہے، کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے، یوں ہی ارسال بھی سنت ہے۔" (اشرف علی تھانوی: حکایاتِ اولیاء (دارالاشاعت، کراچی) ص ۱۲۰-۱)

اسی آزادروی کا نتیجہ تھا کہ تقویۃ الایمان نامی کتاب لکھی جس میں انبیاء واولیاء کے حق میں ایسی زبان استعمال کی گئی جو قطعاً ان کے شایانِ شان نہ تھی۔ عامۃ المسلمین کو بے دریغ مشرک اور اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ محمد اعظم بیگ لکھتے ہیں:

"اور اولیاء وغیرہ بزرگوں کے ذکر میں گستاخانہ کلام ہمیشہ ان سے ہوتا ہے جو خلاف شان اس عظیم الشان گروہ کے ہے، چنانچہ تقویۃ الایمان وغیرہ ان کے رسائل نظم ونثر میں بہت جگہ اشارہ اس طرف ہے اور بہت عقائد جو مختلف فیہ ہیں، ان پر بڑے شدومد سے یہ لوگ عوام کو ایک طرف کھینچتے ہیں اور تقلید حنفی کو پسند نہیں کرتے۔" (محمد اعظم بیگ: تواریخ ہزارہ (وکٹوریہ پریس، لاہور، ۱۸۷۸ء) ص ۲۳۷)۔

اس تشدد کا خود انہیں بھی احساس تھا، چنانچہ ایک مجلس میں شاہ اسمٰعیل دہلوی نے کہا: "میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آگئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہوگیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے، شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہوگی، گو اس سے شورش ہوگی، مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔

(اشرف علی تھانوی: حکایاتِ اولیاء، ص ۱۰۳-۴)

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی بدولت وہ شورش پیدا ہوئی جو کبھی ختم نہ ہوسکی اور مسلمانوں میں ایسی فرقہ وارانہ خلیج حائل ہوگئی کہ بعد میں اس کے پاٹنے کی کوئی سبیل پیدا نہ ہوسکی، انگریز کو ایسے ہی افراد کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کردیں اور کبھی متحد نہ ہونے دیں۔ شاطرِ فرنگی کی سیاست کی بنیاد ہی یہ ہے کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" اس مقصد کے لیے وہ لوگ قطعاً موزوں نہ تھے جو قدیم طریقوں پر سختی کے ساتھ قائم رہنے میں ہی اپنی بقا تصور کرتے ہوں۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شرکِ خفی کو شرکِ جلی قرار دینے کا اختیار کہاں سے حاصل ہوگیا؟ یہ تو خود شارع بننے کے مترادف ہے۔

انگریزوں نے تقویۃ الایمان کو اس قدر اہمیت دی کہ اس کا انگریزی ترجمہ کروا کر شائع کیا، ظاہر ہے کہ بلاوجہ اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ سرسید لکھتے ہیں:

"جن چودہ کتابوں کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے، ان میں ساتویں کتاب "تقویۃ الایمان" ہے،

چنانچہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ "رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کے رسالہ (جلد ۱۳، ۱۸۵۲ء) میں چھپا تھا"۔

(سید احمد خاں، سر: مقالات سر سید (مجلس ادب، لاہور) ج ۹ ص ۱۷۸ (ایضاً: ج ۰ ص ۱۳۱)

یہ انگریزی ترجمہ منشی شہامت علی نے کیا تھا، جو ۱۸۵۲ء میں لندن سے شائع ہوا۔ شہامت علی نے دہلی کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی اور مختلف اوقات میں انگریزوں کے ترجمان کے طور پر کام کرتا رہا۔ خاص طور پر اس نے سری، ایم ویڈ (Wade) کے ساتھ منشی کے طور پر کام کیا تھا۔

(منظور الحق صدیقی، پروفیسر: تاریخ حسن ابدال (ادارہ تحقیقات، پاکستان، لاہور) ص ۱۳۶)

سید احمد بریلوی ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶ء میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں خاموشی پسند اور علم وتعلیم سے بے تعلق واقع ہوئے تھے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:

"یہ تعجب سے نظر کیا جاتا ہے کہ بزرگ سید بچپن میں اپنے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے پرلے درجے کا غبی مشہور ہو گیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اسے تعلیم دینا بے سود ہے، کبھی کچھ آئے جائے گا ہی نہیں۔" (مرزا حیرت دہلوی: حیات طیبہ، ص ۳۸۵)

"قرآن پاک پڑھنے کے بعد کریما پڑھنے کی باری آئی تو حال یہ تھا کہ کریما کا پہلا مصرع خاصہ دعائیہ ہے، مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یاد ہوا تھا، اس پر بھی کبھی کریما کو بھول گئے، تو کبھی برحال ماکو دل سے محو کر دیا۔" (مرزا حیرت دہلوی: حیات طیبہ، ص ۳۸۶)

بیس سال کی عمر میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے پاس دہلی پہنچے اور دو سال ان کے پاس رہے۔ ۲۳ سال کی عمر میں امیر خاں پنڈاری کے پاس مالوہ میں جا کر سواروں میں ملازم ہو گئے، پھر باڈی گارڈ افسر بنا دیئے گئے۔ اسی دوران انہوں نے ایک اہم کارنامہ انجام دیا اور وہ یہ کہ امیر خاں جو انگریزوں سے برسرِ پیکار رہتا تھا، اس کی صلح انگریز سے کروا دی۔

"لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیر خان کو بڑی مشکل سے شیشے میں اتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لیے برا نہیں ہے، تو تمہاری اولاد کے لیے سم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔" (مرزا حیرت دہلوی: حیات طیبہ، ص ۵۱۳)

ایک عرصہ بعد امیر خاں کی ملازمت ترک کر کے پھر دہلی پہنچے۔ شاہ اسمٰعیل دہلوی اور مولوی عبد الحی دہلوی ایسے علماء سید صاحب کی اقتداء میں دو رکعت نماز ادا کر کے اتنا متاثر ہوئے کہ حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے۔ (محمد علی، سید: مخزن احمدی (مطبع مفید عام، آگرہ) ص ۳۵)

کیا یہ تحریک انگریز کے خلاف تھی؟

سید صاحب کی صوفیانہ وضع قطع اور شاہ اسمٰعیل کا علم اور زورِ خطابت جمع ہوئے تو ایک قیادت کا سامان فراہم ہو گیا۔ طے یہ

پایا کہ جگہ جگہ وعظ کر کے سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے چندہ اور افرادی قوت جمع کی جائے، چنانچہ اس پروگرام پر پورے زور و شور سے عمل کیا گیا۔ جہاد سے پہلے مناسب معلوم ہوا کہ حج کر لیا جائے۔ ۱۲۳۶ھ میں ایک قافلہ کے ہمراہ سفرِ حج پر روانہ ہوئے۔

(مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ، ص ۵۱۸)

انگریزی قلمرو میں اس تمام کاروائی اور سفرِ حج کا تذکرہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

”ان کو فضلِ رسول بدایونی نے وہابی اور سرکار کا دشمن بتلایا، حالانکہ وہ کلکتہ تک گئے تھے اور ہزاروں مسلمان فوج انگریزی کے ان کے مرید ہوئے تھے، مگر انہوں نے کبھی یہ ارادہ (جہاد) ساتھ سرکار انگریزی کے ظاہر نہیں کیا اور نہ سرکار نے ان سے کچھ تعرض فرمایا، حالانکہ خاص کلکتہ سے سات سو آدمی اپنے ہمراہ لے کر حج کو گئے اور مدت دراز تک ہزاروں مریدوں کو ہمراہ لے کر ہندوستان کے شہروں میں وعظ و نصیحت کرتے پھرے۔“ (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمان وہابیہ، ص ۴۵)

حج کے بعد زور شور سے سکھوں سے جہاد کے وعظ کہے گئے اور روانگی سے پہلے انگریزی حکومت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی گئی۔

سید صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الہٰ آباد کی معرفت لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمال کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔ سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری علمداری امن میں خلل نہ پڑے، تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ ہم ایسی تیاری میں مانع ہیں۔

(مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ، ص ۵۲۳)

اس وقت تک پنجاب اور موجودہ سرحد پر انگریز کا تسلط نہیں ہوا تھا۔ پنجاب سے ہری پور تک سکھوں کی حکومت تھی، ایسے میں سکھوں کے خلاف کاروائی کو انگریز ناپسندیدگی کی نگاہ سے کیوں دیکھتے؟ اس طرح تو ان کی راہ کا ایک سنگِ گراں خود بخود دور ہو رہا تھا۔

سبط الحسن ضیغم لکھتے ہیں:

”تحریک مجاہدین کا قیام پنجاب کی سکھ حکومت کے خاتمے کے لیے عمل میں لایا گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب بست و کشادہ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اس تحریک سے ان کے دو مقاصد پورے ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ وادیٔ گنگ و جمن کی مسلم اشرافیہ کے ذہین نوجوان ترکِ وطن کر کے ان کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ پنجابی (سکھ) حکومت کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں، جس سے دونوں قوتیں کمزور ہو رہی ہیں۔“

ضیغم صاحب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی تصنیف ”برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ“ ص ۲۶۸--۲۶۹ کے حوالہ سے مزید لکھتے ہیں:

”اسی بناء پر کمپنی کے زیرِ تسلط علاقوں میں سید احمد اور شاہ اسمٰعیل کو کئی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ انہیں نہ صرف ہر جگہ عوام سے خطاب کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے۔ بلکہ ان کی تحریک کے لیے چندے کی فراہمی میں بھی انگریزوں نے تعاون کیا۔ یہاں تک کہ

ان مقامی ساہوکاروں پر انگلیسی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کی اجازت بھی دے دی جو اس روپے کو مجاہدین تک پہنچانے میں کوتاہی برتتے تھے جو انہیں اس مقصد کے لے دیا جاتا۔ علاوہ ازیں تیل کے کارخانوں اور دوسرے کاروباری اداروں کے مقامی مزدوروں کے جہاد میں حصہ لینے کے لیے مختلف مراعات عطا کی گئیں۔"

(سبط الحسن ضیغم، سید: ماہنامہ المعارف، لاہور (فروری ۱۹۸۳ء) ص ۶۱)

اس تفصیل سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہوجاتی ہے کہ یہ تحریک انگریزی حکومت کے خلاف قطعاً نہ تھی، اس سے تو گورنمنٹ کے مقاصد کی تکمیل ہو رہی تھی، سرحدی مسلمان اگر اس قسم کے خدشات کا اظہار کرتے تھے، تو ان کو بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا:

"خلیفہ سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریز کے مشورہ سے واسطے فتح اس ملک کے آیا ہے، جہاد کا نام فرضی مقرر کیا ہوا ہے"۔ (محمد اعظم بیگ: تواریخ ہزارہ، وکٹوریہ پریس، لاہور، ۱۸۷۸ء، ص ۲۵)

اس تحریک کے ہندوستان میں ردِ عمل کی بابت ۱۸۲۷ء میں میٹکاف نے گورنر جنرل کو جو رپورٹ پیش کی، اس میں لکھا ہے:

"سید احمد، مولوی اسمٰعیل اور ان کے پیروکار ساتھیوں نے ہماری مسلمان رعایا کے قلب وذہین پر ہمہ گیر تو نہیں، لیکن ایک وسیع اثر انگیزی ضرور مرتب کی ہے، رنجیت سنگھ کے زیرِ عملداری علاقوں پر ان (مجاہدین) کی حالیہ یلغار نے دہلی کی مسلم آبادی کے دلوں میں ان کی کامیابی کے لیے مضطربانہ جذبات موجزن کر دیئے ہیں، چنانچہ عام لوگوں کی کثیر تعداد اپنے گھر بار چھوڑ کر لشکرِ مجاہدین میں جا شامل ہوئی ہے اور فوجی ملازمین مستعفی ہو کر ان سے جا ملے ہیں، کہا جاتا ہے کہ شاہِ دہلی (بہادر شاہ ظفر) نے لوگوں میں اس جوش وجذبہ کے فروغ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔"

Metcalfe reported the repercussions in India to the governor general in the following words; Syed Ahmed, Maulvi Ismail, and their colleagues have established a very extensive, if not universal, influence over the minds of our Mohammedan subjects. During the period of their recent attack on Ranjit Sing's territories, the most fervent anxiety for their success pervaded the Mohammedan population of Delhi. Numbers quitted their homes and marched to join them, including some who resigned their employments in the Company's service, both the military and the civil branches, for that purpose. It is said that the King of Delhi encouraged this spirit. (PC 88 of 22.6, 1827)

(Khushwant Sing: History of the Sikhs, Delhi, Oxford Un versity Press. 1977, Vol , I.P. 272 F.n)

اس تحریک کے بارے میں تحقیق ودیانت کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ انگریزوں کے خلاف ہرگز نہ تھی۔ اردو ادب کے مشہور محقق اور

سید صاحب کے عقیدت مند حافظ محمود شیرانی نے ہنٹر کے نقطۂ نظر کی مدلل تردید ان الفاظ میں کی ہے:

''یہاں لفظ باغی'' پر میرا اعتراض ہے۔ سید صاحب (سید احمد) کے سرحد پہنچنے کے وقت پنجاب و سرحد میں انگریز کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر سید صاحب نے انگریز سے کدھر بغاوت کی۔ سید صاحب کی تحریک ہندوستان میں شروع ہوئی اور ہندوستان میں پروان چڑھی اور یہ سب کچھ انگریز کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا، چونکہ تحریکِ سکھوں کے خلاف تھی، اس لیے کمپنی نے دانستہ اغماض کیا اور اپنے علاقے میں اس تحریک کے دبانے کی کوشش نہیں کی، اس لیے سید صاحب کو ہنٹر کا باغی لکھنا، اس لفظ کا غلط اور جلد بازانہ استعمال ہے۔ (مجلۂ تحقیق، حافظ محمود شیرانی نمبر (جلد ۳، شمارہ ۲-۳) پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۲۸)

مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:

''یہ تمام بین ثبوت صاف اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ جہاد صرف سکھوں سے مخصوص تھا، سرکارِ انگریزی سے مسلمانوں کو ہرگز مخاصمت نہ تھی۔ (مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ، ص ۵۲۳)

سرسید لکھتے ہیں:

''جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے ان کو صاف لکھا کہ تم کو اس معاملہ میں ہرگز دست اندازی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریز کے مقاصد کیخلاف نہیں ہے۔ (سید احمد خاں، سر: مقالات سرسید (مجلس ترقی ادب، لاہور) ج ۹، ص ۱۴۲)

خط کشیدہ الفاظ خاص طور پر توجہ طلب ہیں کہ کمپنی اس تحریک کو اپنے حق میں نہ صرف بے ضرر سمجھتی تھی، بلکہ اپنے مقاصد کے مطابق قرار دیتی تھی۔

کلکتہ میں جہاد کے موضوع پر تقریر ہو رہی تھی۔ سکھوں کے مظالم بیان کیے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے دریافت کیا۔ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟

شاہ اسماعیل دہلوی نے جواب دیا:

''ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے، ایک تو ان کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے۔۔۔ بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔'' (مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ (مطبع فاروقی، دہلی) ص ۲۹۴)۔ (نوٹ: حیاتِ طیبہ مطبوعہ لاہور میں اخفاءِ حقائق کے لیے یہ عبارت حذف کر دی گئی ہے۔ آخر ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟ ۱۲ قادری)۔ (حیاتِ طیبہ، از مرزا حیرت دہلوی، مطبوعہ ادارہ ترجمان السنۃ، ۷ رایبک روڈ۔ انارکلی، لاہور، ص ۳۶۴ پر یہ عبارت موجود ہے۔ خلیل)

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ

''ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ مولانا اسمٰعیل شہید کا جہاد سکھوں سے تھا جو مسلمانوں کے مذہب سے تعرض

کرتے تھے، نہ انگریزوں سے جن کو کسی مذہب سے تعرض نہیں ہے، بلکہ انگریزوں سے جہاد کرنے کو وہ برملا ناجائز کہتے تھے۔" (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ۲، ص۴۹)

مشہور سکھ مؤرخ خوشونت سنگھ (Khushwant Singh) لکھتا ہے:

The British govermnment made no attempt to check this crusade against a state with which it had signed a treaty of friendship (Khushwant Singh: History of the Sikhs, Delhi, 1977, Vol. I).

برٹش سرکار نے جس (سکھ) ریاست کے ساتھ تحریری معاہدہ دوستی کیا تھا، اس کے خلاف ہونے والے جہاد کی راہ میں کوئی مزاحمت نہیں کی۔

مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

"جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔" (حسین احمد مدنی: نقش حیات (بیت التوحید، کراچی)، ج۲، ص۴۱۹)

گردابِ حیرت

مولوی محمد حسین بٹالوی کہتے ہیں: "مجاہدین، انگریزوں سے جہاد کرنے کو برملا ناجائز کہتے تھے، خوشونت سنگھ کہتا ہے: "برطانوی حکومت نے دوستوں کے خلاف مجاہدین کی کاروائی پر پابندی عائد نہ کی۔" مدنی صاحب کہتے ہیں کہ "انگریزوں نے جنگی سامان کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی"۔ مقامِ حیرت ہے کہ آخری جنگ میں ایک انگریز۔۔۔۔ الیگزینڈر گارڈنر بھی "مجاہدین" کے شانہ بشانہ لڑ رہا تھا اور صرف شریک ہی نہیں، بلکہ ایک دستے کا کمانڈر بھی تھا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انگریزوں نے مجاہدین کو کس حد تک امداد فراہم کی تھی اور اس پروپیگنڈے کی حقیقت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اس تحریک کا اصل مقصد انگریزی حکومت کا خاتمہ تھا گارڈنر، سید صاحب تک کس طرح پہنچا؟ اس کی تفصیل خود اس نے بیان کی ہے:

"امیر (والی کابل، دوست محمد خاں) نے مالِ غنیمت کو تو بخوشی منظور کیا، لیکن موٹے جھوٹے لباس والے اہل سیف کے لشکر کو (اپنی ملازمت میں) قبول نہ کیا، یہ لوگ اپنے برخود غلط اعتماد سے پشیمان اور پریشان ہو کر علاقہ جات باجوڑ کی طرف روزانہ ہوئے، وہاں انہیں میر عالم خاں نے اپنی ملازمت میں (سید احمد غازی کی امداد کے لیے) بھرتی کر لیا۔

سید صاحب اس وقت سکھوں کے خلاف اپنی آخری لڑائی لڑ رہے تھے۔ مذکورہ لشکر کی نفری دو سو پچاس تک کیسے پہنچ گئی؟ یہ امر واضح نہیں ہوتا۔

جونہی گارڈنر، سید صاحب کی صفت آرائی کے مقام پر پہنچا، اس نے دنتورہ کے ہاتھوں اور ان کی شکست وہزیمت کا نظارا کیا، چنانچہ طالع آزما (گارڈنر) نے کسی معرکہ کے بغیر لوٹ مار کے مال سے اپنا حصہ وصول کیا اور اپنے (زیر کمان) فوجیوں کو

برخاست کرتے ہوئے انہیں واپسی کا حکم دیا، اسے مالِ غنیمت کی یافت، کن ذرائع سے اور کس طور پر ہوئی؟ یہ امر واضح نہیں۔

اصل عبارت یہ ہے:

The Amir gracefully accepted the booty, but declined the swords of "the men in buckrmam," who, doubtlessly repenting of their misplaced confidence, drifted into the Bajour country, and accepted service with Mir Alam Khan, who hired the band, swollen in some unexplained manner to 250 men, to Syed Ahmad Ghazi, then making his last stand against the Sikhs. Gardiner reached the Syad just in time to see him routed by Ventura, whereupon the adventurer retired, and sharing out the hooty, dismissed his band. Where this booty came from is also unexplained(Grey: European Adventurers in Northern India, Lahore, 1929,pp.274.).

اس تحریک کا مطالعہ کرنے والا یہ معلوم کرکے حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ یہ تحریک جو سکھوں کے خالف تھی، اس کا ابتدائی تصادم مسلمانوں سے ہوا:

"سید صاحب نے پہلا جہاد مسٹی یار محمد خاں حاکمِ یاغستان سے کیا تھا۔"

(عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید (مکتبہ بحر العلوم، کراچی) ج ۲، ص ۲۷۰)

یہ ۱۸۳۰ء کا واقعہ ہے، اس کے بعد پائندہ خاں کو دعوت دی کہ سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرلو، وہ بیعت پر آمادہ نہ ہوا، تو اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر اس پر چڑھائی کردی۔ پائندہ خاں جو تمام زندگی سکھوں کے خلاف برسرِ پیکار رہا، اس نے وقتی طور پر سکھوں سے صلح کرلی اور اپنا بیٹا جہاں داد خاں بہ طور ضمانت گروی رکھ کر دو پلٹن فوج حاصل کی۔۔۔اور مجاہدین سے اپنا علاقہ خالی کرالیا، بعد میں سکھوں کے ساتھ پائندہ خاں کو جنگیں بدستور ہوتی رہیں۔

(مراد علی، سید: تاریخ تناولیاں، تالیف ۱۸۷۵ء (مکتبہ قادریہ، لاہور) ص ۵۴-۹)

الیگزنڈر گارڈنز جو بعد میں پنجاب آرمی میں کرنل کے عہدے پر فائز ہوا اور مجاہدین کی معیت میں تھا، اس نے اس لڑائی کا چشم دید بیان ان الفاظ میں کیا ہے:

"سید احمد اور مولوی عبدالحی (اس وضاحت میں خوشونت سنگھ کو مغالطہ واقع ہوا ہے، مولوی سے گارڈنز کی مراد مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی ہے، مولوی عبدالحی تو اس واقعہ سے پہلے ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء کو فوت ہو گئے تھے (ملاحظہ ہو) "حیات سید احمد شہید" محمد جعفر تھانیسری، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۷-۲۳۶)۔" اپنے بقیہ السیف ہندوستانی پیروکاروں کی ہمراہی میں سکھ فوج کے جنوبی اکالیوں کا مقابلہ دست بدست جنگ میں نہایت بے جگری سے کر رہے تھے، انہیں اچانک یہ صورت پیش آئی کہ وہ اپنے لشکر

وں کی مجموعی قوت بازو سے کٹ کر رہ گئے۔ سید صاحب کا بڑا لشکر جوان سے فاصلے پر تھا، اپنے قائد کے بغیر کسی اچھی جنگی مہارت کا مظاہرہ نہ کر پایا، جونہی میری نظر سید احمد اور مولوی عبدالحی کی جانب اٹھی، تو میں نے دیکھا کہ انہیں سینکڑوں ہتھیاروں سے چھید ڈالا گیا تھا۔ ان دونوں قائدین کے اردگرد جتنے لوگ تھے، ایک ایک کر کے قتل ہوئے (اور سید صاحب کی فوج کا بڑا حصہ اطراف وجوانب میں تتر بتر ہوگیا)۔

جس دم سید صاحب زخمی ہو کر گرے تو میرا ان سے صرف چند سو گز کا فاصلہ تھا، میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی فرشتہ نازل ہوا ہو اور موصوف کو بہشت کی طرف اٹھا کر لے گئے ہو، اگرچہ ان کے بہت سے مریدوں نے بعد میں اپنی یاداشت سے یہ بیان کیا کہ انہوں نے حقیقۃً اس کا مشاہدہ کیا تھا۔" اصل عبارت ملاحظہ ہو:

Alexander Gardner, who later became a colonel in the Punjab army and was with the crusaderes at the time, gave an account of this skirmish in the following words:

"Syed Ahmed and the Maulvi (Abdul Haye), surrounded by his surviving Indian followrs, were fighting desperately hand to hand with the equally fanatical Akalis of the Sikh army. They had been taken by surprise and isolated from the main body of the Syed's forces, which fought very badly without their leader. Even as i caught sight of the Syed and Maulve they fell pierced by a hundered weapons. Those around them were slain to a man, and the main body dispersed in every direction.... I was literally within a few hundered yards of the Syed when he fell, but i did not see the angel descend and carry him off to paradise, although many of

گارڈنر کون تھا

اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ وہ ایک مہم جو تھا، امریکہ میں ۱۷۸۵ء میں ایک ڈاکٹر کے ہاں پیدا ہوا۔ ۱۸۱۲ء میں مصر اور ایران ہوتا ہوا افغانستان پہنچا اور امیر دوست محمد خاں والی افغانستان کے بھتیجے امیر حبیب اللہ خاں کے ہاں ملازم ہوا، وہ چونکہ افغانستان کے سیاسی معاملات میں ملوث تھا، اس لیے قندھار میں گرفتار ہوا اور نو ماہ قید رہا۔ وہ موجود صوبہ سرحد میں اس وقت پہنچا جب "مجاہدین" سکھوں پر آخری حملہ کرنے کی تیاری میں تھے، اس نے اپنے آپ کو سید احمد بریلوی کے سامنے پیش کیا اور مجاہدین میں شامل ہوگیا۔ مجاہدین کی شکست کے بعد وہ رنجیت سنگھ کی فوج میں کرنل آف ارٹلری بنا دیا گیا۔ اس نے رنجیت سنگھ کی موت ۱۸۳۹ء تک اس

کے لیے مہمات میں اہم خدمات انجام دیں۔ ۱۸۴۶ء میں گلاب سنگھ والی جموں وکشمیر کا ملازم ہوگیا، اور اپنی موت ۱۸۷۷ء تک اسی خدمت پر مامور رہا۔ وہ سیالکوٹ میں دفن کیا گیا۔ تفصیل کے لیے دیکھئے:

Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975, p, 159,

Gery, C, European Adventurers of Northern India, ed. by Garrett, Lahore, 1929, p, 274, 265-291.

Khushwant Singh: Ranjit Singh, London, 1962, p (64-65).

انوکھا معیارِ تحقیق

اس جماعت کے کارناموں کو منظر عام پر لانے میں مشہور مؤرخ غلام رسول مہر کا بڑا حصہ ہے۔ انہوں نے تاریخ کی بنیاد حقائق پر رکھنے کی بجائے عقیدت پر رکھی ہے، خود ان کا بیان ہے:

''میں مجاہدین کی شان وآبرو بہ ہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں، اگرچہ وہ بعض سابقہ بیانات یا توجیہات سے عین مطابق نہ ہو۔'' (شیر محمد پنی، ڈاکٹر: افادات (الشیخ غلام علی، لاہور) ص ۲-۲۳۱)

اب اگر کوئی شخص خالص تاریخی نکتۂ نگاہ سے حقائق سے آگاہی حاصل کرنا چاہے، تو اسے اصل مآخذ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ عقیدے اور عقیدت کے بنیاد پر تاریخ لکھنے والوں سے اطمینان میسر نہ ہو سکے گا۔

مقصدِ جہاد

کسی بھی کام کی خوبی یا خرابی میں اس کے مقصد کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ سید صاحب کی تحریک کا تمام تر رُخ سکھوں کی طرف تھا یا سرحدی مسلمانوں کی طرف، انگریزوں کی طرف ہرگز نہ تھا جیسا کہ اس سے پہلے باحوالہ گزر چکا ہے۔ اس تحریک کے مقصد کا ایک دوسرا پہلو بھی کچھ کم حیرت انگریز نہیں ہے۔

مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط واقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے، اس بناء پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو شرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے۔ اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی؟ ۔۔۔ اس سے آپ کو غرض نہیں ہے، جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے۔ ہندو ہوں یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔

(حسین احمد مدنی: نقش حیات، ج ۲، ص ۴۱۹)

اس پر علامہ ارشد القادری نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

''آپ ہی انصاف سے بتایئے کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوا اس کے اور کیا رائے قائم

کی جاسکتی ہے۔ کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگرس کے رضا کاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم کرنے کے لیے اٹھا تھا" (ارشد القادری، علامہ: زلزلہ (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۱۰۰)

علامہ ارشد القادری کی کتاب "زلزلہ" پر تبصرہ کرتے ہوئے عامر عثمانی، ایڈیٹر ماہنامہ تجلی، دیوبند نے علامہ ارشد القادری کے اس تبصرہ پر داد دینے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا، وہ بطورِ اعترافِ حقیقت لکھتے ہیں:

"ہم کتنی ہی جانبداری سے کام لیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس ریمارک میں لفظاً تلخی آ گئی ہے، لیکن معنوی اور منطقی اعتبار سے بھی اس میں کوئی نقص ہے؟ کوئی افتراء ہے؟ کوئی زیادتی ہے؟

کوئی شک نہیں اگر استادِ محترم حضرت مدنی کے ارشادِ گرامی کو درست مان لیا جائے، تو حضرت اسمٰعیل کی شہادت محضِ افسانہ بن جاتی ہے۔ مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصیب العین نہیں، اس نصب العین میں کافر ومومن سب یکساں ہیں، اس طرح کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے اور اس طرح کی کوششوں کے نتیجہ میں قید وبند کی مصیبتیں اٹھانا اجر آخرت کا موجب کیوں ہوگا۔ (عامر عثمانی: (تبصرہ) زلزلہ، ص ۱۸۷)

یہ کسی بریلوی کے رشحاتِ قلم نہیں ہیں، جنہیں تعصب قرار دے کر رد کر دیا جائے، یہ ان کے ایک عقیدت مند کا اعتراف ہے، جو بے ساختہ صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو گیا ہے۔

دراصل اختلاف عقائد کے سبب، سید صاحب عامۃ المسلمین کو منافق قرار دیتے تھے اور ان کا خاتمہ بھی تحریک کے مقاصد میں اہم مقصد کی حیثیت رکھتا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ سرحد اور افغانستان کے مسلمان کٹر سنی حنفی تھے۔ ان کے بارے میں سید صاحب، رئیس قلات، خان خاناں خلجائی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"جناب والا! خود غزنیں کے نواح میں منافقین پر چھاپے مارنا شروع کر دیں۔۔۔ اور میں بھی ادھر سے پشاور کے منافقوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جب منافقین بدکار کی موجودگی سے وہ مقام پاک ہو جائے تو میں جلال آباد پہنچ جاؤں گا۔ اور اسی طرح پھر وہاں سے کابل جاؤں گا۔ اس طرح مردود منافقین جو پشاور سے قندھار تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کے پاؤں ایسے اکھڑ جائیں گے۔" (محمد جعفر تھانیسری: مکتوبات سید احمد شہید (اکیڈمی، کراچی) ص ۴۸)

یہ کون سے لوگ ہیں جنہیں منافقین کہا جا رہا ہے اور جن کے استیصال کے لیے لمبے چوڑے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ سرسید کی زبانی سنیے:

"مجھ کو صدہا پہاڑی لوگوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، لیکن میری نظر سے آج تک کوئی پہاڑی پٹھان ایسا نہیں گزرا جو سوائے حنفی مذہب کے اور کسی مذہب کا پیرو ہو یا وہابیت کی جانب ذرا بھی میلان رکھتا ہو۔" (سید احمد خاں، سر: مقالاتِ سرسید (مجلس ترقی ادب، لاہور) ج ۹، ص ۱۳۹)

تاریخ بنانے والے اہل قلم، سرحدی پٹھانوں کو غدا قرار دیتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ نظریاتی اور اعتقادی اختلاف کو

برداشت کرنے کی بجائے جب تشدد کی راہ اختیار کی گئی، سیدھے سادے مسلمان پٹھانوں کو منافق قرار دیا گیا، ان کے خلاف میدانِ کارزار گرم کیا گیا، ان پر چھاپے مارے گئے، ان کی بیوہ خواتین سے زبردستی نکاح کیا گیا، تو ان سے خیر خواہی کی توقع کس طرح کی جا سکتی تھی؟ وہ بجا طور پر مجاہدین کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتے تھے۔

''ان کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں اور بعض اوقات بیوہ خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں۔ اکثر بیوائیں جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں زبردستی مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھایا جاتا۔۔۔۔ ان پاکباز مجاہدین سے اگر کوئی ناجائز فعل سرزد نہ بھی ہوتا۔ تو ان کا یہ کام رانڈ بیوہ کی عدت گزر جانے پر ان کا نکاح جبراً کر دینا خواہ ان کی مرضی نہ بھی ہو۔ ان کو بدنام کرنے کے لیے کافی تھا۔'' (سید احمد خاں، سر: مقالاتِ سرسید (مجلس ترقی ادب، لاہور) ج ۹، ص ۱۴۰)

اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا:

۱۔	سید احمد شہید کی صحیح تصویر	وحید احمد مسعود بدایونی
۲۔	امتیازِ حق	راجا غلام محمد
۳۔	حقائق تحریک بالاکوٹ	شاہ حسین گردیزی
۴۔	تاریخ تناولیاں	سید مراد علی
۵۔	حقیقت افسانہ جہاد	سید نور محمد قادری

واقعہء بالاکوٹ کے بعد

اس واقعہ کے بعد ''مجاہدین'' کی قیادت صادق پور کے علماء کے ہاتھ آئی، مولوی عنایت علی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ راجہ گلاب سنگھ والی کشمیر سے برسرِ پیکار رہے۔ ان کے بڑے بھائی اور سید صاحب کے خلیفہ مولوی ولایت علی اس علاقہ میں پہنچے، تو قیادت ان کے سپرد کر دی گئی۔

ادھر ۱۸۴۹ء میں انگریزی تسلط پنجاب کو لپیٹ میں لے کر صوبہ سرحد تک پہنچ چکا تھا، انگریز جو اس سے پہلے اس تحریک کے پنپنے کے مواقع فراہم کرتا رہا تھا۔ پنجاب سے سکھوں کا کانٹا نکل جانے پر اس نے مجاہدین کو مزید کاروائی سے منع کر دیا، کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

''کہنا یہ ہے اور صاف صاف کہ جب تک مجاہدین سکھوں سے الجھے رہے، کمپنی کی حکومت خاموش اور غیر جانب دار رہی، سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے''۔ پر ترکوں نے نجد میں عمل کیا تھا، ان کے استادوں نے اس فارمولے پر یہاں عمل کیا۔ مقصود یہ تھا کہ مجاہدین اور سکھوں کی آویزش میں سرکارِ عالی کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہو رہے گا، لیکن جونہی پنجاب کا الحاق عمل میں آیا۔ (۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء) کمپنی اور سرکار کی نظر میں مجاہدین سے برا کوئی نہیں تھا۔ (مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص ۱۱۴)

عبدالرحیم عظیم آبادی لکھتے ہیں:

''اس اثناء میں ملک پنجاب، گورنمنٹ برطانیہ کے تصرف میں آ گیا تھا، جب گلاب سنگھ کا اکثر ملک مجاہدین کے قبضے میں آ گیا اور وہ تاب مقابلہ کی نہ لاسکا۔ مایوس ہو کر سرکار انگریزی سے اعانت کا خواہاں ہوا۔''

اس وقت گورنمنٹ انگریزی نے ایک خط بنام مولوی ولایت علی ومولوی عنایت علی علیہما الرحمۃ کے لکھا کہ گلاب سنگھ نے سرکار انگریزی سے معاہدہ کیا ہے اور بموجب اس معاہدہ کے اب وہ گورنمنٹ کی حمایت میں ہے۔ اب اس سے لڑنا عین گورنمنٹ سے لڑنا ہے، الہٰذا تم کو چاہیے کہ اب اس سے مت لڑو۔۔۔۔

تب بڑے حضرت (مولوی ولایت علی) نے اس ملک کو چھوڑ کر سوات کے ملک میں جانا چاہا۔ (عبدالرحیم عظیم آبادی: تذکرہ صادقہ (ہادی المطابع، کلکتہ، بار اول) ص۱۰۰-۱۹)

بالاکوٹ سے سوات جاتے ہوئے راستہ میں انگریزی فوج نے گھیر لیا۔ اس کے بعد کی تفصیل مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی کی زبانی سنیے:

''اس وقت مجاہدین وجملہ فوج لڑنے کو تیار تھی، مگر جناب مولانا (ولایت علی) نے اپنی عادل گورنمنٹ سے لڑنا مصلحت نہ سمجھ کر اطاعت افسران انگریزی کر لی۔

ان افسروں نے مولانا کو بجائے جانے سوات کے مع لشکر طرف لاہور کے روانہ کر دیا۔ یہ دونوں حضرات مع فوج وتوپ خانہ وغیرہ سامان جنگ زیر نگرانی افواج انگریزی لاہور میں پہنچے۔ ان ایام میں جان لارنس صاحب بہادر، چیف کمشنر پنجاب کے تھے، صاحب بہادر استقبال کر کے مولوی صاحب کو لاہور میں لائے اور بعد بہت گفتگو کے یہ بات قرار پائی کہ یہ دونوں حضرات مع ہندوستانی مجاہدین کے اپنے وطن کو واپس جائیں اور کل اسلحہ مع توپ خانہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی قیمت سے فوج کی بقایا تنخواہ دے کر برخاست کر دیں، اس وقت صرف پانچ سو مجاہدین آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ سر جان لارنس صاحب بہادر نے گورنمنٹ کی طرف سے مع کل مجاہدین کے آپ کی دعوت کی دوسرے روز صاحب ممدوح نے خود اپنے نج سے دعوت دی۔ تیسرے روز مولوی رجب علی صاحب، نے جو میر منشی کمشنری پنجاب کے تھے، دعوت کی۔

بعد اس کے یہ لوگ بہ اعزاز واکرام تمام طے مراحل کرتے ہوئے مع فوج مجاہدین پٹنہ پہنچے۔۔۔۔ پھر آپ وہاں سے رخصت ہو کر اپنے مکان پر تشریف لائے اور بدستور سابق وعظ ونصائح ومراقبہ ومشاہدہ میں مصروف ہوئے۔ (عبدالرحیم عظیم آبادی: تذکرہ صادقہ، ص۱۰۱-۱۰۰)

اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ تحریک جو سرحد کے سکھوں اور وہاں کے مسلمانوں کے خلاف چلائی گئی تھی، اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر ختم ہو گئی تھی۔

چند سال بعد مولوی ولایت علی اور عنایت علی وغیرہ اپنی جائیدادیں فروخت کر کے ستھانہ (سرحد) چلے گئے اور وہیں گوشہ نشین ہو کر درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ (سید طفیل احمد منگلوری: مسلمانوں کا روشن مستقبل (مطبع علیمی دہلی ۱۹۳۵ء) ص۱۲۲) ستھانہ اور

سوات میں یہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے۔ ان کے نام ہندوستان سے مالی امداد اور متعلقین کی آمد ورفت جاری رہتی تھی۔ انگریز نے جب سرحد میں اپنا تسلط جمانا چاہا، تو اس امداد کے سلسلے کو سختی سے بند کر دیا، ممانعت کے باوجود جن لوگوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا، ان پر مقدمات چلائے گئے اور انہیں کڑی سزائیں دی گئیں۔ اس معاملہ میں صادق پور کے علماء سر فہرست تھے۔ یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ ان حضرات نے انگریز کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا، اس لیے انہیں نشانہ ستم بننا پڑا۔

سید طفیل احمد منگلوری جو سید صاحب کی تحریک کے دل وجان سے مداح ہیں، لکھتے ہیں:

''یہ معاملہ متعدد بار گورنمنٹ ہند کے علم میں مقامی حکام کی طرف سے لایا گیا'' جس پر کوئی باز پرس نہ کی گئی اور صرف نگرانی کا حکم دیا گیا۔

مگر ۱۸۶۴ء میں جب گورنمنٹ ہند نے سرحد میں پیش قدمی شروع کی، تب اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستان سے سرحد کے تعلقات بالکل قطع کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۰ء تک سرحدی محاربات کے دوران میں باشندگانِ ہند پر یکے بعد دیگرے پانچ مقدمات بغاوت چلائے گئے۔ ان مقدمات میں سب سے بڑے ملزمان پٹنہ کے خاندان کے لوگ اور ان کے مریدین ومعتقدین تھے۔

مولوی ولایت علی کے بڑے صاحبزادے مولوی عبداللہ اپنے والد کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ ان کے حقیقی چچازاد بھائی مولوی عبدالرحیم اور آخر الذکر کے حقیقی ماموں مولوی یحیٰی علی اور مولوی احمد اللہ سب کے سب ۱۸۶۴ء میں اس جرم میں ماخوذ ہوئے کہ انہوں نے اپنے عزیزوں سے خط وکتابت رکھی اور انہیں مالی امداد بھیجی، حالانکہ یہ سلسلہ ۱۸۶۴ء سے جاری تھا جبکہ حکام گورنمنٹ خود مجاہدین کی ہنڈیوں کا روپیہ انہیں وصول کرا دیتے تھے۔ مولوی عبداللہ اور مولوی یحیٰی علی پٹنہ کے بڑے رؤسا میں تھے اور اول الذکر (مولوی عبداللہ) گورنمنٹ کے مسلم خیر خواہ تھے۔ (طفیل احمد منگلوری، سید: مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص۱۲۳)

۱۸۲۴ء اور اس کے بعد عرصہ تک سرمایہ کے سرحد منتقل کرنے پر انگریز نے کوئی پابندی نہ لگائی، بلکہ معاونت کی اور ۱۸۶۴ء کے بعد کیوں پابندی لگا دی؟ وجہ ظاہر ہے کہ انگریز کے مقاصد پورے ہو چکے تھے اور اب انگریز کی نظر میں ان لوگوں کے سرحد میں قیام کا کوئی جواز نہ تھا، لہٰذا اس نے ہندوستان سے سرحد آنے والی مالی امداد کا پوری سختی سے دروازہ بند کر دیا جس کے نتیجے میں سرحد میں چھڑپیں بھی ہوئیں۔

گورنمنٹ سے روابط

مولوی محمد حسین بٹالوی، ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ، اہل حدیث کے فاضل اور فعال عالم اور ان کے ''شیخ الکل'' میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنے فرقہ کا رابطۂ عقیدت ووفاداری برٹش گورنمنٹ سے قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

''کسی قوم کی ترقی (جس میں مذہبی ترقی میں بھی شامل ہے) دنیاوی اسباب سے قطع تعلق کرنے سے نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے اور موجودہ الوقت سلطنت سے ارتباط اور اس کی پالیسی کی مراعاۃ اور اس کے حضور عقیدت وانقیاد اور ارکانِ سلطنت سے رابطۂ محبت

واتحاد، اسبابِ دنیاوی سے ایک عمدہ اور قوی التاثیر سبب ہے۔" (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۴)

یہ خیال کسی کو پیدا نہ ہوا کہ مذہب بلا استعانتِ اسبابِ حسنِ معاشرت چل نہیں سکتا اور سلطنت وقت کے حضور میں اظہار عقیدت اور ارکان وسلطنت سے ارتباط و موانست، اسبابِ دنیاوی سے اعلیٰ سبب ہے۔ اسی بے خیالی میں وہ (اہل حدیث) اپنی مسجدوں میں صحیح بخاری کا درس کرتے رہے یا کسی حجرہ میں خلوت گزیں ہوکر **یا حیّ یا قیوم** پڑھتے رہے اور کسی سے منجملہ اعیان ملک یا ارکانِ سلطنت ارتباط واتحاد کا تعلق پیدا نہ کیا اور نہ کسی کے آگے اپنی عقیدت واطاعتِ سلطنت کا اظہار کیا

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۵)

بقول بٹالوی صاحب اسی طرزِ عمل کا نتیجہ تھا کہ مخالفین نے حکومت کو یہ تاثر دینا شروع کر دیا کہ یہ لوگ گورنمنٹ کے مخالف ہیں:

"ان کا اور ان کے حریفوں کا یہ حال دیکھ کر اس کے خادم ووکیل ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ کو یہ تعجب انگریز (انگیز) خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان کے تمام طبقات رعایا سے صرف یہی ایک فرقہ "اہل حدیث" ہے۔ جو اس سلطنت کے زیر سایہ رہنے کو بلحاظ امن وآزادی، اسلامی سلطنتوں کے زیر سایہ رہنے سے بھی بہتر جانتا ہے، کیونکہ اس فرقہ کو بجز اس سلطنت کے کسی اور سلطنت میں (اسلامی کیوں نہ ہو) پوری آزادی حاصل نہیں ہے۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ ۷، ص ۶-۱۹۵)

یہ وہ حالات تھے جن کی بنا پر بٹالوی صاحب نے جماعتِ اہل حدیث کا خصوصی رابطہ گورنمنٹ سے قائم کیا اور تمام وفاداریاں حکومت کو پیش کر دیں۔

"اُدھر اپنی مہربان گورنمنٹ سے ارتباط اور ارکان سلطنت سے رابطۂ ملاقات پیدا کیا، قوم (اہل حدیث) کے وفادارانہ ومطیعانہ خیالات کو گورنمنٹ تک پہنچایا اور گورنمنٹ کی نظر عنایت شاہانہ کو قوم کی طرف متوجہ کیا"۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۶)

پھر اپنی قوم کے تمام افراد اور طبقات کو پر زور اپیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس تمہید کو پڑھ کر امید ہے ہمارے اخوان اہل حدیث، خصوصاً ان کے اکابر ورہبر اس ضرورت کا بڑھ کر ہونا تسلیم کریں گے، بلکہ خود بھی "اشاعۃ السنۃ" کی تقلید اختیار کر کے جابجا اسی قسم کی کاروائیاں شروع کر دیں گے۔ واعظین ومدرسین اپنی مجالسِ وعظ ودرس میں اور مصنفین اپنی کتب ورسائل میں اس قسم کے مضامین شائع کریں گے اور قولاً وعملاً گورنمنٹ پر اپنے سچے اور وفادارانہ خیالات ظاہر کرنے میں سرگرمی سے کوشش کریں گے۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۶)۔

اس کاروائی کا ایک حصہ، اہل حدیث نام الاٹ کرانے کی کوشش اور درخواست تھی (جس کا مختصر تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے) اس درخواست کی توثیق پورے ہندوستان کے اہل حدیث نے کی اور تین ہزار ایک سو چھتیس (۳۱۳۶) اعیان واشخاص نے دستخط کیے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ بٹالوی صاحب کی کاروائی سے تمام اہل حدیث متفق تھے۔

ہدیہ تشکر

مولوی محمد حسین بٹالوی کی درخواستوں اور پے در پے کوششوں سے انگریزی حکومت نے اس فرقہ کا نام اہل حدیث تسلیم کر لیا۔ اس احسانِ عظیم کا شکریہ دل وجان سے ادا کیا گیا اور ہدیہ تشکر کے اظہار کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہ دیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ فرقہ اہل حدیث گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے اور اپنے ہردلعزیز اور مسلمانوں کے خیر خواہ "وائسرائے لارڈ ڈفرن" اور اپنے پیارے رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر "سر چارلس ایچی سن" کا تہِ دل سے شکر گزار ہے اور بعوض وشکریہ اس احسان اور احساناتِ سابقہ گورنمنٹ کے (جو بشمول دیگر رعایا خصوصاً اہل اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں) علی الخصوص احسان آزادی مذہبی کے (جس سے یہ فرقہ عام اہل اسلام سے بڑھ کر ایک خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھا رہا ہے) اہل حدیث لاہور نے جشنِ جوبلی کی تقریب پر کمال مسرت ظاہر کی اور قیصرہ ہند کی پنجاہ سالہ حکومت کی خوشی میں اہل اسلام کی مکلف ضیافت کی جس میں رؤسا، شرفاء، علماء عام اہلِ اسلام رونق افروز ہوئے۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ ۷، ص۲۰۳)

تعداد اہل دعوت کا ٹھیک اندازہ نہیں ہوسکا، مگر ناظرین وحاضرین کے قیاس میں سات آٹھ ہزار اشخاص کا مجمع تھا۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ ۷، ص۲۰۴)

۲۔ اس دعوت میں گورنر پنجاب اور اس کے سیکریٹریوں سے بھی شمولیت کی درخواست کی گئی تھی۔ انہوں نے فرصت نہ ہونے کے سبب معذرت کردی، تاہم انہیں ہدیہ نیاز پیش کرنے کے لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔

"اس دعوت کے مقام (مولوی الٰہی بخش کی کوٹھی) کے عین دروازہ کے سامنے سے رات کے وقت ملاحظہ روشنی کے لیے نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر کا گزر کرنا مقرر تھا، اس جگہ اہل حدیث نے ایک بلند اور وسیع دروازہ بنایا جس پر سنہری حرفوں میں ایک طرف انگریزی میں یہ کلماتِ دعائیہ مرقوم تھے:

THE AHL-I-HADIS WISH EMPRESS ALONE LIFE

(اہل حدیث چاہتے ہیں کہ قیصر ہند کی عمر دراز ہو)

دوسری طرف لاجوردی رنگ سے یہ بیت اردو۔

دل سے ہے یہ دعائے اہل حدیث
جشن جوبلی مبارک ہو

اس دروازہ سے لیفٹننٹ گورنر اور ان کے مصاحبوں اور رئیسوں کی سواریوں کا گزر ہوا تو سب کی نگاہیں ان کلماتِ دعائیہ کی طرف (جو لیمپ جھاڑ اور مہتابیوں کی روشنی سے روز روشن کی طرح نمایاں تھی) لگی ہوئی تھی اور اکثر کی زبان سے کلمہ "اہل حدیث" جاری تھا۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ ۷، ص۵-۲۰۴)

۳۔ اسی خوشی ومسرت وعقیدت سلطنت کے اظہار کے لیے اسی رات دس بجے اہل پنجاب کی مختلف سوسائٹیوں کے

ایڈریس مبارکباد پیش ہوئے۔ ان میں دسویں نمبر پر ''اہل حدیث'' کا ایڈرس جس کی نقل حاشیہ میں ہے، بذریعہ ڈیپوٹیشن پیش ہوا۔ اس ایڈریس پر مختلف اضلاع ہندوستان و پنجاب، بمبئی، مدارس و بنگال وغیرہ اعیانِ اہل حدیث کے دستخط ثبت تھے۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۶-۲۰۵)

یہ سپاسنامہ بھی ملاحظہ ہو، اس کے ایک ایک حرف سے عقیدت و نیاز کے فوارے پھوٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں:

ایڈریس گروہ مسلمانانِ اہل حدیث
بحضور فیض گنجور کوئین وکٹوریہ ملکہ گریٹ برٹن
وقیصرۂ ہند بارک اللہ فی سلطنتہا

(۱) ہم ممبرانِ گروہ اہل حدیث اپنے گروہ کے کل اشخاص کی طرف سے حضور والا کی خدمتِ عالی میں جشن جوبلی کی دلی مسرت سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

(۲) برٹش رعایائے ہند میں کوئی فرقہ ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں مبارک تقریب کی مسرت جوش زن نہ ہوگی اور اس کے بال بال سے صدائے مبارکباد نہ اٹھتی ہوگی۔ مگر خاص کر فرقہ اہل اسلام جس کو سلطنت کی اطاعت اور فرماں روائی وقت کی عقیدت اس کا مقدس مذہب سکھاتا ہے اور اس کو ایک فرضِ مذہبی قرار دیتا ہے۔ اس اظہار مسرت اور ادائے مبارکباد میں دیگر مذاہب کی رعایا سے پیش قدم ہے۔

علی الخصوص گروہِ اہل حدیث من جملہ اہلِ اسلام اس اظہار مسرت و عقیدت اور دعائے برکت میں چند قدم اور بھی سبقت رکھتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جن برکتوں اور نعمتوں کی وجہ سے یہ ملک تاجِ برطانیہ کا حلقہ بگوش ہو رہا ہے ازاں جملہ ایک بے بہا نعمت مذہبی آزادی ہے یہ گروہ ایک خصوصیت کے ساتھ اپنا نصیبہ اٹھا رہا ہے۔

(۳) وہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے، بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ اُن کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ اس خصوصیت سے یقین ہو سکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔

ہم بڑے جوش سے یہ دعا مانگتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ حضور والا کی حکومت کو اور بڑھائے اور تادیر حضور والا کی رعایا کا نگہبان رہے تاکہ حضور والا کی رعایا کے تمام لوگ حضور کی وسیع حکومت میں امن و تہذیب کی برکتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، حاشیہ ص ۶-۲۰۵)

۱۸۸۶ء میں ملکہ وکٹوریہ کی حکومت کا جشن پنجاہ سالہ (گولڈن جوبلی) سرکاری طور پر منایا گیا تھا جس میں جماعت اہل حدیث، لاہور نے مذکورہ بالا سپاسنامہ پیش کیا تھا۔ (پیام شاہجہانپوری: پندرہ روزہ نقاشے، لاہور (۱۵ مارچ و یکم اپریل ۱۹۸۳ء) ص ۳۷)

۱۸۸۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے اس ایڈریس کی منظوری کا پروانہ جاری کیا گیا جسے اشاعۃ السنۃ میں ان الفاظ میں شائع کیا گیا۔

ملکہ ''معظّمہ'' کی طرف سے اہل حدیث کو خطاب

ہم اس مژدہ کے سنانے سے بھی نہیں رہ سکتے کہ ہماری مہربان ملکہ معظمہ انگلینڈ وقیصر ہند نے اہل حدیث کے ایڈریس میں موقعہ جوبلی کو کمالِ مسرت کے ساتھ قبول فرمایا ہے اور ازراہِ عنایت خسروانہ گروہ اہل حدیث کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس شکریہ میں اس گروہ کو اُسے اہل حدیث خطاب ''اہل حدیث'' سے مخاطب کیا گیا ہے جو ان کے کمال امتیاز اعزاز کا موجب ہے۔ اس اعزازِ شاہانہ واکرامِ خسروانہ ملکہ معظّمہ قیصرِ ہند پر اہل حدیث ہند کمال ادب وانکسار کے ساتھ اپنی مہربانی ایمپرس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کی درازی عمر وتر کی توفیق واقبال کے لیے دست بدعا ہیں۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱ شمارہ ۲، ص ۴۶)

اس کے بعد دو مکتوب پیش کیے گئے ہیں، جن میں ایڈریس کی قبولیت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ ذیل میں ایک مکتوب کی نقل پیش کی جاتی ہے:

نمبر ۱۴۶۷ء۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ (پبلک)

از طرف: جے۔ پی ہیوٹ صاحب۔ انڈر سیکرٹری گورنمنٹ ہند

بنام: ممبرانِ اہل حدیث پنجاب

مقام شملہ ۱۱ جون ۱۸۸۸ء

صاحبانِ شرفا! مجھے یہ کہنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ صاحب سکرٹری آف اسسٹنٹ نے اطلاع دی ہے کہ ہر میجسٹی ملکہ معظّمہ قیصر نے بالطاف خسروانہ اس ایڈریس وغیرہ کو قبول فرمایا ہے جو آپ صاحبان نے ہر میجسٹی کی خدمت میں جوبلی کے موقعہ پر پیش کیا تھا اور ارشاد فرمایا ہے کہ ہر میجسٹی کا خاص شکریہ آپ لوگوں کو اس خیر خواہانہ نذرانہ کے لیے پہنچایا جائے۔

مجھے اے صاحبان آپ کا نہایت فرمانبردار ملازم ہونے کی عزت حاصل ہے۔

جے۔ پی۔ ہیوٹ
انڈر سکرٹری گورنمنٹ ہند

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱ شمارہ ۲، ص ۴۷)

ملکہ برطانیہ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر اہل حدیث نے جس خوشامد اور اظہار عقیدت ووفاداری کا اظہار کیا۔ وہ صرف ظاہرداری کی بنیاد پر نہ تھا، بلکہ دلی جذبات کی ترجمانی تھا۔ نیز اس پر انہیں کبھی ندامت نہیں ہوئی، بلکہ اس طرزِ عمل کے جواز پر انہوں نے شریعت کے حوالے سے دلائل بھی پیش کیے، محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

''اس مضمون میں دلائل کتاب وسنت کا بیان دو غرض سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ گورنمنٹ کو یہ یقین ہو کہ اس موقع پر مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے، سچے دل سے کیا ہے اور اپنے مقدس مذہب کی ہدایت سے کیا ہے۔ صرف ظاہرداری اور جھوٹی خوشامد سے کام نہیں لیا۔

دوسری یہ کہ ناواقف مسلمانوں کے اس فعل میں عدم جواز اور مخالفتِ شریعت کا وہم وگمان پیدا نہ ہو۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۸، ص ۲۲۸)

مزید لکھتے ہیں:

''پس واضح ہو کہ جو کچھ اس موقع پر اہل حدیث نے کیا ہے، وہ امور ذیل ہیں:

(۱) ملکہ معظمہ کی تعظیم کرنا اور تعظیمی الفاظ سے اس کو یاد کرنا۔

(۲) ملکہ معظمہ کی حکومت پنجاہ سالہ پر خوشی کرنا اور اس خوشی میں مسلمانوں کو کھانا کھلانا۔

(۳) برٹش سلطنت کی اطاعت وعقیدت کو ظاہر کرنا اور اس کو فرضِ مذہبی بتانا۔

(۴) اس سلطنت کی برکات واحسانات (امن آزادی وغیرہ) کا معترف ہونا اور اس پر ملکہ معظمہ اور سلطنت کی تعریف کرنا اور شکر گزار رہنا۔

(۵) ملکہ معظمہ اور اس کی سلطنت کے لیے دعاء سلامت وحفاظت وبرکت کرنا وعلیٰ ہذا القیاس ان امور میں کوئی امر بھی ایسا نہیں ہے جس کے جواز پر شریعت کی شہادت پائی نہ جاتی ہو۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۸، ص ۲۲۹)

لارڈ ڈفرن کے حضور

غالباً ۱۸۸۸ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل اور وائسرائے لارڈ ڈفرن کے حضور، جماعت اہل حدیث نے اس کی وطن واپسی کے موقع پر ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ سپاسنامہ کیا ہے؟ عقیدت ووفاداری کا نچوڑ پیش کر دیا گیا ہے اور بقول بٹالوی صاحب:

''ڈپیوٹیشن دھوم دھام کا تھا۔'' (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۳)

سپاسنامہ فارسی میں تھا، اس کا ترجمہ مع تلخیص پیش کیا جاتا ہے:

حضور والا!

ہم فرقہ اہل حدیث کے چند ارکان اور پنجاب اور ہندوستان کے دیگر اسلامی فرقوں کے چند اشخاص اپنی طرف سے اصالۃً اور اپنے دیگر ہم مشربوں کی طرف سے وکالۃً، اس والا درجات کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے اور اس ذات ستودہ صفات کی مفارقت پر اظہار غم کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔

''خیر اندیشوں'' اور ''جاں نثاروں'' کے مذہب کے مطابق کمالِ عجز وانکسار کے ساتھ عرضِ مدعا کی اجازت چاہتے ہیں۔ اس کرم گستر اور عدل پرور کے عہد سعادت عہد کی برکتیں اور احسانات، بارانِ رحمت، عمیم البرکت کی طرح اس اطاعت شعار علاقہ کے تمام لوگوں اور تمام قوموں پر برسے ہیں۔ (جیسے مملکت میں قیام امن حدود سلطنت کا استحکام، پبلک سروس کمیشن کا تقرر اور لیڈی ڈفرن فنڈ کی تجویز وغیرہ۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے دوسری قوموں کی طرف اور ان کے برابر ان سے کافی ووافی حصہ حاصل کیا ہے۔ ''حضور پرنور'' کے بعض انعامات اور احسانات ایسے ظاہر ہوئے ہیں جن سے استفادہ کرنے میں اہلِ اسلام عموماً اور اہل حدیث خصوصاً

سبقت لے گئے ہیں اور ایک قسم کی خصوصیت پیدا کی ہے۔

خاص طور پر فرقہ اہل حدیث کے لیے جو عظیم مہربانی اور گراں قدر احسانات ایسے ظاہر ہوئے ہیں جن سے استفادہ کرنے میں اہل اسلام عموماً اور اہل حدیث سبقت لے گئے ہیں اور ایک قسم کی خصوصیت پیدا کی ہے۔

خاص طور پر فرقہ اہل حدیث کے لیے جو عظیم مہربانی اور گراں قدر احسان روا رکھا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے حق میں لفظ وہابی کا استعمال سرکاری دفاتر میں ممنوع قرار دے دیا ہے جو ان کی دل آزاری کرتا تھا اور ان کی وفاداری اور جاں نثاری جو نازک وقتوں میں پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور سرکارِ والا کے نزدیک بھی مسلم ہے، ناواقفوں کی نظر میں مشکوک بنا دیتا تھا، اس طرح بے خبروں کی بدگمانیوں کو ختم کر دیا۔

اہل اسلام عموماً اور اہل حدیث پر خصوصاً ان انعامات عامہ وخاصہ پر نظر کرتے ہوئے ہزار زبان سے اس والا دودمان کے احسان کا شکریۂ دل سے بجالاتے ہیں اور اس مظہر جود واحسان کی قبل از وقت مفارقت پر اشکِ حسرت بہاتے ہیں اور دلی رنج کو اس آرزو کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ کاش ہما کا ہم پلہ سایہ، مقررہ میعاد تک ان کے سروں پر پھیلا رہتا اور حکومت کی مدد دوگنا ہو جاتی تاکہ فوائد ومنافع، مسلمانوں کا نصیب ہوکر بارِ احسان ان کے کندھوں پر رکھ دیتے۔

آخر میں حضور موفور السرور کی ناگزیر مفارقت پر فراق گزیدہ بے چارے، صبر وسکون کا دامن پکڑ کر اس دعائے خیر کے ساتھ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں کہ خداوندِ عالم، ذات مکرمت صفات کو امن وعافیت کے ساتھ وطن مالوف تک پہنچائے اور اس جگہ روز افزوں ترقی اقبال عطا فرما کر اہل اسلام کے فائدے اور بہتری کے لیے سرچشمہ بنائے۔

اور تاج وتخت برطانیہ جس کی نیابت کا شرف جناب والا کو حاصل ہے، کو تمام تر قیام واستحکام فرما کر ملک کے لیے موجب امن وبرکت اور مسلمانوں کی حفاظت واستحکام عطا فرما کر ملک کے لیے موجب امن وبرکت اور مسلمانوں کی حفاظت وحمایت کا باعث بنائے۔

ہم ہیں حضور کی وفادار اور جاں نثار رعایا

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱ شمارہ ۲، ص ۳۱-۳۰)

اگر زحمت نہ ہو تو ایک دفعہ پھر اس سپاسنامے کو پڑھ لیجیے اور خیر اندیشوں اور جاں نثاروں کا حضور پُر نور، کرم گستر اور عدل پرور کی بارگاہ میں یہ فدویانہ اعتراف ملاحظہ فرمایئے کہ آپ کے بعض انعامات وہ ہیں جن کے حصول میں اہل حدیث خصوصیت کے ساتھ سبقت لے گئے ہیں اور پھر نگاہِ حیرت سے یہ نظارہ بھی دیکھیے کہ ان کی جبین پر عرق انفعال نام کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی:

”اور پھر مولانا محمد حسین بٹالوی کے متعلق ماسوا اس کے کہ انہوں نے انگریز گورنر کے پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے، لوکل گورنمنٹ کے اجراء چیفس کالج کے قائم کرنے، پبلک لائبریری کے بنانے اور طلبہ کو وظائف دینے پر اس کا شکریہ ادا کیا ہے اور کون سی چیز ہے جس پر انہیں مطعون کیا جا سکتا ہے۔“ (ظہیر: مرزائیت اور اسلام، ص ۲۳۳)

اسے کہتے ہیں کہ اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اگر بٹالوی صاحب کے سپاسنامے میں طعن کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ انگریزی

حکومت سے مربعے حاصل کرنے اور حرمتِ جہاد کا فتویٰ دینے اور خوشامدوں کے طومار کھڑے کر دینے میں بھی آپ کے نزدیک طعن کی کوئی وجہ نہیں ہے تو پھر کہہ دیجئے کہ دنیا میں کسی ایسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے جس پر طعن کیا جا سکے۔

جان چھڑانے کا ایک تعجب خیز انداز بھی دیکھتے چلیے:

رہا معاملہ محمد حسین بٹالوی کے دو ایڈریسوں کا تو ہم اس سلسلہ میں متنبّی قادیانی کی امت کی طرح کسی طرح کی تاویل وتحریف کے چکر میں پڑنے کی بجائے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا چند افراد نے ایسا کیا تو غلط کیا، ہم انہیں نہ معصوم سمجھتے ہیں اور نہ صاحبِ شریعت کہ ان کی ہر بات ہمارے لیے حجت وسند ہو قوم میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن سے غلطیوں اور لغزشوں کا صدور ہوتا ہے۔ ان سے مجموعی طور پر قوم کے دامن پر دھبہ نہیں لگ سکتا اور نہ ہی ان کی بناء پر کسی گروہ کو مطعون کیا جا سکتا ہے۔ (ظہیر: مرزائیت اور اسلام، ص ۲۳۳)

مقامِ عبرت ہے کہ جب اس ایڈریس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کسی کو مطعون کیا جا سکے، تو اس برات کی کیا ضرورت؟ پھر یہ معاملہ ایک فرد یا چند افراد کا نہیں ہے۔ اس سپاسنامے پر دستخط کرنے والے اس وقت کے اہلِ حدیث کے تمام بڑے بڑے ستون اور قائدین شامل ہیں اور حد یہ کہ "شیخ الکل" میاں نذیر حسین دہلوی کے دستخط سرفہرست ہیں۔ انصاف ودیانت کا پتا اس وقت چلے گا، جب ان سب سے اظہارِ برات کر دیا جائے گا، ورنہ گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس سپاسنامے پر دستخط کرنے والوں کے چند نام ملاحظہ ہوں رحمہم اللہ:

مولوی سید محمد نذیر حسین دہلوی (شیخ الکل)

ابو سعید محمد حسین (بٹالوی) وکیل اہلِ حدیث ہند

مولوی محمد یونس خاں، رئیس دتاولی، علی گڑھ

مولوی قطب الدین، پیشوائے اہلِ حدیث، روپڑ

مولوی محمد سعید، بنارس

مولوی الٰہی بخش پلیڈر، لاہور

مولوی سید نظام الدین پیشوائے اہلِ حدیث، مدراس، وغیرہ وغیرہ۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ۳۱-۳۲)

اس سپاسنامہ کے جواب میں وائسرئے لارڈ ڈفرن نے جو کچھ کہا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

صاحبان! میں اس ایڈریس کے لیے جو ابھی آپ نے مجھے دیا ہے، آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کے خیر خواہانہ اظہارِ عقیدت، نسبت برٹش گورنمنٹ کو سن کر خوش ہوتا ہوں اور میں خلوصِ دل سے امید کرتا ہوں کہ شمالی مغربی سرحد کو استحکام دینے کی وجہ سے (جس میں آپ میں سے اکثر بوجہ اس کے کہ سرحدی صوبہ کے باشندے ہیں، خاص دلچسپی رکھتے ہیں) جو امن اس وقت ہمیں حاصل ہے، قائم رہے گا۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ۳۲)

لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ایچی سن کے حضور

۲۴؍ مارچ ۱۸۸۷ء کو گورنر پنجاب کی رخصت پر اہل حدیث نے ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں اظہار عقیدت ووفاداری کا وہی والہانہ انداز ہے جو لارڈ ڈفرن کے سپاسنامہ میں ہے۔ اس سپانامہ کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے:

ایڈریس منجانب فرقہ اہل حدیث وممبران دیگر فرقہا اہلِ اسلام بحضور سر چارلس امفرسٹن آچیسن صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ایل ایل۔ ڈی لیفٹیننٹ گورنر پنجاب وغیرہ۔ ہم ممبران فرقہ اہل حدیث ودیگر فرقہائے اہل اسلام حضور والا کی عالی خدمت میں اس موقعہ پر (جب کہ حضور اس صوبہ سے مرخص ہوتے ہیں) کمال ادب واخلاص کے ساتھ حضور والا کے خسروانہ احسانات ومربیانہ عنایات کا شکریہ ادا کرنے اور حضور کی مفارقت پر دلی افسوس ظاہر کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔

حضور والا کے شاہانہ عنایات ومربیانہ توجہات ابتدا رونق افروزی ہندوستان سے اس عہد گورنری تک اس ملک ہندوستان پر اس کثرت وتواتر سے مبذول رہی ہیں کہ اگر ان کو متواتر باران رحمت یا موجزن دریا موہبت کہا جائے تو بیجا نہیں ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

خاتمہ میں ان کلماتِ دعائیہ کی عرض پر اکتفاء کرتے ہیں کہ خداوند عالم حضور فیض گنجور کو صحت وسلامتی کے ساتھ وطن مالوف میں پہنچائے اور پھر بہت جلد حضور کو عہدۂ گورنر جنرل پر مامور معزز فرما کر ہندوستان میں لاوے اور ہماری آنکھوں کو دوبارہ حضور کے دیدار فیض آثار سے منور کرے۔ آمین ثم آمین

بوطن رخصت مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی

دربار دہلی میں ارمغانِ عقیدت

اہل حدیث کی تاریخ یہ رہی ہے کہ انہوں نے حکومتِ برطانیہ کی خوشامد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”خاکسار نے بمشورہ بعض اعیان اہل حدیث پنجاب و بنگال، گورنمنٹ پنجاب سے اس مضمون کی درخواست کی کہ ہر چند مختلف اضلاع اور شہروں کے تمام جلسوں میں، جن میں اہل اسلام ہندوستان نے بتقریب تاجپوشی ہر میجسٹی کنگ امپر رمسرت کا اظہار کیا ہے۔ مسلمانانِ اہل حدیث بھی شامل رہے ہیں مگر خاص موقع دربار دہلی میں وہ لوگ خصوصیت کے ساتھ اظہار مسرت چاہتے ہیں۔۔۔

اس درخواست کے جواب میں سکرٹری گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے یادداشت نمبری ۲۳۹ دفتر اشاعۃ السنۃ میں موصول ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تخت نشینی ہر میجسٹی کنگ امپر کی تقریب پر ہندوستان کے مختلف فرقوں کو ایڈریس مبارک باد پیش کرنے کا کئی دفعہ موقع دیا گیا ہے، لہٰذا گورنمنٹ ہند کی تجویز نہیں ہے کہ اب دربار میں کوئی ڈیپوٹیشن ایڈریس پیش کرے۔ ہاں فرقہ اہلحدیث معمولی طور پر گورنمنٹ ہند کی خدمت میں مبارک باد کا ایڈریس پیش کرے تو گورنمنٹ ہند کو اس کے قبول کرنے میں عذر نہ ہوگا (محمد حسین بٹالوی:

اشاعۃ السنۃ، ج۱۹، شمارہ ۹، ص۴)

کوئی وجہ نہ تھی کہ خصوصی طور پر ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کی اجازت نہ دی جاتی کیوں کے حکومتِ برطانیہ کو یہ جاں نثاری اور وفاداری کسی دوسرے فرقہ سے نہیں ملی تھی۔

الاقتصادی فی مسائل الجهاد

مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث کے وکیل اور سرکردہ علماء میں سے تھے۔ ۱۷ محرم ۱۲۵۲ھ / ۱۸۴۰ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳۳۸ھ / ۲۰-۱۹۱۹ء میں فوت ہوئے۔

حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

الشیخ الفاضل ابو سعید محمد حسین بن رحیم بخش بن ذوق محمد الهندی البطالوی احد کبار العلماء (عبدالحی لکھنوی، مورخ: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۴۲۷)

گزشتہ صفحات میں انگریزی حکومت سے روابط کا تذکرہ زیادہ تر ان ہی کے حوالہ سے کیا گیا ہے اور ان معاملات میں زیادہ تر وہی پیش پیش رہے ہیں۔

۱۸۷۶ء میں انہوں نے ایک رسالہ الاقتصاد لکھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ہندوستان تو ہندوستان دنیا کے کسی بھی اسلامی ملک کے مسلمانوں کا گورنمنٹ سے جہاد جائز نہیں۔

"۱۸۷۶ء میں ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ رسالہ اقتصاد فی مسائل الجہاد تالیف کر چکا ہے جس میں قرآن وحدیث اور فقہی دلائل سے ثابت ومدلل ہے کہ اس گورنمنٹ سے مسلمانوں، کا ہند کے ہوں خواہ روم یا عرب کے مذہبی جہاد جائز نہیں اور اسی سال پنجاب کے عام اہل حدیث نے بذریعہ ایک عرضداشت اپنی عقیدت اطاعت گورنمنٹ کا اظہار کیا تھا، جس پر گورنمنٹ کی طرف سے اس کی تائید وتصدیق میں ایک سرکلر جاری ہوا تھا جو "اشاعۃ السنۃ" نمبر ۹، جلد ۸ میں منقول ہو چکا ہے۔" (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۱، ص ۲۶)

ہندوستان دارالاسلام ہے

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

"جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو، وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا، پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو، اقوام غیر نے اس پر تغلب سے تسلط پا لیا ہو، (جیسا کہ ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اس میں ادائے شعائرِ اسلام کی آزادی رہے، وہ بحکم حالتِ قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے۔" (محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد (وکٹوریہ پریس) ص ۱۹)

دنیا کا کوئی مسلمان بادشاہ گورنمنٹ سے جہاد نہیں کر سکتا۔

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

"اس مسئلہ اور اس کے دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجودیکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں ہے،

دارالاسلام ہے۔ اس پر کسی بادشاہ کو عرب کا ہو خواہ عجم کا، مہدی سوڈان ہو یا خود حضرت سلطان (ترکی بادشاہ) شاہ ایران ہو خواہ امیر خراسان، مذہبی لڑائی و چڑھائی کرنا جائز نہیں ہے۔"

جہاد کبھی بھی نہیں ہو سکتا

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"دو نتیجوں سے ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ اس وقت نہ کوئی مسلمانوں کا امام موصوف بصفات و شرائط امامت موجود ہے اور نہ اُن کو ایسی شوکت و جمعیت حاصل ہے جس سے وہ اپنے مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی اُمید کر سکیں۔

ہم جب کبھی بعض اخبارات میں یہ خبر دیکھتے ہیں سلطنتِ روم یا ریاست افغانستان وغیرہ بلادِ اسلام سے جہاد کا اشتہار دیا گیا ہے، تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس کا خبر کا یقین نہیں آتا اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر امام کہاں ہیں جس کی پناہ میں اور اس کے امر و اجازت سے مسلمان جہاد کر سکیں اور ایسی جمعیت و شوکت کس کو میسر ہے جس سے وہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی امید رکھیں۔ (محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد ص۷۲)

بعض لوگ جب تسلیم سے راہِ فرار اختیار نہیں کر سکتے، تو یہ عذر تراشتے ہیں کہ اس قسم کی کاروائیوں کی ذمہ داری بٹالوی صاحب یا چند دیگر افراد کے سر ہے، (ظہیر: مرزائیت اور اسلام: ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور: ص۲۳۳) حالانکہ بٹالوی صاحب نے رسالہ الاقتصاد پر پورے ملک کے سینکڑوں علماء سے تصدیق حاصل کی تھی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

یہ رسالہ میں نے ۱۸۷۶ء میں تالیف کیا اور اس میں علماء اسلام کی رائیں لینے اور اُن کا توافق رائے حاصل کرنے کے لیے لاہور سے عظیم آباد، پٹنہ تک سفر کیا اور اکابر علماء مختلف فرقہ ہائے اسلام کو یہ رسالہ حرف بحرف سنا کر ان کا توافق رائے حاصل کیا اور بعض بلاد ہندوستان و پنجاب (جہاں راقم خود نہیں جا سکا) اس رسالہ کی متعدد کاپیاں بھجوا کر ان بلاد کے اکابر علماء کا اتفاق رائے حاصل کیا۔ پھر ۱۸۷۶ء میں اس رسالہ کے اصل اصول مسائل کو بہ ضمن ضمیمہ نمبر ۱۱ جلد ۲ رسالہ "اشاعۃ السنۃ" بعنوان اشتہار عام لوگوں میں شائع کیا اور اس میں عام اہل اسلام کو ان مسائل میں اپنی آراء ظاہر کرنے کا موقع دیا جس پر بہت سے مواضع ہندوستان و پنجاب کے (جہاں وہ ضمیمہ پہنچا) صدہا عوام و خواص نے ان مسائل کی نسبت اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا۔ (محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد ص۲-۳)

صاف ظاہر ہے کہ اس رسالہ کے مندرجات تمام اہل حدیث کے اتفاقی تھے، بٹالوی صاحب کے انفرادی نظریات نہ تھے۔

قصور میں اہل حدیث کے سرکردہ علماء میں مولوی غلام علی قصوری ثم امرتسری، اور مولوی مرزا فتح محمد بیگ تھے۔ وہ دونوں بٹالوی صاحب سے بھی پہلے جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ دے چکے تھے۔ اس وقت ہمارے سامنے مرزا فتح محمد بیگ کی نگرانی میں شائع ہونے والے ماہانہ رسالہ انجمن مفید عام قصور کا ایک شمارہ ہے جس میں مرزائے موصوف کے رسالہ جہاد پر ریویو (تبصرہ) ایک معاصر اخبار سے نقل کیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں:

''مرزا صاحب (فتح محمد بیگ) نے جملہ ساکنانِ پنجاب کی نسبت اعلیٰ احکام کے سامنے بارہا ظاہر کیا ہے کہ وہ سب کے سب بمقابلہ گورنمنٹ جہاد کو حرام خیال کرتے ہیں۔'' (رسالہ انجمن مفید عام قصور، شمارہ فروری، ۱۸۸۰ء، ص۴۲)

علاوہ بریں اور بہت سے علماء دین نے جو اس مسئلہ کی بابت بہت کچھ لکھا اور کہا ہے ان کا کیا نقصان ہوا؟ جیسا کہ جناب مولانا حضرت مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر نجم الہند نے ایک رسالہ ڈاکٹر ہنٹر کے جواب میں لکھا اور مولوی غلام علی صاحب امرتسری ایک مدت سے اس مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں، صاحب آخر الذکر خاص کر کے اس وقت بھی جہاد کو مخالف گورنمنٹ انگریزی ایسا ہی ناجائز اور حرام کہتے تھے، جبکہ مولوی محمد حسین بٹالوی اس مسئلہ میں ان کے برخلاف تھے۔

(رسالہ انجمن مفید عام قصور، شمارہ فروری، ۱۸۸۰ء، ص۔ ۲۳۴)

بٹالوی صاحب تو زبانِ حال سے یہ کہتے ہوں گے ع

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم

ان تفصیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ محوِ حیرت ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے:

''اور اس دور میں جبکہ ہندوستان کے خائن اور غدار، انگریزوں کی حمایت میں جہاد کرنا جائز قرار دے رہے تھے اور ہندوستان کو دارالاسلام بتا رہے تھے۔ اہل حدیث نہ صرف ہر طریقے سے قوم کو جہاد کا درس دے رہے تھے، بلکہ عملاً جہاد میں شریک بھی تھے اور پورا ہندان کے جہاد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔'' (ظہیر: مرزائیت اور اسلام: ص۲۱۵)

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی تقریر کا ایک اقتباس اس سے پہلے گزر چکا ہے اس موقع کی مناسبت سے دوبارہ نقل کر دینا مناسب رہے گا۔

''ان پر (انگریز کے خلاف) جہاد کسی طرح واجب نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔'' (مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ (مطبع فاروقی، دہلی) ص۲۹۴)

ظہیر صاحب کہتے ہیں کہ ''اہل حدیث نہ صرف ہر طریقے سے قوم کو جہاد کا درس دے رہے تھے، بلکہ عملاً جہاد میں شریک بھی تھے۔'' انہوں نے یہ نہیں کہا کہ انگریز کے خلاف جہاد کا درس دیا جا رہا تھا یا جہاد کیا جا رہا تھا اور حقائق و شواہد بھی یہ گواہی دے رہے ہیں کہ دہلوی سے لے کر بٹالوی تک انگریز کے خلاف جہاد کو ناجائز اور حرام قرار دیتے تھے، ان کا جہاد سرحد کے حنفی مسلمانوں کے خلاف تھا یا سکھوں کے خلاف جو انگریزوں کے لیے مستقل دردِ سر کی حیثیت رکھتے تھے۔''

امام احمد رضا بریلوی نے فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان میں جہاد کی شرطیں موجود نہیں، اس لیے مسلمانوں پر جہاد واجب نہیں، اس پر انتہائی تند و تیز فتوے صادر کیے جاتے ہیں۔ انداز ملاحظہ ہو۔

''کسی انصاف پسند کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس بات سے اختلاف کرے کہ بریلوی اور بریلویت کا تمام وزن، غاصب انگریزی استعمار کے پلڑے میں تھا، اگرچہ انہیں انگریز کا ملازم، جاسوس اور تنخواہ دار تسلیم نہ کرے، کیونکہ انہوں نے جہاد اور مجاہدین کے

خلاف فتویٰ دیا اور انگریزی استعمار کے خلاف ترکِ موالات کی تحریک کی مخالفت کی، بلکہ لوگوں کو انگریزوں کی دوستی اور موالات کا حکم دیا"۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۴۴)

ترکِ موالات کے مسئلہ میں امام احمد رضا بریلوی کا موقف کیا تھا؟ اس وقت زیر بحث نہیں، اس کے لیے پیشِ نظر کتاب کے دیگر اوراق کا مطالعہ کیجیے، اس وقت تو صرف اس امر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ یہ تمام امور بلکہ اس سے کہیں زیادہ بٹالوی صاحب اور دیگر علماء اہل حدیث میں پائے جاتے ہیں، انہیں کن خطابات سے نوازا جائے گا؟

۱۸۵۷ء کے مجاہدین مفسد، بدکردار، باغی

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے، وہ سخت گنہگار، اور بحکمِ قرآن وحدیث وہ مفسد وباغی، بدکردار تھے، اکثر ان میں عوام کالانعام تھے۔ بعض جو خواص وعلماء کہلاتے تھے، وہ بھی اصل علوم دین (قرآن وحدیث) بے بہرہ تھے یا نافہم وبے سمجھ، باخبر سمجھ دار علماء (اہل حدیث) اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر جو اس عذر کو جہاد بنانے کے لیے مفسد لیے پھرتے تھے، انہوں نے خوشی سے دستخط کیے۔

یہی وجہ تھی کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جو حدیث وقرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے، اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے (جن کے امن وعہد میں رہتے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے ہیں۔ اس ملک سے باہر ہوکر قوم سکھوں سے (جو مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی کرتے تھے، کسی کو اونچی اذان نہیں کہنے دیتے تھے) لڑے۔ (محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد، ص ۴۹-۵)

جہاد حرام

دربھنگہ کے ایک اہل حدیث لکھتے ہیں:

"حکام نے مولوی محمد حسین صاحب سے پوچھا کہ تمھارے مذہب میں سرکار سے جہاد درست ہے یا نہیں؟ تب انہوں نے ایک کتاب لکھی اور بہت علماء سے دستخط کرا کے بھیجی کہ ہم لوگ اہل حدیث کے مذہب میں بادشاہ سے جس کے امن میں رہتے ہیں، جہاد حرام ہے۔" (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰ اشمارہ ۲، ص ۳۶)

الاقتصاد کے علاوہ مولوی محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں شائع ہونے والے جریدہ اشاعۃ السنۃ کی فائلیں گواہ ہیں کہ فرقہ اہل حدیث نے گورنمنٹ کے حضور کس کس طرح اپنی وفاداری کے ثبوت فراہم کیے ہیں:

"اشاعۃ السنۃ نے گورنمنٹ میں اہل حدیث کی وقعت کو جما دیا اور ان کی وفاداری کا ثبوت دے کر داغ بغاوت جو دراصل ان کے دشمنوں کا اختراع تھا، مٹا دیا۔" (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰ اشمارہ ۲، ص ۴۰)

سرٹیفکیٹ

۳۱ مارچ ۱۸۸۷ء کے سرٹیفکیٹ میں سر چارلس ایچیسن صاحب بہادر سابق نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب لکھتے ہیں:

’’ابوسعید محمد حسین فرقہ اہل حدیث کے ایک سرگرم رکن مولوی اور فرقۂ اسلام کے وفادار اور ثابت قدم وکیل ہیں، ان کی علمی کوششیں لیاقت سے ممتاز ہیں، وہ نیز ملکہ معظمہ کی وفادار رعایا میں سے ہیں‘‘۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ ۲، ص ۴۱)

اگر کوئی محقق ’’انگریز اور اہل حدیث کی وفاداری‘‘ کے عنوان پر اشاعۃ السنۃ کی بنیاد پر تحقیقی مقالہ لکھنا چاہیے تو ضخیم مقالہ لکھ سکتا ہے اور اگر اس موضوع پر اس رسالہ کے متعلقہ صفحات کے عکس ہی جمع کر دیئے جائیں، تو اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

مولوی محمد یونس خاں اہل حدیث، رئیس دتاولی، علی گڑھ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کی حمایت میں ایک مضمون لکھا تھا، اس کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔

رفتارِ زمانہ سے واقف

’’حقیقت میں مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اہل حدیث کے فرقہ میں پہلے وہ شخص ہیں جو زمانہ کی رفتار سے واقف ہوئے ہیں اور ٹھیٹھ اسلام کی رو سے ہمارے اور گورنمنٹ ملکہ معظمہ کے تعلقات کو سمجھے ہیں اور ان کو ظاہر کیا ہے۔۔۔۔ جب کہ تمام ملکوں اور تمام مذاہب کی رعایا حضور ملکہ معظمہ کی پنجاہ سالہ جشن میں اظہارِ مسرت کر رہے ہیں۔ کیا صرف فرقہ اہل حدیث ہی ایسا ناسپاس اور خیرہ ہو جاوے کہ اظہارِ خوشی سے سکوت اختیار کرے۔‘‘ (محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۳۲)

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

’’اس کاروائی کے پہلوؤں کو وہی لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں جو پولٹیکل امور کے سمجھنے کا دماغ رکھتے ہیں۔‘‘ (محمد حسین بٹالوی: حاشیہ اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۱۱)

خوفناک انگریزی مظالم

احسان الٰہی ظہیر لکھتے ہیں:

’’انگریزی استعمار نے ہندوستان سے مسلمانوں کا بساطِ حکومت لپیٹ دیا اور ۱۸۵۷ء میں ان کے خون بہائے، ان کی شوکت کو توڑا، ان کی قوت کو کمزور کیا، ان کے علماء کو پھانسیوں پر چڑھایا، ان کے قائدین اور زعماء کو جلاوطن کیا۔‘‘ (ظہیر: البریلویۃ، ص ۳۶)

اس میں شک نہیں کہ انگریز کے مظالم نے ہلاکو اور چنگیز کی روحوں کو شرما دیا، لیکن علمائے اہل حدیث، ملکہ وکٹوریہ کو مادرِ مہربان قرار دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی شفیق ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی ہے، تو اس نتیجہ میں وزن محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات نے نہ تو جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا اور نہ ہی موردِ عتاب بنے۔ انہوں نے تو اپنے دلی جذبات عقیدت سے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین دلا دیا تھا۔

مادرِ مہربان

مولوی محمد یونس اہل حدیث رئیس دتاؤلی لکھتے ہیں:

''ہم اپنی ملکہ مادرمہربان کی خوشی کے کیونکر ساتھ نہ ہوں؟ کون ملکہ؟ جس نے ہماری شوخ چشمیوں اور خیرہ سریوں کو بالکل اپنے دل سے فراموش کر کے غدر ۵۷ء کے بعد ہم کو خطِ آزادی دیا اور جس نے اپنی ایک نگاہِ عنایت اور ایک دستخطی فرمان سے ہمارے خونوں کو معاف کیا، ہماری جائدادیں واپس کیں۔ (محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص۲۴)

ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی گئی ہے

''جب ایسی شفیق ملکہ پروردگار نے ہماری خوش قسمتی سے ہماری سلطنت کے واسطے بنائی ہے تو بتایئے کہ عقلاً وعرفاً وشرعاً کیونکر ہم اس کی خوشی کو اپنی خوشی نہ سمجھیں؟ اس کے رنج کو اپنا رنج تصور نہ کریں، اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہم پر نفرین ہے۔'' (محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص۳۱)

ہم ڈنکے کی چوٹ پر گورنمنٹ کا ساتھ دیں گے

''اگر آپ کے دست وبازو میں قوت ہو جہاد کیجئے، مگر یاد رکھیے کہ ایسے صاحب کا ساتھ دو، ایک خارج از عقل ہی دیں گے اور میں اور میرے ساتھی تو ڈنکہ کی چوٹ سے بادشاہِ وقت کا ساتھ دیں گے۔ (محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص۲۲)

ملکہ کی خیر خواہی میں جان دینا باعث فخر

اور سچ یہ ہے کہ اپنی ملکہ کی خیر خواہی کے واسطے جس کی سلطنت میں لکھوکھہا فوائد ہم کو حاصل ہوئے ہیں، اپنی جان کھو دینے یا بدخواہ کی جان لینے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے مجاہد بے وقوف تھے

''وہ لوگ اگرچہ ہمارے بزرگ یا قرابتی ہوں، بے وقوف اور نادان تھے، جنہوں نے ۵۷ء کے غدر کو برپا کیا تھا، اصل یہ بات ہے کہ وہ ہماری طرح اس سلطنت کے فوائد سے واقف نہ تھے۔ (محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص۳-۲۲)

برٹش گورنمنٹ ہی میں ہماری ترقی ہے

''بہتر ہے وہ صاحب افغانستان میں سنت کی پیروی کا وعظ کہیں یا مکہ معظمہ میں حدود شرعی کو جاری کریں یا بخارا میں جو ایک

مسلمانی ریاست روس کے ماتحت ہے، اپنے کو غیر مقلد ظاہر کریں، حضرت اس صورت میں یا تو آپ کا ہاتھ یا کان یا ناک نہ ہوگا یا آپ خود نہ ہوں گے۔ برٹش گورنمنٹ ہی میں آپ کی ترقی چلتی ہے اور جگہ کیا مجال جو آپ اپنی زبان تک ہلا سکیں۔

(محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۳-۴۴)

مسلمانوں کو برٹش کا مطیع بنانا

ڈاکٹر ابو محمد جمال الدین، اہل حدیث (کھوری، ضلع ساگر) زیرِ عنوان ''اس ایک مسئلہ خلافت کے بیان کے بے انتہا فوائد ہیں'' لکھتے ہیں:

✡ مسلمانوں کو برٹش کا زیادہ مطیع بنانا، اس کے فوائد بھی واقفانِ معاملات پولٹیکل پر مخفی نہیں ہیں۔

✡ مسٹر بلنٹ (جو ترقی و بہی خواہ اسلام ہیں اور بہبودیٔ اسلام کے کام کرنے میں ساعی ہیں) کی مخالفت سے لوگوں کو باز رکھنا جس سے اتفاق اہلِ اسلام و ترقی اسلام کی تدابیر میں رخنہ اندازی نہ ہونے پاوے۔ ان میں سے ہر ایک فائدہ میں اور بھی بے شمار فوائد ہیں۔ (ابو محمد جمال الدین: اشاعۃ السنۃ، ج ۷، شمارہ ۸، ص ۲۲۷)

انعام وفا

اشاعۃ السنۃ کی فائلوں سے چند اقتباسات گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے ہیں، جن سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اہل حدیث کے وکیل مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنی پوری جماعت کو انگریز حکومت کے دامنِ مہر وفا سے وابستہ رکھا، یہاں تک کہ گورنمنٹ نے نہ صرف ان کی وفاداری کا کھلے دل سے اعتراف کیا، بلکہ اظہارِ خوشنودی کے طور پر انعامات سے بھی مالا مال کیا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اپنی وصیت میں لکھتے ہیں:

''اراضی جو خدا تعالیٰ نے گورنمنٹ سے مجھے دلائی ہے، چار مربع ہے۔''

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۲۷۷)

مسعود عالم ندوی (اہل حدیث) لکھتے ہیں:

''ہندوستان کی جماعت اہل حدیث موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی اور ان کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکارِ انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور حد یہ کہ وقت کے بعض مشہور حنفی علماء (مولانا فضلِ حق خیر آبادی اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکہ کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دیئے''۔ (مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص ۸-۲۷)

انعام ملنے کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مولوی محمد حسین بٹالوی نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ (الاقتصاد فی مسائل الجہاد) فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع کرائے تھے۔ معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں ''جاگیر'' بھی ملی تھی۔ اس رسالہ کا پہلا حصہ ہمارے پیشِ نظر ہے پوری کتاب تحریف و تدلیس کا عجیب و غریب نمونہ ہے۔''

(مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص ۴۷)

بٹالوی صاحب نے اپنی پوری قوم کو اس رنگ میں رنگ دیا تھا۔

''اس رسالے (الاقتصاد) میں جہاد کو منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔۔۔ اردو، انگریزی، عربی میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے اور انگریزی اور اردو ترجمے سر چارلس ایچی سن اور سر جیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کیے گئے۔۔۔ اللہ مرحوم کی مغفرت کرے، اس کتاب پر انعام سے بھی سرفراز ہوئے تھے، جماعت اہل حدیث کو فرقہ کی شکل دینے میں ان کا حصہ ہے اور یہ ہی وہ بزرگ ہیں، جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خو بو پیدا کی۔''

(مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص ۱۷۳-۴)

واقعہ بھی یہ ہے کہ انگریز اپنے وفاداروں کو نوازنے میں بخل سے کام نہیں لیتا تھا، اس نے اپنے وفاداروں کو نواز اور خوب نوازا۔۔۔ امام احمد رضا بریلوی پر ان کے مخالفین شدید تر الزامات عائد کرنے سے نہیں چوکتے، لیکن آج تک بڑے سے بڑا مخالف یہ ثابت نہیں کر سکا کہ انہیں یا ان کے صاحبزادوں کو گورنمنٹ نے شمس العلماء کا خطاب دیا ہو کوئی جاگیر یا کوئی انعام دیا ہو، پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وہ انگریز کے حمایتی یا وظیفہ خوار تھے اور انگریز کے سب سے بڑے دشمن علماء اہل حدیث تھے؟

میاں نذیر حسین دہلوی

میاں صاحب ۱۲۲۰ھ/۱۸۰۵ء میں بہار کے ایک گاؤں سورج گڈھا میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۳ء میں دہلی میں فوت ہوئے۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۴۹۷-۵۰۱)۔ تلامذہ کی بڑی تعداد یادگار چھوڑی، اہل حدیث میں شیخ الکل کے لقب سے مشہور ہوئے۔ برٹش گورنمنٹ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔

پہلا دور

میاں صاحب کے استاد اور خسر مولانا عبدالخالق دہلوی اور دوسرے استاد شاہ محمد اسحاق دہلوی حنفی تھے اور غیر مقلدین کے طرزِ عمل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نواب محمد قطب الدین نے ۱۲۸۵ھ میں ایک کتاب تحفۃ العرب والعجم کے نام سے لکھی، اس میں لکھتے ہیں:

''اس وقت میں جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم اور مولوی محبوب العلی صاحب مرحوم اور مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم دہلی میں موجود تھے اور یہ صاحب ایسے لوگوں (غیر مقلدین) سے بہت ہی ناراض رہتے تھے اور ان کے کلمات سن کر چہرۂ مبارک سرخ ہو جاتا تھا اور فرماتے تھے کہ پھر یہ لوگ ضال (گمراہ) ہیں اور مولوی محبوب العلی صاحب ایسے لوگوں (کو) بہتر فرقہ کا ملغوبہ فرماتے تھے اور قلع قمع ان لوگوں کا بوجہ احسن کرتے تھے۔۔۔ اور مولوی عبدالخالق صاحب بھی ان کا رد و کد بوجہ احسن فرماتے تھے اور خوب ان کی گت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ چھوٹے رافضی ہیں۔

(محمد قطب الدین دہلوی، نواب: تحفۃ العرب والعجم (مطبع حسنی، دہلی) ص ۳-۴)

اس وقت میاں صاحب بھی حنفی تھے اور غیر مقلدین کے رد میں سعی بلیغ کرتے تھے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

”منجملہ ان کے سید نذیر حسین صاحب نے بھی دفع اس فتنہ میں بہت سعی کی کہ مولوی حقی اور عبدالحمید پوربی سے اس باب میں بہت گفتگو کر کے ان کو ساکت کیا، بلکہ ان کے جواباتِ شکوک میں ایک رسالہ لکھا اور اس میں تعریفیں امام صاحب کی اور حقیت اپنے مذہب حنفی کی اور جواب مخالفین کے اور مرجوحیت مذہب غیر کی بیان کی اور رواۃ احادیث پر جو خلافِ احادیث متمسکہ مذہب حنفی کی ہیں، جرح وقدح بوجہ احسن فرما کر ان کو ضعیف جتایا اور رہا رہا اپنی زبانِ مبارک سے ان لامذہبوں کو رافضیوں کا بھائی کہا۔“ (محمد قطب الدین دہلوی، نواب: تحفۃ العرب والعجم (مطبع حسنی، دہلی) ص ۴)

ایک وقت تھا کہ میاں صاحب دل وجان سے احناف کا ساتھ دیتے تھے اور غیر مقلدین کا زبانی اور قلمی ردّ کرتے تھے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

”اس بلا کے دفع میں سید نذیر حسین صاحب بجان ودل ہمارے ساتھ رہے، حتی کہ تنویر العینین کے مضامین کے ردّ میں جس کو لوگ منسوب مولانا اسمٰعیل کی طرف کرتے ہیں۔ مدلل ایک رسالہ عربی میں لکھا اور سورۂ فاتحہ کے نہ پڑھنے میں پیچھے امام کے بھی ایک رسالہ لکھا اور اخفاء آمین اور عدم رفع یدین وغیرہ میں بھی خوب خوب عبارتیں اور روایتیں لکھیں اور لکھا کہ عدم رفع یدین نماز میں احق ہے اور رفع منسوخ اور مذہب حنفی کی بہت سے تعریفیں لکھیں، چنانچہ وہ اب تک میرے ایک دوست کے پاس موجود ہیں۔“ (محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص ۵)

اس وقت میاں صاحب دعوے سے کہتے تھے کہ مذہب حنفی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ نواب قطب الدین لکھتے ہیں:

”اور چونکہ سید صاحب اس فقیر سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ہر جمعہ کو میرے ہاں آتے اور بارہا فرماتے کہ ہم اور تو کچھ جانتے نہیں، ہم کو کوئی بتا دے کہ فلانا مسئلہ حنفیہ کا خلاف قرآن یا حدیث کے ہے۔ دیکھو تو ہم کیسا قرآن وحدیث سے ثابت کرتے ہیں۔“ (محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص ۶-۵)

دوسرا دور

طالب علمی کے دور میں ہی میاں صاحب کے مزاج میں آزادروی کے آثار پائے جاتے تھے، اسی لیے ایک موقع پر شاہ محمد اسحاق نے کہا تھا:

”اس لڑکے سے وہابیت کی جھلک آتی ہے۔“ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب، کراچی) ص ۵۷)

پچاس سال کی عمر تک حنفی رہنے کے بعد اس وقت رنگ بدلا، جب جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جما چکا تھا، ابتدائے غیر مقلدین کی نشست میاں صاحب کے ہاں رہتی تھی، ان کے ہاں حلقہ جمتا تھا۔

”بعد غدر کے لامذہبوں نے یہ پیرایہ اختیار کیا کہ سید نذیر حسین صاحب کے پاس حلقہ باندھ باندھ کر بیٹھنا شروع کیا۔ کیا مسجد میں، کیا ان کے مکان پر، اور جب کوئی بات لامذہبی کو منہ سے نکالیں یا عمل کریں، تو حوالہ سید صاحب کا دے دیں، ہم لوگ ان کو جھٹلا دیں کہ تم جھوٹے ہو، وہ ایسے ہرگز نہیں ہیں۔۔۔۔ اور جو کوئی صاحب، سید صاحب سے ان کا مقولہ کہے کہ وہ آپ کا حوالہ دیتے ہیں، تو سید صاحب یہی فرماویں کہ وہ جاہل ہیں، ان کا کیا اعتبار؟

آخر نوبت بایں جار سید کہ اماموں پر اوران کے اتباع پر کھلم کھلا تبرے ہونے اور **اتخذوا احبارھم** کے مصداق لگے ٹھہرانے۔ (محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص ٦)

میاں صاحب کا ایک طرف احترام اساتذہ ملاحظہ ہو:

''بیانِ مسائل میں بھی انہیں بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے اور فرماتے۔

''ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں'' اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر کہہ دیتا کہ حضرات کا کہنا سند نہیں ہوسکتا، جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے، تو بہت خفا ہو کر فرماتے ''مردود! کیا یہ حضرات گھس کٹے تھے، ایسی ہی اڑان گھائی اڑاتے تھے۔'' (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ٣٠٣)

دوسری طرف ائمہ مجتہدین سے بے اعتنائی کا یہ عالم:

''آپ جب کوئی حدیث صحیح فرماتے اور کوئی شخص اس کے معارض کسی ائمہ مذہب کا قول پیش کر دیتا، تو برہم ہو کر فرماتے، سنو! یہ بزرگ ہم سے بڑے، میرے باپ سے بڑے، دادا سے بڑے، مگر رسول خدا سے بڑے نہیں۔'' (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ٢٨٥)

اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ ائمہ مجتہدین ساری عمر گھاس کاٹتے رہے تھے، اسی لیے رسولِ خدا ﷺ کے فرمان کے خلاف احکام بیان کرتے تھے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، میاں صاحب کے اساتذہ شاہ محمد اسحاق اور مولانا عبد الخالق وغیرہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور حنفی تھے۔

پھر تو میاں صاحب نے کھل کر تقلید ائمہ کا لبادہ اتار دیا اور غیر مقلدین کے امام کہلائے۔ نواب محمد قطب الدین لکھتے ہیں:

''لامذہبوں نے نہ مانا اور لامذہبی میں زیادہ مصر ہوئے اور نشست و برخاست سید صاحب (کے) پاس زیادہ رکھنے لگے اور سید صاحب کو ایسا ورغلانا اور اپنی ساتھ سانٹھا کہ سید بھی ان کی ممنوئی و مشکوری میں لٹو بن کر ان کی حمایت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ میں تو بیس، بائیس برس سے ایسا ہی تھا، پر کسی کو معلوم نہ تھا اور میں کیا کروں، مجھ کو تو یونہی سوجھتی ہے۔'' (محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص ٧-٦)

میاں نذیر حسین دہلوی کو وہابیت اور ترک تقلید کی راہ پر لگانے میں سرسید کا بھی ہاتھ تھا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

''سرسید احمد خاں ایک ممتاز اہل حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم آروی کو اپنے ایک مکتوب مورجہ ١٠ر فروری ١٨٩٥ء میں لکھتے ہیں:

جناب سید نذیر حسین دہلوی صاحب کو میں نے ''نیم چڑھا وہابی'' بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، مگر اس کو سنتِ ہدٰی جانتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں، لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ جناب ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جب یہ گفتگو ہوئی، میں نے سنا کہ میرے پاس سے اٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔

(محمد ایوب قادری، پروفیسر: برگ گل، سرسید نمبر، نقش ثانی (اردو کالج، کراچی) ص ٦-٢٨٥)

نواب محمد قطب الدین نے تنویر الحق اور توقیر الحق کے نام سے دو رسالے لکھے جن میں مذہب حنفی کو قرآن وحدیث اور اجماع کے دلائل سے ثابت کیا اور امام معین کی تقلید کی ضرورت کی واضح کیا۔ میاں صاحب نے ان کے جواب میں معیار الحق نامی کتاب لکھی:

''سو تنویر الحق کے جواب میں رسالہ ''معیار'' لکھا کہ اس سے تمام مقلدین کیا اولیاء اور کبار علماء وصلحاء متقدمین ومتاخرین مشرک وبدعتی ٹھہرے، سید صاحب کی ذات سے بعید ہے کہ ایسے واہیات لکھیں، اگرچہ اس کام سے وہ امصار و دیار میں ایسے بدنام وخوار ہوئے ہیں کہ حاجت بیان کی نہیں، پر اس کو بھی انہوں نے اپنا نام ونمود سمجھا۔ (محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص۷)

نواب صاحب، ائمۂ مجتہدین کی راہ سے برگشتہ لوگوں کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''افسوس صد افسوس! ان لوگوں سے کہ مذہب مجتہدین خیر القرون کا چھوڑ کر تابع داری غیر مجتہد نافہم اس زمانہ فساد انگیز کی کرتے ہیں اور زبان طعن کی اکابرِ دین پر دن رات جاری رکھتے ہیں۔ بیت ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

(محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص۱۱)

انعام یافتہ وفادار

دیگر علماء اہل حدیث کی طرح میاں صاحب بھی برٹش گورنمنٹ کے دل وجان سے وفادار تھے۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں پاس وفاداری کی خاطر حصہ نہ لیا۔ ان کے سوانح نگار نے جلی سرخی قائم کی ہے:

''گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری (لوایلٹی) (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص۱۴۳)

اس شہ سرخی کے تحت سوانح نگار لکھتے ہیں:

''حج کو جاتے وقت بھی جو چٹھی کمشنر دہلی وغیرہ نے میاں صاحب کو دی تھی، اس کی نقل سفر حج کے بیان میں ہدیۂ ناظرین کی جائے گی، مگر اسی کے ساتھ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب بھی گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے، زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا، تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ مہر۔ وہ خود فرماتے تھے کہ ''میاں وہ ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔۔؟ حشرات الارض خانہ بر اندازوں نے تمام دہلی کو خراب کیا، ویران، تباہ اور برباد کر دیا، شرائط امارت وجہاد بالکل مفقود تھے، ہم نے تو اس فتوے پر دستخط نہیں کیا، مہر کیا کرتے اور کیا لکھتے؟ مفتی صدر الدین خاں صاحب چکر میں آ گئے۔

بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے، مگر وہ باغیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے، کرتے تو کیا کرتے؟ (فضل حسین، بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص۱۴۴-۵)

یہ وہ چیختے ہوئے حقائق ہیں جو خود بخود سب کچھ ظاہر کر رہے ہیں، واقعات کو توڑ مروڑ کر ان سے من مانے نتائج نہیں نکالے

گئے۔

حالت جنگ میں درس جاری رہا

جن حضرات نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں کسی طور پر بھی حصہ لیا۔ سقوطِ دہلی کے وقت ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی، لیکن میاں صاحب پورے اطمینان کے ساتھ درس وتدریس میں مصروف تھے۔ اگر اس جنگ میں ان کا کوئی حصہ ہوتا یا انہیں کسی قسم کا خطرہ دامن گیر ہوتا تو حالت دگرگوں ہوتی۔

''دوسرے امتحان ۱۸۵۷ء میں غدر میں آپ کامیاب ہوئے جس زمانے میں مولانا عبداللہ غزنوی قدس، سرہ آپ سے صحیح بخاری پڑھتے تھے اور صحن مسجد کے اوپر سے توپ کے گولے دنادن گزرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز ایک گولہ حالت سبق میں آکر گرا۔ مگر نہ آپ (میاں صاحب) ہراساں ہوئے اور نہ صحیح بخاری کو بند کیا اور جب تک انگریزوں نے دلی کو فتح کرکے اہل دلی کو نکال دیا، آپ نے جان کے خوف سے دلی نہ چھوڑی۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۶۲۷)

جہاد باعث ہلاکت ومعصیت

میاں صاحب کے فتوروں کے مجموعہ فتاویٰ نذیریہ کی کتاب الامارۃ والجہاد میں ایک سوال یہ ہے کہ جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ میاں صاحب نے جواب دیا کہ جہاد فرض کفایا ہے، مگر ''جہاد کی کئی شرطیں ہیں، جب تک وہ نہ پائی جائیں گی، جہاد نہ ہوگا''۔ پھر فرضیت جہاد کی چار شرطیں بیان کی ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں:

''پس جب یہ بات بیان ہو چکی، تو میں کہتا ہوں کہ اس زمانے میں ان چار شرطوں میں سے کوئی شرط موجود نہیں، تو کیونکر جہاد ہوگا ہرگز نہیں۔'' (پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد نمبر (بحوالہ فتاویٰ نذیریہ، مطبوعہ لاہور، ج ۳، ص ۲۸۴)

خاص طور پر انگریزی اقتدار کے دور میں جہاد کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علاوہ بریں ہم لوگ معاہد ہیں، سرکار سے عہد کیا ہوا ہے، پھر کیوں کر عہد کے خلاف کر سکتے ہیں؟ عہد شکنی کی بہت مذمت حدیث میں آئی ہے۔'' (پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد نمبر (بحوالہ فتاویٰ نذیریہ، مطبوعہ لاہور، ج ۳، ص ۲۸۴)

ایک سائل نے سوال کیا کہ ہندوستان میں جہاد جائز ہے یا نہیں؟ میاں صاحب جواب میں جہاد کے جائز ہونے کی دو شرطیں بیان کرکے لکھتے ہیں:

''ہندوستان میں شوکت وقوت اور قدرت سلاح وآلات مفقود ہے اور ایمان پیان یہاں موجود ہے۔ پس جبکہ شرط جہاد کی اس دیار میں معدوم ہوئی، تو جہاد کرنا یہاں سبب ہلاکت اور معصیت کا ہوگا۔'' (پندرہ روزہ تقاضے، لاہور: بحوالہ فتاویٰ نذیریہ، ج ۳، ص ۲۸۴-۵)

کتنی صراحت کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ حالات میں نہ صرف یہ کہ جہاد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ جہاد کرنا گناہ ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

''مفلس پر اعانت مال نہیں، بے دست وپا پر اعانت اعمال نہیں ولہٰذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد وقتال نہیں۔ (احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۳۶)

اس عبارت کا مطلب سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ مسلمانوں پر موجودہ بے بسی کے عالم میں جہاد فرض نہیں ہے۔ دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں: ''رہا جہاد سنانی (نیزے اور ہتھیاروں سے جہاد) ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ بہ نصوص قرآن عظیم ہم مسلمانانِ ہند کو جہاد برپا کرنے کا حکم نہیں اور اس کا واجب بتانے والا مسلمانوں کا بدخواہ مبین۔

(احمد رضا بریلوی، امام: رسائل رضویہ (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ج ۲، ص ۲۰۸)

امام احمد رضا بریلوی نے جہاد کے ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ فرمایا کہ مسلمانوں میں طاقت نہیں، لہٰذا جہاد واجب نہیں، اس فتوے کی بناء پر کیسے کیسے الزامات لگائے گئے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''مسلمانوں میں مشہور کیا گیا کہ وہ انگریزی استعمار کے ایجنٹ اور ان کے لیے کام کر رہے ہیں۔ (ظہیر: البریلویہ، ص ۴۳)۔ (ترجمہ) مزید ترقی کرتے ہوئے کہا جاتا ہے:

''یہی بات ہندوستان میں انگریزی استعمار کے ایجنٹ اور بریلوی کے ہمعصر قادیانی نے کہی۔ (ظہیر: حاشیہ البریلویہ، ص ۴۳)۔ (ترجمہ)

اگر انصاف ودیانت کا کوئی حصہ دل کے کسی گوشے میں موجود ہے۔ اور خوفِ آخرت کا معمولی سا عکس بھی آئینۂ قلب پر جلوۂ فگن ہے، تو انصاف سے بتایئے کہ فتویٰ کی یہ زبان میاں نذیر حسین دہلوی کے بارے میں کیوں نہ استعمال کی جائے جو صرف جہاد کو ناجائز ہی نہیں بلکہ گناہ قرار دے رہے ہیں، مولوی محمد حسین بٹالوی پر یہ فتویٰ کیوں نہ لگایا جائے جو صرف مسلمانانِ ہند پر جہاد کو حرام قرار دے رہے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک دنیا کے کسی بادشاہ کا گورنمنٹ سے جہاد جائز نہیں جیسے کہ اس سے پہلے اوراق میں گزر چکا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اس حکم میں کیوں داخل نہیں، وہ تو حکومت کے وفادار اور جہاد کو حرام قرار دیتے ہیں جیسا کہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

انگریزی میم کی حفاظت

مولوی فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:

''عین حالت غدر میں جبکہ ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا، مسز لیسنس ایک زخمی میم کو میاں صاحب رات کے وقت اٹھوا کر اپنے گھر لے آئے، پناہ دی، علاج کیا، کھانا دیتے رہے۔ اس وقت اگر ظالم باغیوں کو خبر بھی ہو جاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی۔ طرہ اس پر یہ تھا کہ پنجابی کڑہ والی مسجد کو تغلبا باغی دخل کئے ہوئے تھے، اسی میں اس میم کو چھپائے ہوئے تھے، مگر ساڑھے تین مہینے تک کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں کئے آدمی ہیں۔

تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا، تب اس نیم جاں میم کو جواب بالکل تندرست وتوانا تھی، انگریزی

کیمپ میں پہنچادیا جس کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور مندرجہ ذیل سارٹیفکٹس ملیں۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۲۷)

عین اس وقت جب مجاہدین پر قیامت گزر رہی تھی، میاں صاحب جان پر کھیل کر میم کی جان بچاتے ہیں، ساڑھے تین ماہ تک بحفاظت اپنے گھر پر رکھتے ہیں اور جنگ کے خاتمے پر اسے انگریز کے حوالے کر کے ایک ہزار تین سو روپے (جو موجودہ دور کے ایک لاکھ تیس ہزار روپے سے کسی طرح کم نہ ہوں گے) بطورِ انعام وصول کیے، حالتِ جنگ میں معمولات تدریس حسب معمول جاری ہے، اس کے باوجود انہیں، استعمارِ انگریزی کا دشمن اور عظیم مجاہد قرار دیا جائے۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۳۶-۷)۔ تو یہ تاریخ کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہوگی۔

مشہور مؤرخ غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

یہ بھی صحیح ہے کہ میاں نذیر حسین مرحوم نے ایک زخمی انگریز عورت کو جو بے بس پڑی تھی، اٹھا کر اپنے ہاں علاج کیا تھا، وہ تندرست ہوگئی اور اسے اس کی خواہش کے مطابق دہلی کا محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج کے کیمپ میں پہنچا دیا تھا۔ مگر اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا اور کہا تھا یہ میرا اسلامی فرض تھا۔ (غلام رسول مہر: افادات مہر (شیخ غلام علی، لاہور) ص ۲۳۶)

حیرت ہے کہ میاں صاحب ایک ہزار تین سو روپے اور تعریفی سٹوفکیٹ وصول کریں، شمس العلماء کا خطاب بھی پائیں، اس کے باوجود مہر صاحب کہتے ہیں کہ "اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا۔ کیا یہ سب کچھ اسلامی فرض کی ادائیگی کے ضمن میں آئے گا؟

سرٹیفکیٹ (اعزازیہ سند)

میاں صاحب کو مسز لیسنس کی حفاظت کے بدلے میں نہ صرف نقد انعام ملا، بلکہ تعریفی سٹوفکیٹ بھی جاری کیے گئے۔ ذیل میں ایک سٹوفکیٹ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، اس سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ بھی متعدد سٹوفکیٹ وصول کیے گئے تھے۔

دہلی: مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۵۷ء

از: ڈبلیو جی وائر فیلڈ افی شیٹنگ کمشنر

مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے شریف حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے۔ حالت مجروحی میں انہوں نے ان کا علاج کیا۔ ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو پہنچا دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ان کی انگریزی سرٹیفکٹس ایک آتش زدگی میں جو ان کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی، جل گئیں، میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا کہنا بہت ہی قریں امکان ہے۔ غالباً ان کو جنرل نیو ایل چیمبرلین، جنرل برنارڈ اور کرنل سائیٹرو وغیرہ ہم سے سرٹیفکٹس ملی تھیں۔ مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے۔

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلہ میں مبلغ دوسو اور چار سو روپیہ ملے تھے، مبلغ سات سو روپے بابت تاوان منہدم کیے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کیے گئے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسنِ سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص۳-۱۳۲)

راولپنڈی کی نظر بندی

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر وفاداری کے باوجود میاں صاحب کو گرفتار کر کے ایک سال تک راولپنڈی میں نظر بند کیوں رکھا گیا؟ اس کا ایک جواب جو حقائق پر نہیں، بلکہ محض عقیدت پر مبنی ہے اور ''مریداں ہمی پرانند'' کا مصداق ہے، یہ ہے:

''آخر میں انگریزوں نے وہابیہ کے خلاف کاروائی میں، اہل حدیث کے امام کبیر اور ان کے قائد وزعیم، شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کی گرفتاری کا فیصلہ کیا، لیکن وہ ان کی علمی ہیبت، بلند مقام اور مسلمانوں میں اثر ونفوذ سے خائف تھے، اس لیے ان کے معاملے میں مجبور ہو گئے تا کہ مسلمان بھڑک نہ اٹھیں اور قیامت نہ آ جائے، اس لیے کچھ عرصہ کی قید کے بعد انہیں رہا کرنا پڑا۔

(ظہیر: البریلویۃ، ص۳۸)۔ (ترجمہ)

لیکن حقائق کسی دوسری سمت اشارہ کر رہے ہیں۔ سرِ دست ایک سٹوفکیٹ کا مطالعہ کیجئے جو حقیقتِ حال کے جاننے میں معاون ثابت ہوگا۔

''مورخہ: ۷ستمبر ۱۸۸۱ء

از: میجر جی، ای، ینگ کمشنر

میں نے اس سٹوفکیٹ کی اصل کو ملاحظہ کیا ہے (جو اس سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے) اور مسز لیبنس سے بھی مجھ کو وہ حالات معلوم ہوئے ہیں جو اس میں مندرج ہیں، یہ امر قرین امکان ہے کہ مولوی نذیر حسین اور شریف حسین کے بیان کیے ہوئے حالات نے مخالفوں کو ان کا دشمن بنا دیا ہے۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص۱۳۳)

ساڑھے تین ماہ تک انگریزی میم کو پناہ میں رکھا گیا، اس وقت تو مجاہدین کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، تاہم بعد میں یہ خبر چھپی نہ رہ سکی، اس لیے جنگِ آزادی کے جیالوں کا برہم ہونا یقینی تھا۔

اس سے قبل گزر چکا ہے کہ پنجاب کے انگریزی اقتدار میں آ جانے کے بعد سرحد میں مقیم ''مجاہدین'' کو کاروائی ختم کرنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ انگریز کا مقصد پورا ہو چکا تھا اور اس حکم پر عمل کرانے کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے سرحد جانے والے چندہ پر پابندی لگا دی گئی اور تشدد اس قدر بڑھا کہ اہل سرحد کے ساتھ خط وکتابت رکھنے والوں پر بھی مقدمے قائم کر دیئے گئے۔

اس ضمن میں میاں صاحب کی بھی مخبری کر دی گئی کہ یہ بھی سرحد والوں سے خط وکتابت رکھتے ہیں:

''میاں صاحب پر بھی مواخذہ ہوا جو صرف مخبروں کی غلط خبر رسانی اور اہل کاروں کی غلطی پر مبنی تھا اور آپ تا تحقیقاتِ کامل کم وبیش ایک برس تک راولپنڈی کے جیل میں نظر بند رہے۔

دہلی میں میاں صاحب کے مکان اور مسجد کی جب تلاشی ہوئی، تو دوسروں (اہل سرحد) کے بھیجے ہوئے خطوط بہ تعداد کثیر،

بے ٹھکانے دری پر، چٹائی پر، دری کے نیچے، چٹائی کے نیچے، چارپائی کے نیچے، کتابوں میں پائے گئے۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں اس قدر بہ کثرت خطوط کیوں آتے ہیں؟ آپ نے کہا کہ وجہ اس کی تو بھیجنے والوں سے پوچھنی چاہیے یا ان خطوط میں دیکھنا چاہیے۔

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ، ص ۱۳۵)

خطوط دیکھے گئے ان میں کوئی ایسی بات نہیں ملی جس سے انگریز کی مخالفت یا حکم عدولی کا سراغ مل سکے۔

''خطوط جو پڑھے گئے تو ان میں اس کے سوا کیا دھرا تھا کہ فتویٰ کا سوال ذیل میں درج ہے۔ حضور اس کا جواب جلد بھیج دیں۔ فلاں مسئلے میں کیا حکم ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔'' (فضل حسین بہاری: الحیاۃ، ص ۱۳۶)

ظاہر ہے ان خطوط میں انگریز دشمنی کا کوئی مواد نہ تھا۔ اس کے برعکس اس قسم کا کوئی فتویٰ مل سکتا تھا، پوچھا گیا کہ مولوی عبداللہ صاحب جو علاقہ خراسان میں ہیں، وہ امام وقت ہیں یا نہیں؟ یہ عبداللہ صاحب ''مجاہدین کے امیر تھے۔ میاں صاحب نے جواب میں امام اکبر کی شرائط بیان کرنے کے بعد لکھا:

''اب میں کہتا ہوں کہ مولوی عبداللہ جو علاقۂ خراسان میں ہیں بسبب فقدان شرط اول کے یعنی قریشی نہ ہونے کے امام نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ انصاری ہیں۔ (فتاویٰ نذیریہ (بحوالہ پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد) ج ۳، ص ۲۸۲)

جب میاں صاحب، عبداللہ صاحب کو امام ہی تسلیم نہیں کرتے، تو ان سے ربط وضبط یا مالی امداد کیا معنی رکھتی ہے اور انگریز کو کھٹک کیوں باقی رہتی؟

''الغرض بعد تحقیقات کامل یہ بات روز روشن کی طرح کھل گئی کہ ان پر مواخذہ محض ناجائز ہے اور یہ بالکل بری الذمہ ہیں، اس لیے رہا کر دیے گئے۔

یہ باتیں ہیں جو میاں صاحب کے ظاہر باطن کے یکساں ہونے پر دلالت کرتی ہیں، وہ جس طرح غدر ۱۸۵۷ء میں مسٹر لیسنس کی جان بچانے سے وفادار ثابت ہوئے تھے، اسی طرح ۶۵-۱۸۶۴ء میں مقدمہ بغاوت میں بھی بے لاگ ٹھہرے۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۳۷)

کہا جاتا ہے:

''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔'' (ظہیر: البریلویہ، ص ۳۷)۔ (ترجمہ)

حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ میاں صاحب کے اہل حدیث سوانح نگار بھی اس جنگ کو غدر ہی قرار دے رہے ہیں، خود میاں صاحب کہتے تھے:

''میاں وہ بلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔''

(فتاویٰ نذیریہ (بحوالہ پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد) ج ۳، ص ۱۲۵)

اس عنوان پر اگر علمائے اہل حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، تو ایک مبسوط مقالہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے جو سٹیفکیٹ نقل کیے جا چکے ہیں، وہ اس مقدمہ کے بعد کے ہیں۔

سفر حج اور کمشنر دہلی کی چٹھی

۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۳ء میں میاں صاحب نے حج کا ارادہ کیا اور اس خیال سے کہ مخالفین جس طرح ۱۸۶۴ء کے مقدمہ میں غلط بیانی سے الجھا چکے ہیں، کہیں اس سفر میں بھی پریشان نہ کریں، کمشنر دہلی سے مل کر یہ صورت حال بیان کی۔ کمشنر نے ایک چٹھی انہیں دی جو ان کی وفاداری کا سرٹیفکیٹ تھی اور وہ یہ تھی:

"مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں، جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ وہ اپنے فرض زیارتِ کعبہ کے ادا کرنے کو مکہ جاتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے، وہ ان کو مدد دے گا، کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔

دستخط: جے ڈی ٹریملٹ بنگال

سروس کمشنر، دہلی وسپرنٹنڈنٹ

۱۰ اگست ۱۸۸۳ء (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۴۰)

اللہ اکبر! انبیاء واولیاء سے استمداد واستعانت (جو توسل ہی کی قسم ہے) کو شرک قرار دینے والوں کا گورنمنٹ انگریزی سے یوں استمداد واستعانت کرنا اور وہ بھی سفر حج میں کیونکر مقتضائے توحید بن گیا؟

ایک چٹھی مسٹر لیسنس سے بھی حاصل کی، جنگ کے دنوں جس کی میم کو گھر میں پناہ دی تھی۔

"دوسری چٹھی مسٹر لیسنس نے بنام کونسل جدہ کے دی جس میں آپ کی خیر خواہی زمانہ غدر کا مفصل بیان تھا۔ انہوں نے یہ بھی جتادیا تھا کہ ان کے مخالفین بھی بہت ہیں اور ان میں سے بعض مکہ معظمہ میں یہاں سے بھاگ کر مقیم ہوگئے ہیں۔ مسٹر لیسنس نے یہ بھی استدعا کی تھی کہ برٹش گورنمنٹ کانسل، کا فرض ہے کہ ان کو ان کے مخالفین کے شروفساد سے بچائے، یہ چٹھی برٹش کانسل، مقیم جدہ (مکتوب الیہ) نے اپنے پاس رکھ لی۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۴۱-۱۴۰)

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ۱۸۶۴ء میں میاں صاحب پر جو مقدمہ قائم کیا تھا، وہ غلط مخبری کی بناء پر تھا۔ اب انگریز کا دل ان کی طرف سے مکمل طور پر صاف ہو چکا تھا۔

ہندوستان دارالامان

فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:

"ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب کبھی نہ کہا۔

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۳۴)

گورنمنٹ خدا کی رحمت

میاں صاحب کے تلمیذ خاص اور سفرِ حج کے رفیق مولوی تلطف حسین نے ایک موقع پر پاشا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

''ہم یہ کہنے سے معذور سمجھے جائیں کہ انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کے لیے خدا کی رحمت ہے۔ (فضل حسین بہاری، الحیاۃ بعد المماۃ، ص۱۶۲)

امام احمد رضا بریلوی کا فتویٰ یہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ''دو اہم فتوے'' اس موقف کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ امام احمد رضا بریلوی کو اس موقف کی بناء پر آزادیٔ وطن کی تحریکوں کا مخالف، جہاد کی حرمت کا قائل اور دوسروں کی خوشنودی کے لیے دارالاسلام ہونے کا فتویٰ دینے والا قرار دیا جاتا ہے۔ (ظہیر: البریلویۃ، ص۴۰)

کیا یہ سب فتوے میاں نذیر حسین اور ان کے شاگرد مولوی تلطف حسین پر بھی لگائے جائیں گے؟

نواب صدیق حسن خا ں بھوپالی

نواب صدیق خاں بھوپالی ابن اولاد حسن قنوجی ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۱۸۷)۔ ابتدائی کتابیں اپنے بھائی سے، پھر فرخ آباد اور کانپور کے اساتذہ سے پڑھیں، پھر زیادہ تر درسِ نظامی کی کتابیں صدر الصدور مفتی صدر الدین خاں آزردہ سے پڑھ کر سندِ تحصیل حاصل کی۔ پھر بھوپال میں قاضی زین العابدین انصاری یمانی سے حدیث کا درس لیا۔ (ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۸-۱۸۷)

زینۂ ترقی

۱۲۸۶ھ/ ۱۸۷۰ء میں بھوپال کے محکمۂ نظارت المعارف، پھر محکمہ دیوان الانشاء میں ملازم ہوئے۔ ملکہ بھوپال نواب شاہجہان بیگم بیوہ تھیں، ان کے شوہر نواب باقی محمد خاں کئی سال پہلے فوت ہوگئے تھے۔ (ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر: ج ۸، ص ۸-۱۸۷)

۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۲ء میں حکومت برطانیہ کے ایماء پر ملکہ بھوپال نے نواب صاحب کے ساتھ نکاح کر لیا۔ نواب صاحب کا بیان ہے:

ثم تزوجت بی فی سنة ۱۲۸۸ھ بعد ما اجازته بذالك السلطنة البرطانية فی عهد حكومة لارد ميو حاكم الهندنزيل دار الا مارة كلكته. (نواب صدیق حسن بھوپالی: ابجد العلوم (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ج ۳، ص ۲۸۴)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''جب دوسرا سال گزرا، رئیسہ معظمہ نے اپنی زوجیت سے مجھے عزت وافتخار بخشا اور یہ امر باطلاع گورنمنٹ عالیہ وحسب مرضی سرکار انگلشیہ ظہور میں آیا۔'' (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمان وہابیہ، ص ۲۸)

اس جگہ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر گورنمنٹ کو ملکہ کے نکاح کرنے اور خاص طور پر نواب صاحب ہی کے ساتھ کیا دلچسپی تھی؟ ۔۔۔۔ نواب صاحب کے سوانح نگاروں نے اس عقدہ کو حل نہیں کیا، لیکن اس سوال کا جواب سوائے اس کے کیا ہوسکتا

ہے کہ نواب صاحب گورنمنٹ کے انتخاب اور معیار پر پورے اُترتے تھے، انہیں نوازنا مقصود تھا، اس لیے نوازا اور خوب نوازا۔ یہاں تک کہ ملکۂ بھوپال کو ان کے ساتھ عقد پر مجبور کر دیا۔ ۱۸۵۷ء کو جنگ آزادی میں جنہوں نے کسی طور پر حصہ لیا تھا، وہ یا تو اگلے جہان پہنچ چکے تھے یا کالے پانی اور جیلوں میں زندگی کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ نواب صاحب ایسے خوگرانِ وفا کو نہ نوازا جاتا، تو کسے نوازا جاتا۔

نواب صاحب لکھتے ہیں:

''یہ علاقہ موجب ترقی منصب اور عروج وعزتِ روز افزوں کا ہوا اور چوبیس ہزار روپیہ سالانہ اور خطاب معتمد المہامی سے سرفرازی حاصل ہوئی اور خلعتِ گرامی قیمتی دو ہزار روپیہ مع اسپ وفیل وچنور و پالکی وشمشیر وغیرہ عنایت ہوا، بعد چندے خطاب نوابی وامیر الملکی ووالا جاہی ے افیر شلنگ سے سربلندی عطا فرمائی اور اقطاع یک لک روپیہ سال اس پر مزید مرحمت ہوئے۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۸)

یہ بھی نواب صاحب کا بیان ہے:

''ہندوستان کے مسلمان ہمیشہ سے مذہب شیعی یا حنفی رکھتے ہیں۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۴۳)

اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعہ اور کمتر اہل حدیث ہیں۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۷)

نواب صاحب اور دیگر علماء اہل حدیث نے مسلمانانِ ہند کے قدیم اور اکثریت کے طریقے سے برأت کر کے الگ راہ اختیار کی:

''ہم لوگ صرف کتاب وسنت کی دلیلوں کو اپنا دستور العمل ٹھہراتے ہیں، اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۰)

حقیقت یہ ہے کہ احناف کتاب وسنت کے دلائل پر ہی عمل کرتے ہیں۔ وہ دلائل جو دنیا بھر کی مسلم آبادی کی اکثریت کے امام، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس مذہب کے دیگر ائمہ نے بیان کیے ہیں، جبکہ نواب صاحب اور ان کے ہم خیال اپنے فہم اور اپنے استدلال پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ ائمۂ مجتہدین کے دلائل کو خاطر میں ہی نہیں لاتے۔ نواب صاحب کی یہی ادا گورنمنٹ کی نظروں میں باعثِ محبوبیت تھی۔

''اور یہ آزادگی ہماری مذاہب مروجہ جدیدہ سے عین مراد قانون انگلیشہ ہے''۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۰)

حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

وکان کثیر النقل عن القاضی الشوکانی وابن قیم وشیخه ابن تیمیة الحرانی وامثالهم، شدید التمسك بمختار اتهم وکان له سوء ظن بائمة الفقه والتصوف جدا، لاسیما ابی حنیفة ۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم، نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۱۹۱)

قاضی شوکانی، ابن قیم اوران کے شیخ ابن تیمیہ حرانی وغیرہ ہم کی عبارات بہت نقل کرتے اوران کے مختارات کو شدت کے ساتھ اپناتے، وہ ائمۂ فقہ وتصوف، خصوصاً امام ابوحنیفہ سے بہت بدگمانی رکھتے تھے۔ ''

اسی طرزِ عمل کے پیشِ نظر نواب وحید الزماں نے لکھا تھا:

'' ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا بس اس کے پیچھے پڑ گئے، برا بھلا کہنے لگے، بھائیو! ذرا تو غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کی تقلید چھوڑی، تو ابن تیمیہ اور قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟

(محمد عبدالحلیم چشتی: حیات وحید الزماں (نور محمد، کراچی) ص ۱۰۲)

نواب صاحب کا دوسرا امتیازی وصف گورنمنٹ سے وفاداری تھا، چنانچہ ایک موقع پر کچھ مخالفین نے ان کے خلاف گورنمنٹ کے کان بھرنا چاہے:

'' مگر حکام عالی منزلت، یعنی کار پردازان دولتِ انگلشیہ کو چونکہ تجربہ اس ریاست کی خیرخواہی اور وفاداری کا عموماً اور اس بے صولت ودولت کا خصوصاً ہو چکا ہے، اس لیے تہمت ان کی پایۂ ثبوت کو نہ پہنچی۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمان وہابیہ، ص ۲۹)

جہاد کا عزم گناہ کبیرہ ہے

نواب صاحب لکھتے ہیں:

'' علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملکِ ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرماں روا ہیں، اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے، یا دارالاسلام؟ حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ '' دارالاسلام '' ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔

اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے جیسے بعض علماء دہلی وغیرہ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن وامان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں۔ جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو۔ غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ ''

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمان وہابیہ، ص ۱۵)

'' وچوں بر اسلام باقی ماند جہاد دراں یعنی چہ بلکہ گناہ از گناہ وکبیرۂ از کبائر باشد۔ ''

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: عوائد المواعد (مطبع صدیقی، بھوپال) ص ۳۴)

اور جب ہندوستان دار الاسلام ہے، تو یہاں جہاد کا کیا مطلب؟ بلکہ گناہوں میں سے ایک گناہ اور کبائر میں سے ایک کبیرہ ہے۔

۱۸۵۷ء کے مجاہدین مرتکب کبیرہ

"وآنانکہ اقدام برقتل اصحابِ دولت برطانیہ یا دیگر مردم مے کنند خود ایشاں از علم و دین بے بہرۂ محض افتادہ اند۔ ہر کہ شریعت اسلام را بروجہ تحقیق می شناسد ازوے ہرگزایں جریمۂ کبیرہ سرزدنمی تواندشد۔" (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: عوائد المواعد (مطبع صدیقی، بھوپال) ص ۳۸)

جو لوگ اربابِ حکومتِ برطانیہ یا دوسرے لوگوں کے قتل پر اقدام کرتے ہیں، وہ خود علم اور دین سے محض بے بہرہ واقع ہوئے ہیں، جو شخص تحقیقی طور پر شریعت اسلام کو پہچانتا ہے، اس سے یہ بڑا جرم (گناہ کبیر) سرزد نہیں ہو سکتا۔

شرائط جہاد مفقود ہیں

ساری دنیا میں کوئی معتقد اس امر کا کہ جہاد وقتال خاص سرکارِ انگلشیہ سے جائز ہے، دوسرے سے نہیں، ہرگز نہیں، اس لیے کہ شرطیں اس عمل کی بتمام ہا مفقود ہیں اور جمع ہونا ان شرطوں اور ضابطوں کا نہایت دشوار ہے۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۳۰)

"غدر" میں اہل حدیث نے حصہ نہیں لیا

"جتنے لوگوں نے غدر میں شر فساد کیا اور حکام انگلشیہ سے برسرِ عناد ہوئے وہ سب کے سب مقلدانِ مذہب حنفی تھے، نہ متبعانِ حدیث نبوی۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۵)

جہاد نہیں فساد تھا

"اسی طرح زمانہ غدر میں جو لوگ سرکارِ انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی، وہ جہاد نہ تھا، فساد تھا۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۴)

سب سے زیادہ خیر خواہ

"کوئی فرقہ ہماری تحقیق میں زیادہ تر خیر خواہ اور طالبِ امن وامان وآسائش رعایا کا اور قدر شناس بندوبست گورنمنٹ کا اس گروہ سے نہیں ہے جو آپ کو اہل سنت وحدیث کہتا ہے اور کسی مذہب خاص کا مقلد نہیں۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۸)

ملکہ بھوپال کے اعزازات

بھوپال میں اصل اقتدار نواب شاہجہان بیگم کے پاس تھا، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے ابجد العلوم کی تیسری جلد میں

ملکہ کا تذکرہ کیا ہے اور خاص طور پر گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والے اعزازات کا ذکر کیا ہے۔ عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

- ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں ملکہ نے بمبئی کا سفر کیا، وہاں اُسے پہلے درجے کا بلند خطاب، اور وزیر اعظم کے قلم سے ’’ممبر آف دی امپیریل آرڈر آف دکرنڈ کمنڈر اشتار اف انڈیا‘‘ کا شاہی نشان ملا اور وہ خاص اعزاز کے ساتھ خوش خوش بھوپال آئی۔
- ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں ملکہ دار الحکومت کلکتہ گئی اور وہاں ملکہ انگلستان کے بڑے لڑکے اور ولی عہد پرنس آف ویلز سے ملاقات کی۔ پرنس نے ملکہ کی بہت تعظیم کی، گراں قدر تمغہ اور انگلستان کے منصوعہ قیمتی تحائف پیش کیے۔
- اس سے پہلے ویلز کے بھائی پرنس ایڈنبرا سے ملاقات کی تھی اور اس نے بھی ملکہ کی انتہائی تعظیم کی تھی، اور لندن سے ان کے لیے قیمتی اشیاء بھیجی تھیں اور حسبِ عادت میں بھی ان سفروں میں ان کے ساتھ تھا۔
- پھر ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں ملکہ نے دہلی کا سفر کیا اور انہیں عظیم الشان شاہی نشان ملا جس پر لکھا ہوا تھا۔ العز من اللہ‘‘۔
- گورنر جنرل نے ملکہ کو فرنگی تلوار، طلائی پٹکا اور جڑاؤ صندوق دیا تھا اور یہ پٹکا ہم محافل میں زیب تن کرتے ہیں اور اس عظیم دربار اور بڑے اجتماع میں جہاں ہندوستان کے دور نزدیک کے تمام رؤسا حاضر تھے، ماضی کی تاریخ میں ایسا پر شوکت اجتماع نہیں ہوا ہوگا۔ ہمارے ملکۂ انگلینڈ کی طرف سے سترہ توپوں کی سلامی مقرر کی گئی جو ہمیں برطانیہ کے زیرِ نگیں علاقہ میں جانے اور آنے پر پیش کی جائے گی۔
- پھر ملکہ بھوپال کو ایک اور خطاب ’’کراؤن آف انڈیا‘‘ ملا، جس کا ترجمہ تاج ہند ہے۔ (صدیق حسن خان بھوپالی، نواب: ابجد العلوم، ج۳، ص۶-۲۸۵)

ان تمام محافل میں نواب صاحب کی حیثیت اگرچہ ثانوی تھی، تاہم برطانوی حکام کی نگاہ میں ان کی وفاداری کسی طرح بھی مشکوک نہ تھی، ورنہ وہ انہیں ملکہ کے شوہر نامدار کی حیثیت سے کبھی تسلیم نہ کرتے۔ آخر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

’’مختصر یہ کہ ملکہ اس آخری زمانے اور نادار عصر میں ان فضائل کی جامع ہیں جو عورتوں میں کجا مردوں میں بھی بہت کم جمع ہوئے ہوں گے۔ وہ ان کمالات کی حامل ہیں جن کے بیان سے ترجمان کی زبان قاصر ہے اور یہ ان کے بلند مناقب کے میدان سے ایک ذرہ اور ان کی بزرگیوں کے دریاؤں سے ایک قطرہ ہے۔ (صدیق حسن خان بھوپالی، نواب: ابجد العلوم، ج۳، ص۶-۲۸۵)

دورِ ابتلاء

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ نواب صاحب کے مخالفین انہیں حکومت کی نظروں میں گرانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ دوسری طرف گورنمنٹ کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں زبردست دھچکا لگ چکا تھا، اس لیے جس شخص کے بارے میں ذرہ برابر بھی شبہ پیدا ہو جاتا، اس کے خلاف شدید سے شدید تر کارروائی سے بھی گریز نہ کیا جاتا۔

انگریزی حکومت کے وکیل نے ازراہِ دشمنی ہندوستان کے حکام کے پاس شکایت کی اور نواب صاحب پر درج ذیل الزامات لگائے:

۱۔ یہ تہمت لگائی گئی کہ انہوں نے اپنی بعض تالیفات میں جہاد کی ترغیب دی ہے۔

۲۔ وہ ہندوستان میں وہابی مذہب کی ترویج میں کوشاں ہیں اور اس مذہب والے وہ ہیں، جن پر انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی تہمت لگائی گئی ہے اور انہیں جہاد کا بہت شوق ہے۔

۳۔ انہوں نے ملکۂ بھوپال شاہجہان بیگم کو شرعی پردہ پر مجبور کیا ہے تاکہ نواب صاحب کو حکومت کے کلی اختیارات حاصل ہو جائیں، وغیرہ وغیرہ"۔ (ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۱۹۰)۔ (ترجمہ)

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ، انگریزی حکام سے پردے کے بغیر ملاقاتیں کرتی تھی اور نواب صاحب کی مجبوری یہ تھی کہ انہیں منع نہیں کر سکتے تھے، نیز علی میاں (ابوالحسن علی ندوی) نے یہ بھی تصریح کر دی کہ وہابیہ پر انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی تہمت لگائی گئی تھی، حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

نواب صاحب کی تصنیف ترجمانِ وہابیہ اور موائد العوائد وغیرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے ساتھ جہاد کو ناجائز اور گناہِ کبیرہ قرار دیتے تھے۔

"جب یہ ملک دارالاسلام ہوا، تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا، معنی، بلکہ عزمِ جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔" (صدیق حسن خاں بھوپالی، ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۵)

اسی طرح وہ وہابی ہونے کی سختی سے تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

"جو لوگ ہند کے باشندوں کو وہابی ٹھہرا کر محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان کی عقل پر خدا کی طرف سے پردہ پڑا ہوا ہے۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی، ترجمانِ وہابیہ، ص ۳۱)

لیکن نوشتۂ تقدیر کون مٹا سکتا ہے۔ مخالفین کی شکائتیں رنگ لائیں اور ۱۳۰۲ھ/ ۱۸۸۵ء میں یہ کاروائی کی گئی:

فانتزعت منه القاب الامارة والشرف التی منحته ایاها الحکومة الانجلیزیة والغی الامر باطلاق المدافع تعظیما۔ (ابوالحسن علی ندوی، نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۱۹۰)

ان سے امارۃ اور عزت کے القاب سلب کر لیے گئے جو انہیں انگریزی حکومت نے عطا کیے تھے اور از راہِ تعظیم توپیں داغنے کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔

خدا یاد آیا

اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ نواب صاحب دورِ نوابی میں فقہ اور تصوف کے ائمۂ کے حق میں سوءِ ظن رکھتے تھے، لیکن اب جو وہ سب کچھ قصۂ پارینہ بن چکا تھا۔ ایسے عالم میں انسان کا رجوع اللہ تعالیٰ اور اللہ والوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ یہی ان کے ساتھ بھی ہوا:

حتی انه وفق بالتوبة عما کان علیه من سوء الظن بائمة الفقه والتصوف وکتب ذلك فی آخر مقالات الاحسان ومقامات العرفان وهو ترجمة فتوح الغیب للشیخ الامام عبدالقادر الجیلی رضی الله عنه وهو آخر

مصنفاته ثم بعثه الی دار الطباعة فطبع و وصل اليه فی ليلة تو فی الی رحمة الله سبحانهٗ فی تلك الليلة۔

(عبدالحی لکھنوی، حکیم نزہۃ الخواطر، ج۸، ص۱۹۲-۳)

یہاں تک کہ انہیں فقہ وتصوف کے ائمہ کے حق میں بدگمانی سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ یہ بات انہوں نے ''مقالات الاحسان ومقامات العرفان'' کے آخر میں لکھی اور یہ شیخ، امام عبدالقادر جیلی رضی اللہ عنہ کی تصنیف فتوح الغیب کا ترجمہ ہے اور نواب صاحب کی آخری تصنیف، انہوں نے یہ کتاب پریس میں بھیج دی تھی اور اس رات چھپ کر پہنچی جس رات ان کی وفات ہوئی۔

وفات

۱۹/ جمادی الآخرہ ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء کو نواب صاحب کی وفات ہوئی:

وقد صدر الامر من الحكومة الانجليزية ان يشيع ويد فن بتشريف لائق بالامراء واعيان الدولة كما كان لوبقيت له القاب الملوكية والمراسيم الاميرية۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر، ج۸، ص۱۹۲-۳)

انگریزی حکومت نے حکم جاری کیا کہ انہیں نوابوں والی شان وشوکت کے ساتھ دفن کیا جائے، جیسے اس وقت دفن کیا جاتا، جبکہ ان کے شاہی القاب اور امیرانہ نشانات برقرار ہوتے۔

بحالی

ماہ ذوالحجہ، ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء میں وفات کے پانچ ماہ بعد حکومت نے لقب ''نواب'' وردت اليه الحكومة لقب الامارة نواب'' فی سلخ ذی الحجة سنة سبع وثلاث مائة والف۔ (ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر، ج۸، ص۱۹۰)

یعنی ایک بار پھر نواب صاحب انگریزی حکومت کے ہاں سرخرو قرار پائے اور بغاوت وجہاد وغیرہ کے شبہات غلط ثابت ہوئے، نواب صاحب کی روح اس وقت یہ کہہ رہی ہوگی۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

تصانیف

''نواب صاحب نے ۲۲۲ کتابیں لکھیں''۔ (ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر، ج۸، ص۱۹۰)۔

وللكنه لاتخلوا تصانيفه عن اشياء، اماتلخيص اوتجريد اونقل من لسان الی لسان اخر۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر، ج۸، ص۱۹۱)

لیکن ان کی تصانیف، تصنیف کے زمرے میں نہیں آتیں یا تو کسی کتاب کی تلخیص ہیں یا تجرید، یا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کی ہوئی ہیں۔''

دعوائ مجددیت

مولوی فضل حسین بہاری اہل حدیث لکھتے ہیں:

''نواب صدیق حسن خاں اور مولانا ابوالحسنات، مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کے باہمی مباحثات کو جس نے دیکھا ہوگا، وہ دیکھ لے گا کہ اپنی اپنی زبان سے مجدد ہونے کا کیونکر دعویٰ کیا گیا۔'' (فضل حسین بہاری، الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۴۱۷-۸)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

معروف قلم کار اور ادیب ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ۱۲۴۷ھ / ۱۸۳۲ء میں بجنور میں پیدا ہوئے بجنور اور دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ دو سال کنجاہ، پنجاب میں مدرس رہے۔ پھر کانپور چلے آئے تعزیراتِ ہند کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا:

وکان یقع فی الحدیث الشریف وفی رواتہ و یقول ھم جھال لایعرفون العلوم الحکمیۃ ولامعانی الاحادیث الحقیقیۃ۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۳۹۴)

حدیث شریف اور اس کے راویوں پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ جاہل تھے، علوم حکمیہ اور احادیث کے معانی حقیقیہ نہیں جانتے تھے۔

ترجمۂ قرآن

انہوں نے قرآن پاک کا اُردو ترجمہ کیا اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، عربی اور اُردو میں مہارت کا دعویٰ رکھتے تھے:

ویوخذ علیہ انہ قد یختار التعبیر الذی لا یلیق بالملک العلام وجلال الکلام لغرامہ باستعمال ماجری علی لسان اھل اللغۃ وشاع فی محاورۃ بعضھم لبعض وقد یتورط بذالک فیما یثیر علیہ النقد والا ثمۃ۔ (ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۳۹۴)

اُن پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ترجمہ میں ایسے الفاظ لے آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور کلام الٰہی کی عظمت کے لائق نہیں ہیں۔ (اس لحاظ سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ، کا ترجمہ قرآن کنز الایمان، بے نظیر ہے کہ اس میں تعظیم الوہیت اور احترام رسالت ونبوت کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے ۱۲ (قادری)۔ کیونکہ انہیں اہل زبان کے استعمالات اور ان کے محاورات سے بہت شغف ہے، اس لیے وہ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن کی بناء پر ان پر تنقید اور ملامت کی جاتی ہے۔

سرسید کے تعلیمی نظریات کے بڑے موید تھے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں وہ دہلی میں رہے، لیکن تحریک سے کوئی تعلق نہ رکھا۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

پرنسپل ٹیلر نے محمد حسین آزاد کے گھر پناہ لی۔ ذکاء اللہ اپنے محبوب استاد پروفیسر رام چندر کی حفاظت کے لیے بھاگے بھاگے پھر رہے تھے اور نذیر احمد نے اپنے سسرال والوں کے تعاون سے ایک زخمی خاتون لیسنس کی جان بچائی۔۔۔۔ اگرچہ اس خیر خواہی کا سہرا خاندان کے دو بزرگوں (مولوی عبدالقادر اور مولوی نذیر حسین) کے سر ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس موقع پر نذیر احمد کی کارگزاری بھی کسی سے کم نہیں تھی۔

(افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر: مولوی نذیر احمد دہلوی (مجلسِ ترقی ادب، لاہور) ص ۱۸۰)

انگریز ہی سلطنت کے اہل ہیں

ڈپٹی صاحب ایک لیکچر میں کہتے ہیں:

''۱۸۵۷ء کے غدر میں، میں اپنے دل ہی دل میں کہا کرتا تھا کہ اگریز بھلے ہوں تو سمٹ کر تھوڑے دنوں کے لئے سمندر میں ہور ہیں۔ یہ ہی باغبان ناعاقبت اندیش برخود غلط، جو عملداری کے تنزل سے خوش ہیں، چندروز میں عاجز آ کر بہ منت انگریزوں کو منالائیں تو سہی۔ میرا اس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریز ہی سلطنت ہندوستان کے اہل ہیں۔'' (افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی، ص۱۵۶)

ایک لیکچر کے چند نکات ملاحظہ ہوں:

- لاتفسد وا فی الارض بعد اصلاحھا۔۔۔۔۔۔

پس ہم مسلمان تو مذہباً اطاعت احکام پر مجبور ہیں اور جو فعل موہم سرکشی ہو، ہمارے یہاں منہیات شرعیہ میں سے ہیں۔

- انگریزوں کے ہم مسلمانان ہند پر اتنے حقوق ہیں کہ وہ اہل کتاب ہیں اور ہم سے عہد امن رکھتے ہیں اور تیسری بات یہ کہ ان کی حکومت، حکومت صالحہ ہے۔
- انگریزوں کی حکومت اگر حکومت صالحہ نہ ہوتی، تاہم مُسامن ہونے کی حیثیت سے ان کی خیر خواہی اور اطاعت ہمارا فرض اسلامی ہوتا، فکیف جبکہ امن، آسائش اور آزادی کے اعتبار سے ہمارے حق میں خدا کی رحمت ہے اگر انگریز نہ آتے تو ہم کبھی کے کٹ مرے ہوتے۔ (افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی، ص۱۶۰)

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنے خطبات اور مذہبی تصانیف میں نہ صرف انگریزی حکومت کی اطاعت کی تلقین کی، بلکہ انگریزوں سے معاشرتی روابط پیدا کرنے کے حق میں بھی مذہبی دلائل پیش کئے۔ (افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی، ص۳۸۶)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ان الفاظ میں تلقین کرتے ہیں:

''آخر ہم ہندؤوں میں رہتے ہیں، ان سے ملتے جلتے ہیں اور ان کے ساتھ راہ ورسم رکھتے ہیں، تو انگریزوں کے ساتھ بدرجہ اولی ہم کو دنیاوی ارتباط رکھنا چاہئیے اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے کیونکہ دریا میں رہنا اور مگر مچھ سے بیر نبھ نہیں سکتا۔ (افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی، ص۱۵۹)

انعام

ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب ''مرآۃ العروس'' پر حکومت نے گراں قدر انعام سے نوازا۔ مسٹر کیمپسن، ناظم تعلیمات صوبہ شمالی مغربی نے ان کی کتابیں دیکھیں، تو پسند کیں اور فرمائش کی کہ ان کی نقلیں میرے پاس بھیج دو:

دو ماہ بعد انہوں نے اطلاع بھیجی کہ مرآت العروس ایک ہزار روپے کے اوّل انعام کے لئے حکومت کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔ صوبے کے لیفٹیننٹ گورنر ولیم میور نے آگرہ کے دربار میں انعام سے نوازا۔ مصنف کی عزت افزائی کے لئے اپنی جیب خاص سے

ایک گھڑی مرحمت فرمائی۔ حکومت کی طرف سے کتاب کی دو ہزار جلدیں خریدی گئیں ۔(افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی، ص ۸۷)

ڈپٹی نذیر احمد نے سر ولیم میور کی شان میں ایک عربی قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

فانی اذا مارمت اظہار شکر کم
تقصر عنہ منطقی و بیانی
ولم ار قبلی قط من نال غایۃ
تخلف عنھا اھل کل زمان
نقودی فلی فی الفہ الف حاجۃ
قضاء دیون و افتکاك رھان
و غیرھما مالا اکاداعدھا
وذا ساعتی صیغت من العقیان
اقلدھا جیدی لیعلم اننی
لسر ولیم فی ربقۃ الاحسان

میں جب آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، تو میری گفتگو اور قوت گویائی ساتھ نہیں دیتی۔
میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس نے اس سے پہلے وہ بلند مقام حاصل کیا ہو جس سے تمام اہل زمانہ پیچھے رہ گئے ہیں۔
ایک ہزار نقد میں میری ہزار حاجتیں ہیں۔ قرضوں کی ادائیگی اور رہن کی واگزاری۔
ان کے علاوہ بے شمار حاجتیں ہیں، اور یہ گھڑی ہے جو سونے سے بنائی جاتی ہے میں اسے اپنی گردن میں لٹکا کر رکھوں گا تا کہ معلوم ہو کہ میں سر ولیم کے قلادۂ احسان میں ہوں۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

قاضی صاحب سیشن جج پٹیالہ اور مصنف رحمۃ للعالمین نے ۳۰ ر مارچ ۱۹۲۸ء کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرس کے پندرھویں سالانہ اجلاس آگرہ میں ایک طویل خطبہ دیا، جس میں کانفرس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مقصد ششم

اس کانفرس کا حکومت کی وفاداری کے ساتھ ساتھ دینی دنیوی ترقی کا انتظام کرنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ کوئی مسلمان بھی بغاوت یا مجرمانہ سازش یا معاندت سلطنت کا روادار نہیں، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا حکم **وینھٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی** یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہنا چاہئے۔(محمد سلیمان منصور پوری، قاضی، خطبات سلیمان، مسلمان کمپنی، سوہدرہ گوجرانوالہ، ص ۲۳۱)

مولوی ثناء اللہ امرتسری

مشہور مناظر مولوی ثناء اللہ امرتسری ۱۲۸۷ھ / ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے مولوی احمد اللہ امرتسری، مولوی عبدالمنان وزیر آبادی سے تعلیم پائی۔ دیوبند میں بھی پڑھتے رہے۔ کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے آخری کتابیں پڑھیں۔ تمام عمر امرتسر میں رہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان آگئے۔ ۲۶ / جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں فوت ہوئے۔ (عبدالحی حکیم، نزہۃ الخواطر، نور مسجد کراچی، ج ۸، ص ۹۵-۹۶)

تفسیر یا تحریف؟

ان کی تصانیف میں سے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن عربی نے خوب شہرت پائی، ان کے ہم مسلک اہل حدیث علماء نے اس تفسیر پر سخت تنقید کی۔ مولوی عبدالحی مورخ لکھتے ہیں:

وقد تعقب علیه بعض العلماء۔

بعض علماء نے اس پر تعاقب کیا ہے۔ (عبدالحی حکیم، نزہۃ الخواطر، نور مسجد کراچی، ص ۹۵)

یہ تعاقب اتنا سرسری نہیں تھا، جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اہل حدیث کے مسلّم عالم مولوی عبداللہ غزنوی کے شاگرد مولوی عبدالحق غزنوی نے ایک رسالہ الاربعین میں چالیس ایسے مقامات کی نشان دہی کی ہے جو ان کے نزدیک قابل اعتراض تھے۔ اس تفسیر کے بارے میں ان کے تاثرات یہ ہیں:

الفاظ غلط، معانی غلط، استدلالات غلط، بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ ڈالی۔

(عبدالحق غزنوی، الاربعین لاہور پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۴)

”حقیقت میں یہ بے انصاف، ناحق شناس، بدنام کنندہ نکونامے چند ناحق اہل حدیث کو بدنام کر رہا ہے، بلکہ اہل حدیث سے بالکل مخالف اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔ فلاسفہ اور نیچریوں اور معتزلہ کا مقلد ہے ناسخ و منسوخ، تقدیر، معجزات، کرامات، صفات باری، دیدار الٰہی، میزان، عذاب قبر، عرش، لوح محفوظ، دابۃ الارض، طلوع شمس از مغرب وغیرہ وغیرہ جو اہل سنت میں مسائل اعتقادیہ اجماعیہ ہیں اور آیات قرانیہ ان پر شاہد ہیں اور علماء اہل سنت نے اپنی تفاسیر میں بالاتفاق جن آیات کی تفسیر ان مسائل کے ساتھ کی ہے۔ انہوں نے ان سب آیتوں کی بتقلید کفرۂ یونان و فرقہ ضالہ معتزلہ و قدریہ وجہیہ خذلھم اللہ محرف و مبدل کر کے سبیل مومنین کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ویتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولیٰ و نصله جهنم وساء ت مصیرا ٥ کا مصداق بنایا۔ (عبدالحق غزنوی، الاربعین لاہور پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۵)

یہ صرف مولوی عبدالحق غزنوی کی ذاتی رائے نہیں ہے، لاہور، امرتسر، راولپنڈی، ملتان، مدراس اور دیوبند وغیرہ کے چوراسی ذمہ دار علماء نے اپنے تقریظوں میں الاربعین کی تائید کرتے ہوئے اس تفسیر کو نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام اور متقدمین کی تفاسیر کے مخالف قرار دیا ہے۔ ان میں اکثریت علماء اہل حدیث کی ہے۔ یہ تمام تعریفیں الاربعین میں شامل کر دی گئی ہیں۔

اہل حدیث کے امام مولوی عبدالجبار غزنوی لکھتے ہیں:

”مولوی مذکور نے اپنی تفسیر میں بہت جگہ تفسیر نبوی اور تفاسیر خیر القرون اور تفاسیر اہل سنت و جماعت کو چھوڑ کر تفسیر جہمیہ اور

معتزلہ وغیرہ فرق ضالہ کو اختیار کیا۔۔۔۔۔۔۔بایں ہمہ اہل سنت و جماعت پھر اہل سنت میں فرقہ اہل حدیث کا دعوی کرنا اس کی دھوکہ دہی اور ابلہ فریبی ہے، بلکہ اہل حدیث تو در کنار اہل سنت جماعت سے خارج ہے۔

(عبدالحق غزنوی، الاربعین لاہور پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۲۷)

اہل حدیث کے وکیل مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

تفسیر امرتسری مرزائی کہا جائے تو بجا ہے تفسیر چکڑالوی کا خطاب دیا جائے تو روا ہے۔۔۔۔اس کا مصنف اس تفسیر سراپا الحاد و تحریف میں پورا مرزائی، پورا چکڑالوی اور چھٹا ہوا نیچری ہے۔(عبدالحق غزنوی، الاربعین لاہور پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۴۳)

اسی پر بس نہیں ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تجویز پر یہ مقدمہ سعودی عرب کے بادشاہ عبدالعزیز ابن سعود کے سامنے پیش کیا گیا۔ شاہ نے اپنے علماء کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا۔ انہوں نے الاربعین کی تائید کی اور امرتسری صاحب کو تائب ہونے کے لئے کہا۔

شیخ عبداللہ بن سلیمان آل بلیہد نے اپنی رائے اس انداز میں ظاہر کی:

''میں نے ان کو اہل حدیث اور اہل سنت کے مذہب و مسلک کی طرف، رجوع کرنے کی دعوت دی، مگر باوجود ان باتوں کے انہوں نے اپنی غلطیوں پر اصرار کیا اور معاندانہ روش اختیار کی۔(عبدالحق غزنوی، الاربعین لاہور پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۴۳)(ترجمہ)

ریاض کے قاضی شیخ محمد بن عبداللطیف آل شیخ نے لکھا:

''نہ تو مولوی ثناء اللہ سے علم حاصل کرنا جائز ہے اور نہ اس کی اقتداء جائز ہے اور نہ اس کی شہادت قبول کی جائے اور نہ اس سے کوئی بات روایت کی جائے اور نہ اس کی امامت صحیح ہے، میں نے اس پر حجت قائم کر دی، مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ پس اس کے کفر اور مرتد ہونے میں شک نہیں۔(عبدالعزیز، فیصلہ مکہ جمعیہ مرکزیہ اہل حدیث ہند لاہور، ص ۱۵)

مولوی عبدالاحد خانپوری، اہل حدیث لکھتے ہیں:

اور ثناء اللہ ملحد زندیق کا دین اللہ کا دین نہیں ہے۔ اس کا کچھ دین تو فلاسفہ دہریہ نمارد ہ (نمرود کی جمع، بمعنی سرکش) صائبین کا ہے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہیں۔۔۔۔۔اور کچھ دین اس کا ابو جہل کا ہے جو اس امت کا فرعون تھا بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔۔۔پس وہ بحکم قرآن واجب القتل ہے۔(عبدالاحد خانپوری، الفیصلۃ الحجازیۃ: امان سرحد برقی پریس راولپنڈی، ص ۸)

یہ سب اہل حدیث کے ذمہ دار اور مستند علماء کے فتویٰ ہیں، مگر موجودہ دور کے اہل حدیث کے نزدیک وہ مسلّم شیخ الاسلام ہیں:

''اہل حدیث امرتسر کے نامور مدیر شیخ الاسلام حضرت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ''۔(ظہیر، مرزائیت اور اسلام، ص ۱۴۸)

اب سوال یہ ہے کہ کیا امرتسری صاحب نے اپنے ان اقوال سے توبہ کر لی تھی جن کی بناء پر مذکورہ بالا فتوے لگائے گئے تھے اور اگر نہیں تو شیخ الاسلام کے معزز ترین لقب ہی کا پاس کیا ہوتا:

مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز

امرتسری صاحب مرزائیوں سے مناظرہ اور مقابلہ کرتے رہے، لیکن مرزائیوں کے بارے میں ان کا موقف کیا تھا؟ مولوی عبدالعزیز سیکرٹری جمعیۃ مرکزیہ اہل حدیث، ہند کی زبانی سنئے، مولوی ثناء اللہ امرتسری کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آپ نے لاہوری مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھی آپ مرزائی کیوں نہیں؟

آپ نے فتویٰ دیا کہ مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز ہے۔ اس سے آپ خود مرزائی کیوں نہیں؟

آپ نے مرزائیوں کی عدالت میں مرزائی وکیل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمان مانا اس سے آپ خود مرزائی کیوں نہیں ہوئے؟ (ظہیر، مرزائیت اور اسلام، ص ۸)

اس کے باوجود اگر انہیں شیخ الاسلام قرار دینے پر اصرار ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ وہ کونسا اسلام ہے؟ خدا رسول کا اسلام تو ہو نہیں سکتا۔

آخر میں برٹش گورنمنٹ کے بارے میں ان کا نظریہ بھی دیکھ لیجئے۔

غلام رسول مہر اہل حدیث لکھتے ہیں:

''۱۹۲۲ء میں ایک اجتماع کا انتظام ہوا اور اس میں مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری بھی شریک تھے۔ وہ اہل حدیث کانفرنس کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے ہمیں کانفرنس کے اغراض و مقاصد دیئے، تو ان میں پہلی شق یہ تھی:

حکومت برطانیہ سے وفاداری

ہم نے عرض کیا کہ مولانا اسے تو نکال دیجئے۔ ہم ترک موالات کیے بیٹھے ہیں، تو وہ سخت غصے میں آ گئے، لیکن اکثریت نے یہ شق نکلوا دی۔ (غلام رسول مہر، افادات مہر، مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر پنی، ص ۲۳۶)

خیال فرمایا آپ نے حکومت برطانیہ کی وفاداری کس قدر عزیز تھی؟! اکثریت نے اگرچہ یہ شق نکلوا دی، مگر امرتسری صاحب آخر تک اس شق کے حذف کرنے کو قبول نہ کر سکے، پھر اس شق کا نکلوا دینا بھی محل غور ہے، کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے پندرھویں سالانہ اجلاس میں جو آگرہ میں منعقد ہوا تھا۔۔۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنے خطبہ میں کانفرنس کا چھٹا مقصد حکومت کی وفاداری کو قرار دیا تھا۔

اجلی پیشانیاں

گزشتہ اوراق میں سید احمد بریلوی، شاہ اسمٰعیل دہلوی، میاں نذیر حسین دہلوی، مولوی محمد حسین بٹالوی، نواب صدیق حسن بھوپالی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ ہم زعماء اہل حدیث کے انگریزوں سے روابط و

مراسم اور وفاداری کے عہد پیمان، نا قابل انکار شواہد اور حوالہ جات سے بیان کئے گئے ہیں جن سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی اجلی پیشانیوں اور درخشندہ جبینوں پر انگریز دشمنی کا داغ تک نہیں ہے۔ ان پر انگریز دشمنی کا الزام لگانے والا ان کا دشمن تو ہوسکتا ہے، خیر خواہ اور عقیدت مند ہرگز نہیں ہوسکتا۔

برٹش گورنمنٹ کے خطاب یافتگان

مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی نے ''الدر المنثور فی تراجم اہل صادقفور'' میں حکومت برطانیہ سے شمس العلماء یا خان بہادر کا خطاب پانے والے جن علماء اہل حدیث کا ذکر کیا، ان کی فہرست پہلے ایڈیشن کے ٹائٹل کے اندرونی صفحے پر دی ہے اور انگریزی حکومت کو گورنمنٹ عالیہ عادلہ کے القاب سے یاد کیا ہے اور حق شکر گزاری اس طرح ادا کیا ہے:

''خاص کر فرقہ اہل حدیث کے لئے تو کسی اسلامی سلطنت میں بھی یہ آزادی مذہبی (کہ وہ بلا مزحمت اپنے تمام ارکان دینی ادا کریں) نصیب نہیں جو برٹش حکومت میں انہیں حاصل ہے، پس ان کا فرض مذہبی و منصبی دونوں ہے کہ وہ ایسی عادل اور مہربان گورنمنٹ کی مطیع وفرماں بردار رعایا ہوں اور ہمیشہ دعا گوئے سلطنت رہیں: **تفکر و لاتکن من الغافلین۔**

(عبدالرحیم عظیم آبادی، الدر المنثور، ہادی، المطابع، کلکتہ، پہلا ایڈیشن ٹائٹل ص ۲)

(مطبوعہ کتاب کے) اگلے صفحے پر اس فہرست کا عکس ملاحظہ ہو، یاد رہے کہ یہ صرف وہ خطاب یافتہ اہل حدیث ہیں جن کا ذکر الدر المنثور میں ہوا ہے ورنہ تتبع اور تلاش سے یہ فہرست مزید طویل ہو سکتی ہے۔

ایقاظ

میں اس جگہ ایک فہرست ان حضرات کی لکھتا ہوں جنکے نام نامی اس تذکرہ میں درج ہوئے ہیں اور انکو ہماری گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے خطاب عطا ہوا ہے اور وہ کل سات ہیں پانچ ان میں سے وہ ہیں جنکو شمس العلماء کا خطاب مرحمت ہوا اور دو وہ ہیں جن کو خان بہادر کا خطاب بخشا گیا

وھو ھذہ

نمبر ۱۔ شمس العلماء جناب حضرت مولنا محمد سعید قدس سرہ ساکن محلہ مغلپورہ شہر پٹنہ

نمبر ۲۔ شمس العلماء جناب حضرت مولنا محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ ساکن محلہ صادق پور شہر پٹنہ

نمبر ۳۔ شمس العلماء برادرم عزیز مولوی عبدالرؤف مرحوم ومغفور ساکن محلہ صادقپور شہر پٹنہ

نمبر ۴۔ شمس العلماء مولوی امجد علیہا سلمہ ام۔ اے پروفیسر سنٹرل کالج الہ آبا ساکن صادقپور پٹنہ

نمبر ۵۔ شمس العلماء جناب حضرت مولنا محمد نذیر حسین مدظلہ محدث دہلوی ساکن سورج گڈھ ضلع مونگیر

نمبر ۶۔ خان بہادر جناب قاضی سید محمد اجمل مرحوم ساکن قصبہ باڑہ ضلع پٹنہ

نمبر ۷۔ خان بہادر جناب قاضی مولوی فرزند احمد سلمہ ساکن، گیا

چونکہ یہ خطابات بلا عوض کسی خدمت کے محض براہ شفقت ومہربانی خسروانہ وعنایت شاہانہ ہم مسلمان لوگوں کی عزت افزائی

وقدر شناسی کے لئے گورنمنٹ عالیہ نے مرحمت فرمائے ہیں پس ہم سب مسلمانوں کو عموماً اور فرقہ اہل حدیث کو خصوصاً اور علی الخصوص خاندان صادقپور کو اس کا شکریہ قولاً وفعلاً ادا کرنا چاہئے کیونکہ **الشکر یزید النعمة** ہم مسلمانوں کا فطرتی اور مذہبی شیوہ ہے کہ محسن کے احسان کا قولاً وفعلاً اعتراف کریں۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات فخر موجودات رحمۃ للعالمین کا ارشاد ہے **لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس** پھر کون مسلمان ہوگا جو اس پر عمل نہیں کرے گا۔ خاصط کر فرقہ اہلحدیث کے لئے تو کسی اسلامی سلطنت میں بھی یہ آزادی مذہبی (کہ بلا مزاحمت اپنے تمام ارکان دینی ادا کریں) نصیب نہیں جو برٹش حکومت میں انہیں حاصل ہے۔ پس ان کا فرض مذہبی ومنصبی دونوں ہے کہ وہ ایسی عادل اور مہربان گورنمنٹ کی مطیع وفرمان بردار رعایا ہوں اور ہمیشہ دعا گوے سلطنت رہیں **فتدبرو تفکرو لا تکن من الغافلین**۔

اس کتاب "الدر المنثور" کی تالیف کے بعد مولوی محمد یوسف جعفری رنجور کو ۱۹۰۵ء میں شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔

اندھیرے سے اُجالے تک اور شیشے کے گھر

ارباب علم وصحافت کی نظر میں

ترتیب : ممتاز احمد سرمدی

حضرت علامہ مولانا تقدس علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محب محترم مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، اہل سنت کی قابل قدر شخصیت ہیں، وہ اپنی ذات کو درس وتدریس، تالیف وتصنیف کے لیے وقف کر چکے ہیں، مولانا موصوف مصروف ترین اور ہمہ گیر شخصیت ہیں، متعدد درسی کتابوں کے تراجم اور حواشی لکھ چکے ہیں اور متعدد موضوعات پر ان کی تصانیف ان کے علم وفضل کا بین ثبوت ہیں، ایک عالم متقی ہونے کے ساتھ خاموش طبع بھی ہیں۔

زیر نظر کتاب اندھیرے سے اجالے تک میں مولانا نے اغیار کی ملمع کا پردہ چاک کر دیا اور اپنی شستہ تحریر میں حقائق کو واشگاف کر دیا اور ثابت کر دیا کہ امام احمد رضا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ بالکل بے سر پا اور غلط ہیں اور چلتی پھرتی روایتوں اور افواہوں کا بھی قلع قمع کر دیا اور انصاف کے دامن سے وابستہ رہتے ہوئے ہر بات پر قول با حوالہ درج کر دیا۔

بہر حال مولانا نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے حقیقت میں اس کا حق ادا کر دیا ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ بطفیل سید عالم ﷺ انہیں صحت وسلامتی کے ساتھ مسلک اہل سنت کی تبلیغ واشاعت کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

۲۴ جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ ۱۵ جنوری ۱۹۸۸ء

فقیر تقدس علی قادری شیخ الجامعہ

جامعہ راشدیہ، پیر گوٹھ، خیر پور

(افسوس کہ حضرت اقدس ۳ ررجب المرجب ۲۲ رفروری ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء کو دار فانی سے رحلت فرما گئے رحمہ اللہ تعالےٰ رحمۃً پیر جو گوٹھ، ضلع خیر پور میرس سندھ میں آپ کا مزار ہے۔)

غزالی زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ

(ملتان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین :

اعلیٰ حضرت مجدد ملت الامام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور مسلک اہل سنت کی طرف سے عامۃ المسلمین کو بدظن کرنے کی جو مہم معاندین کی طرف سے شکم پروری کی خاطر عرصہ دراز سے چلائی گئی اس کی بنیاد دروغ گوئی اور الزام تراشی کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ جب وہ انتہائی کس مپرسی کی حالت میں مضمحل ہو کر دم توڑنے لگی تو اچانک سعودی خزانوں کے دہانے کھل گئے ریالوں کی بھر مار شروع ہوگئی۔ پھر کیا تھا یار لوگوں نے خوب ہاتھ رنگے اور شکم پروری کے اس موقع سے جی بھر کے فائدہ اُٹھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی ملک اور بیرون ملک اس مذموم مہم کو بڑی تیزی سے چلانا شروع کر دیا گیا۔ اس سعی نامسعود کا نتیجہ رسوائے زمانہ کتاب البریلویۃ ہے جس کے بدباطن مولف نے اعلیٰ حضرت پر جھوٹے الزام لگائے اور مسلک اہل سنت کو مسخ کرکے کفر وشرک اور بدعت وضلالت کی صورت میں پیش کیا حقائق ثابتہ کو دجل وفریب کے پردوں اور چمکتی ہوئی صداقتوں کو شکوک واوہام کی تاریکیوں میں چھپانے کی ناکام کوشش کی مگر بمصداق، ''ہر فرعون راموسے'' اللہ تعالےٰ کی توفیق سے فاضل جلیل حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری میدان میں آئے اور انہوں نے اس کے رد میں ''اندھیرے سے اجالے تک'' کتاب لکھی جو اسم بامسمّٰی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے مؤلف البریلویۃ کے مکر وفریب اور دجل کے تمام پردوں کو چاک کر دیا اور علم ویقین کے نور سے شکوک اوہام کی ظلمتوں کو نیست و نابود کر دیا ہے، اس کا جو حصہ سامنے آیا ہے اس کے پڑھنے سے یقیناً ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ ہم اندھیرے سے اجالے تک پہنچ گئے۔ مصنف ممدوح نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ حقائق کو بے نقاب کیا ہے۔ مدلل اور مسکت جوابات دیئے ہیں، انتہائی سلیس اور پاکیزہ اندازِ بیاں ہے۔ تحقیق اور انصاف کی روشنی میں اگر یہ کتاب پڑھی جائے تو پڑھنے والا بیساختہ کہے گا حق یہی ہے جو ''اندھیرے سے اجالے تک'' کتاب کے مصنف نے لکھا۔

فاضل محترم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مستحق تحسین وآفرین ہیں کہ انہوں نے یہ بے نظیر کتاب لکھ کر حقائق کے چہروں سے نقاب اٹھا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس تصنیف کو شرف قبول فرمائے اور انہیں ان خدمات کے لیے زندہ وسلامت رکھے۔ آمین۔

سید احمد سعید کاظمی، ۵/رجب المرجب ۱۴۰۶ھ

مطابق ۱۷/مارچ ۱۹۸۶ء

(افسوس کہ حضرت غزالی زماں قدس سرہ ۲۵/رمضان المبارک ۴ جون ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء کو دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ رحمہ اللہ تعالےٰ ورضی عنہ)۔

حکیم محمد سعید دہلوی

ہمدرد منزل، کراچی ۵

محترم جناب محمد عبد الحکیم شرف قادری صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مرسلہ کتابیں (۱) اندھیرے سے اجالے تک (۲) حیات امام اہل سنت (۳) اُجالا (۴) امام احمد رضا بریلوی اپنوں اور غیروں کی نظر میں (۵) سلام رضا (۶) بہار شباب مع سوانح حیات (۷) قادیانی مرتد پر خدائی تلوار ملیں۔

آپ کے ان تحائف کا شکریہ!

ساری کتابیں معلومات افزا ہیں اور ان سے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے حالات وسوانح اور ان کے علمی کارناموں پر اچھے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

دعا ہے کہ ان کتابوں کو قبول عام نصیب ہو! آمین!

آپ کی اس کرم فرمائی کا شکریہ مکرر

امید ہے کہ مزاج بہ عافیت ہوگا۔

بہ احترامات فراواں

۷/ذیقعد ۱۴۰۶ھ
۱۵/جولائی ۱۹۸۶ء

آپ کا مخلص
حکیم محمد سعید

مولانا محمد احمد مصباحی

جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، انڈیا

"اندھیرے سے اجالے تک" آپ کا عظیم جماعتی اور علمی وتاریخی کارنامہ ہے جسے دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ اس کتاب کی چند خصوصیات ہیں:

۱۔ البریلویۃ (احسان الٰہی ظہیر) کے ہر الزام کا جواب بسط وشرح سے پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ ہر موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے حالات وخدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جو بجائے خود ایک سوانحی خدمت ہے، جس کی روشنی میں الزامات خود ہی تار عنکبوت کی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس طرح یہ کتاب ایک مثبت تحقیق کی

بھی حامل ہے۔

۳۔ البریلویۃ کے افتراءات کا جواب بڑی ہی بردباری، علمی متانت، عقلی سنجیدگی اور حوالوں کی پختگی کے ساتھ دیا گیا ہے، میری نظر میں یہ آپ کے قلم کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ورنہ ظہیر نے جس عیاری و بے باکی کے ساتھ حقائق کو مسخ کرنے اور شخصیت کی مکروہ تصویر بنانے کی ناروا کوشش کی ہے وہ امام احمد رضا کے ہر معتقد قلم بنانے کے لیے کافی ہے۔

سو سال بلکہ زیادہ عرصہ سے قادیانی، رافضی، نیچری، غیر مقلد، دیوبندی بھی فرقے امام احمد رضا کے سخت مخالف ہیں، لیکن مخالفت، تعصب اور عناد کے باوجود امام احمد رضا کی فقہی مہارت، غیر معمولی ذہانت، قوتِ تحریر اور مختلف علوم وفنون میں کمال کے معترف رہے ہیں۔ لیکن احسان الٰہی ظہیر وہ پہلا شخص ہے جسے عناد وتعصب میں اس مرتبہ ٔ کمال تک ترقی ہوئی کہ امام احمد رضا کو ''سیئی الحافظہ، غائب الدماغ'' لکھا اور ان کی تصانیف کو ان کے متعلقین اور تلامذہ کا کارنامہ شمار کیا۔ آخر ان متعلقین اور تلامذہ نے امام احمد رضا کے بعد یا انکی زندگی ہی میں کوئی ایک ہی کتاب ان کے معیار کی لکھی ہوتی، ان کے لیے کون سا مانع تھا؟ جب وہ خود اپنے نام سے اپنی کتابیں شائع کرتے ہیں تو وہ بلندی فکر واستدلال نہیں ملتی جو امام احمد رضا کی کتابوں میں ہے۔

۴۔ اندھیرے سے اجالے تک کہ تمام حوالے انتہائی دیانت داری سے پیش کیے گئے ہیں اور جملہ مندرجات کے ماٰخذ موجود ہیں، جب کہ البریلویۃ میں بغیر کسی حوالہ کے امام رضا کے ابتدائی استاد مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کو قادیانی کا بھائی بنا دیا ہے اور جگہ جگہ حوالے تو دیئے ہیں لیکن عبارت بالکل مختلف ہے، اصل میں کچھ ہے اور البریلویۃ میں کچھ۔

خدا کا شکر ہے کہ اہل سنت کے پاس حقائق ہی حقائق ہیں جن کا اجالا پھیلتے ہی اندھیرا غائب ہو جاتا ہے اور معاند کی پر تعصب کاوشِ فکر وقلم خاک میں مل کر رہ جاتی ہے۔

۵۔ آپ کی کتاب اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ استطر اد سے خالی ہے اور اعجاز وحسن بیان سے آراستہ ہے حوالے اور دلائل زیادہ ہیں اور بے ضرورت خامہ سائی بالکل نہیں۔

۶۔ کتاب کی کتابت اور تصحیح بھی بہت عمدہ ہے۔ جب کہ اس زمانہ میں اکثر کتابیں، اغلاط کتابت کی خاصی مقدار لیے ہوتی ہیں، غالباً پروف پر آپ کی بھی نظر گزری ہے۔

آپ نے اہل سنت کو ایک عظیم فرض کفایہ سے سبکدوش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ رب کریم آپ کو ہم تمام سنیوں کی طرف سے اپنی شان کے لائق جزاؤں سے نوازے اور اس کتاب کے عربی ایڈیشن اور دیگر ابواب کی تکمیل کا سامان بھی احسن واکمل طور پر بہت جلد فرمائے۔

دوشنبہ
۴ ربیع النور ۱۴۰۶ھ محمد احمد مصباحی بھیروی
۱۸ نومبر ۱۹۸۵ء رکن المجمع الاسلامی، فیض العلوم محمد آباد، گوہنہ، اعظم گڑھ، یو، پی

پروفیسر محمد مسعود احمد، پرنسپل

گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ)

نوازش نامہ اور تحفہ انیقہ موصول ہوئے۔ آپ نے بڑی محنت کی اور تحقیق کا حق ادا کر دیا، جزاکم اللہ!۔۔۔ مدلل، محقق، مختصر نگارشات دورِ جدید کا تقاضا ہیں، آپ نے اس تقاضے کو بحسن وخوبی پورا فرمایا، آپ کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔ مولیٰ تعالےٰ دارین میں اپنی رحمتوں سے مالا مال فرمائے آمین۔۔۔ آپ جن حالات میں کام کر رہے ہیں، ان حالات میں اہلِ عزیمت ہی کام کرتے ہیں مولیٰ تعالےٰ آپ کو ہمت واستقامت عطا فرمائے آمین!

آپ ان ممتاز اہلِ قلم میں سے ایک ہیں جن سے فقیر استفادہ کرتا ہے۔ آپ کی مساعی لائق تحسین وآفریں ہیں۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۱۴؍نومبر ۱۹۹۵ء

مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی

شیخ الحدیث، سیال شریف

جناب کے مرسلہ دو عدد عطیے اندھیرے سے اجالے تک موصول ہوئے، بہت مستحسن کوشش ہے اور انتہائی محتاط انداز بیان۔ اللہ تعالےٰ مزید برکات سے بہرہ ور فرمائے اور خدمت دین قویم کی توفیقِ رفیق خیر رفیق۔

ملک شیر محمد خاں، کالا باغ

آپ کی ارسال کردہ کتاب موسومہ اندھیرے سے اجالے تک موصول ہوئی، جس کے لیے اعماقِ قلب سے ممنون ہوں، میں اس کتاب کی طباعت کا منتظر تھا۔ کتاب موصول ہوتے ہی ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی۔ فاضل مؤلف نے البریلویۃ کے تمام اعتراضات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ انداز بیان دلکش، سنجیدہ اور مہذب ہے۔ فاضل مؤلف کے لیے بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے۔ ع اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

والسلام خیر طلب
۲۴؍اکتوبر ۸۵ء شیر محمد خاں

(افسوس کہ ملک صاحب ۱۳؍جمادی الثانیہ ۲۳؍فروری ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء کو دارِ فانی سے رحلت فرما گئے۔)

مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

مترجم کتب حدیث۔۔۔لاہور

اندھیرے سے اجالے تک، ندائے یارسول اللہ اور مجموعہ رسائل متعلقہ ردّ روافض، یہ تینوں آپ کی نگارشات بغور دیکھیں اور دوران مطالعہ بار بار آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی رہیں۔ جزاک اللہ فی الدارین خیراً۔

''علامہ'' احسان الٰہی ظہیر صاحب کے الزامات کا جس عالمانہ اور فاضلانہ شان سے بے سروپا ہونا ثابت کیا ہے اور جس طرح مسکت جوابات دیے ہیں ان کے باعث آپ جملہ اہل سنت وجماعت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اپنی اس کاوش اور سعی مشکور کے باعث آپ نے اپنے رضوی ہونے کا منہ بولتا ثبوت فراہم کردیا ہے۔

۳؍رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ اختر شاہجہان پوری مظہری
۱۳؍مئی ۱۹۸۶ء

پروفیسر محمد ارشد، لیکچرر شعبہ تاریخ

کیڈٹ کالج، حسن ابدال۔۔۔۔۔

چند دن پہلے آپ کی کتاب شیشے کے گھر دیکھنے کا اتفاق ہوا، اپنے موضوع پر بہت اچھی اور لائق تحسین کوشش ہے، اندھیرے سے اجالے تک آپ کی دوسری نسبتاً زیادہ ضخیم کتاب بھی پڑھ چکا ہوں۔ البریلویۃ کا بہت چرچا سنا تھا، راقم الحروف کو عربی پر دسترس نہیں ہے۔ اس لیے خود تو اس کا مطالعہ نہ کرسکا تھا اب آپ کی کتاب اندھیرے سے اجالے تک نے جو اس فریب کا پردہ چاک کیا ہے تو معلوم ہوا کہ البریلویۃ کے مولف کتنی کھلی بددیانتیوں کے مرتکب ہوئے ہیں جو ایک عالم دین تو کیا ایک شریف انسان سے بھی متوقع نہیں ہوتیں۔

۳۰جون ۱۹۸۶ء مخلص: محمد ارشد

علامہ اقبال احمد فاروقی، لاہور

غیر مقلدین کے خطیب وادیب علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب نے اپنی بیمار عربی زبان میں البریلویہ لکھ کر وادیٔ نجد کے

نوکیلے ذہنوں کو خوش کر دیا تھا۔ اس کتاب کی غلط بیانیوں کو ہمارے فاضل دوست جناب مولانا محمد عبدالحکیم شرف نے اندھیرے سے اجالے تک میں آڑے ہاتھوں لیا، یہ کتاب نظریاتی افق پر ایک لطیف اجالا بکھیرتی ہوئی آئی۔

محمد عالم مختار حق۔۔۔ لاہور

اندھیرے سے اجالے تک کا کئی دن ہوئے مطالعہ کر چکا ہوں اور اس انتظار میں تھا کہ اس کا حصہ دوم بھی نظر نواز ہو تو مطالعہ کے بعد اپنی گزارشات پیش کروں، مگر دوسرا حصہ غالباً ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آیا۔ آپ نے جس انداز سے احسان الٰہی ظہیر صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب البریلویۃ کا تعاقب کیا ہے میں اس پر ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں، آپ نے غنیم کے مورچوں کو ہی صرف تہس نہس نہیں کیا بلکہ دشمن کے علاقہ میں گھس کر اسے ہینڈز اپ کرنے پر مجبور کر دیا اور احسان الٰہی صاحب نے البریلویۃ میں اپنی عربی دانی کا جو قلعہ تعمیر کیا تھا اسے اسکے اندرونی دوستوں کی معاونت ہی سے منہدم کر دیا۔ میری مراد اس اسلحہ سے ہے جو آپ کو ہفت روزہ اہل حدیث کے شماروں سے ملا، اسے کہتے ہیں اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے، مگر میں سمجھتا ہوں سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ کتاب کی اندورنی شہادتوں سے آپ نے احسان صاحب کے مبلغ علم کو جو پول کھولا ہے اور اس طرح جو اسے زخم پہنچائے ہیں وہ مدتوں ان کو سہالتے رہیں گے۔ البتہ ایک بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ کی کتاب میں بھی اردو میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں جن میں گو اکثر غلط العوام ہیں مگر فریق مخالف کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تو آسکتا ہے۔

۲۱ر جنوری ۸۶ء

آپ کا محمد عالم

ارا دو سلطان مجاہد الطاہری

سینئر سول انجینئر۔۔۔ اوکاڑا

آپ کی مختلف کتابیں نظر سے گزری ہیں، مرکزی مجلس رضا کی کتابیں بھی زیر مطالعہ رہی ہیں۔ ہمارے مسلک میں آپ ان مصنفین میں شمار کیے جاسکتے ہیں جن کی تحریریں ہلکے اور بازاری الفاظ سے مبرا ہیں، دراصل آج کے دور میں یہی تحریریں قابل قبول و ستائش رہ گئی ہیں، آپ ایسے مصنفین ہمارے لیے قابل فخر سرمایہ ہیں، جن کی نگارشات ہر طبقہ میں پسند کی جائیں، پراثر ہوں۔ ہم نے صرف اپنا نقطہ نظر پیش کرنا ہوتا ہے، دوسروں پر بے جا تنقید اور بے مقصد حملے دراصل صحیح موقف کو کمزور کر دیتے ہیں اور پڑھے لکھے لوگوں میں یہ تحریریں آج کل نفرت کی علامت سمجھی جاتی ہیں، ماشاء اللہ! آپ کی تحریریں ان آلائشوں سے پاک ہیں، اللہ تعالےٰ نے یہ نعمت آپ کو دی ہے، اس کا شکر ہے اور آپ کو مبارک ہو۔

۹ر فروری ۸۶ء

آپ کا اسلامی ساتھی

سلطان مجاہد الطاہری

سید محمد ریاست علی قادری

بانی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

اندھیرے سے اجالے تک پوری کتاب کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ہے اگر یہ کتاب جدید عربی میں ترجمہ ہوگئی تو بہت مفید ہوگی، یہاں بندوبست کرلیا ہے۔ آپ اپنی رائے سے مطلع کیجئے:

ماشاء اللہ! بہت خوب لکھی ہے، ہم تمام عقیدتمندان اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔

سید ریاست علی قادری

غلام مرتضیٰ سعیدی

فروکہ۔۔۔ ضلع سرگودھا

میری طرف سے اپنی بے نظیر تصنیف اندھیرے سے اجالے تک کی اشاعت پر مبارک باد قبول فرمائیے۔ بندہ ایک طالب علم اور انجمن طلباء اسلام کا ایک ادنیٰ سا رکن ہے۔ اس لیے جناب کے اس شہ پارے پر تبصرہ کرنا بندہ کے بس کی بات نہیں ہے مگر اتنا ضرور عرض ہے کہ آپ نے زبان زیادہ نرم استعمال کی ہے۔ شاید آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ثمر ہو، مگر جو زبان البریلویۃ میں استعمال کی گئی ہے میرے خیال میں زبان ایسی ہی ہونی چاہیے تھی میں نے مذکورہ بالا کتاب نہیں پڑھی مگر جہاں کہیں آپ نے حوالہ جات نقل کیے ہیں تو اس عبارت کو پڑھ کر قلب و باطن میں اک آگ سی لگ جاتی ہے اور جواب دینے کی بجائے جی چاہتا ہے کہ اس دروغ گو کی زبان کاٹ دی جائے۔

غلام مرتضیٰ سعیدی

(جرائد) احسان الٰہی ظہیر

سوال: کیا پاکستان میں بریلوی علماء کی طرف سے (البریلویۃ کے) جواب میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی؟

جواب: صرف چند پمفلٹ لکھے گئے ہیں دلیل کے ساتھ کوئی بات نہیں کی گئی تھی، محض دشنام طرازی سے کام لیا گیا تھا۔ مجھے اس پر حیرت بھی ہے کہ چار برس میں پورا عالم بریلویت میری اس کتاب کا جواب نہیں دے سکا ہے۔ حالانکہ ان میں بڑے بڑے مبشرات کے حاملین بھی شامل ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ انہیں بشارتیں ملتی ہیں اور بہت سے ایسے تیس مار خاں بھی ان میں شامل ہیں جو

سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے کسی دوسرے کا چراغ ہرگز نہیں جلتا کسی نے مجھے جواب دینے کی جرأت نہیں کی ہے۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور شمارہ فروری ۱۹۸۷ء ص ۳۲)

مولانا ابوداؤد محمد صادق

سرپرست ماہنامہ رضائے مصطفےٰ، گوجرانوالہ

جن پمفلٹوں کا ظہیر صاحب نے ذکر کیا ہے ان میں دشنام طرازی نہیں کی گئی بلکہ خود ان کی دشنام طرازی وغلط بیانی کو بطور نمونہ مشتے از خروارے بیان کیا گیا ہے لہٰذا انہیں چاہیے تھا کہ اگر ان (پمفلٹوں) کی ایک ہی غلط بیانی ہوتی تو اس کی بھی صفائی پیش کرتے یا اپنی غلطی کا اعتراف کرتے۔ مذکورہ پمفلٹوں کے جواب میں ان کی خاموشی نے ان کی ذات اور کتاب دونوں کو مشکوک وداغدار کر دیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کتاب البریلویۃ کا کھلم کھلا رڈ وجواب اس لیے شائع نہیں کیا گیا کہ اس کتاب پر پابندی کی خبر آ گئی تھی اور اس پر فرقہ وہابیہ نے سخت واویلا بھی کیا تھا لہٰذا ظاہر ہے کہ پابندی کی خبر کے بعد جواب کی اشاعت پر بھی اثر پڑتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ کتاب البریلویۃ کے مختلف پہلوؤں کے رڈ میں مولانا عبدالحکیم شرف صاحب نے اندھیرے سے اجالے تک، شیشے کے گھر، ندائے یارسول اللہ جیسے مختلف عنوانات سے جواب شائع کیا ہے۔ جس میں محض دلیل ومتانت سے گفتگو کی گئی ہے، معلوم نہیں ظہیر صاحب کی نظر سے مولانا شرف صاحب موصوف کی تصانیف کیوں نہیں گزریں؟ یا مصلحۃً انہوں نے ان کے ذکر سے چشم پوشی کی ہے، بہرحال یہ بھی ظہیر صاحب کی محض خوش فہمی وغلط بیانی ہے کہ ان کی مذکورہ کتاب کا جواب نہیں دیا گیا۔ (ماہنامہ قومی ڈائجسٹ، لاہور شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء ص ۳۰۰)

الجواب۔ آئینہ میں چونکہ اپنی ہی صورت نظر آتی ہے اس لیے ظہیر صاحب کو اپنی دشنام طرازی کا جواب بھی دشنام طرازی کی صورت میں نظر آیا۔ بہتر ہوتا کہ ظہیر صاحب ''چند پمفلٹ'' کا نام بھی لکھ دیتے ''قومی ڈائجسٹ'' اور ''رضائے مصطفےٰ'' کے قارئین کو وہ دیکھ کر ان کی سچائی کو پرکھنے کا موقع مل جاتا۔ اب ظہیر صاحب کو کھل کر یہ بتانا ہوگا کہ کیا؟

مجدّد الامۃ: (من ھو احمد رضا) علامہ شجاعت علی قادری کی ۲۱۶صفحات کی عربی کتاب ''پمفلٹ'' ہے؟ اور کیا احسان الٰہی ظہیر نے اس کا جواب لکھا ہے؟

''اندھیرے سے اجالے تک'' فاضلِ محقق علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی کی ۲۷۸صفحات کی کتاب ''پمفلٹ'' ہے؟ جس میں علامہ موصوف نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے جھوٹے الزامات کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔

''شیشے کا گھر'': علامہ موصوف کی ۱۲۸ صفحات کی کتاب ''پمفلٹ'' ہے؟ جس میں فاضل محقق نے لکھا ہے کہ خود انگریز نوازی کا ''اتنا کمزور اور نازک ماضی رکھنے کے باوجود غیر مقلدین (ظہیر وغیرہ) علماء اہل سنت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام

لگاتے ہوئے نہیں شرماتے۔ ان پر شیشے کے مکان میں بیٹھ کر کلوخ اندازی کی مثال کس قدر صحیح صادق آتی ہے؟

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوار آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

”ندائے یا رسول اللہ“

(مسئلہ توسل واستغاثہ) علامہ موصوف کی ۱۲۸ صفحات کی یہ ایمان افروز شائع کردہ کتاب ”پمفلٹ“ ہے؟ جس میں مسئلہ نداء علم غیب اور توسل واستغاثہ پر مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو مدلل و مفصل بیان کرنے کے علاوہ ظہیر صاحب کو ان کے گھر کا آئینہ بھی دکھایا گیا ہے۔

مجموعہ رسائل

(رد روافض) علامہ موصوف کی ۸۸ صفحات کی شائع کردہ کتاب ”پمفلٹ“ ہے؟ جس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے شیعہ سے ہمنوائی کے بہتان کے پرخچے اڑائے گئے ہیں۔

مجموعہ رسائل

(ردِ مرزائیت) علامہ موصوف کی ۱۱۶ صفحات کی شائع کردہ کتاب ”پمفلٹ“ ہے جس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے مرزائیوں سے بھائی چارے اور مرزا قادیانی کے بھائی کو اعلیٰ حضرت کا استاد قرار دینے پر ظہیر کی بے ایمانی و بددیانتی اور اس کی شقاوت وحماقت کا ردّ بلیغ فرمایا گیا ہے۔

نام نہاد

”البریلویۃ“ کے ردّ و جواب میں وسیع پیمانہ پر اس قدر تحقیقی تاریخی اور مدلل و مفصل شستہ و پاکیزہ علمی ذخیرہ کی اشاعت کے باوجود ظہیر صاحب کے اس بیان پر کہ نام نہاد ”البریلویت“ کے جواب میں ”صرف چند پمفلٹ لکھے گئے ہیں“۔ اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

الحاصل

ظہیر صاحب کے ایک ایک الزام وافتراء کے جواب میں پوری پوری کتاب کی اشاعت کے بعد صورت حال بدل چکی ہے اور اب مذکورہ کتب کا جواب الجواب اور اپنی کذب بیانی و بددیانتی کی صفائی پیش کرنا خود ان کے ذمہ ہے جیسا کہ فاضل محقق علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے ان کی نشاندہی کی ہے۔

(مولانا ابوداؤد محمد صادق مدظلہ: ماہنامہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ، شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء)

ماہنامہ جام عرفاں، ہری پور

احسان الٰہی ظہیر صاحب نے البریلویۃ نامی ایک کتاب عربی میں لکھی ہے، جس میں بریلوی لوگوں کے مزعومہ ومفروضہ عقاید کی تردید کرنے کے علاوہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی ذات والاصفات پر بھی رکیک حملے کیے گئے ہیں اور عجیب وغریب

الزامات عائد کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی عربی پڑھ کر مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ان دنوں میں صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ بابوں اور ضمیروں سے کسی حد تک آگاہ ہو چکا تھا، مگر عربی لغات سے نا آشنا تھا ایک دن خانقاہ شریف کے مال خانے میں بھینس کی ایک بچی۔۔۔ جسے ہماری زبان میں ''کٹی'' کہا جاتا ہے۔۔۔ بندھی ہوئی تھی اور دم ہلا رہی تھی، سید محمود شاہ صاحب مدظلہ نے مجھ سے پوچھا کہ کٹی پوچھل ہلاندی اے (کٹی دم ہلاتی ہے) کی عربی کیا ہو گی؟ مجھے ''نہ کٹی'' کی عربی آتی تھی نہ ''پوچھل'' کی۔

اس لیے میں نے فی الفور کٹی کو عربی طریقے سے مونث کیا اور پوچھل کے ساتھ ضمیر لگائی اور کہا: **الکٹة تحرك پوچهلها۔** شاہ صاحب اس عربی پر بہت ہنسے۔ اب بھی جب کبھی ہم دونوں عہد گزشتہ کی باتیں کر رہے ہوں تو اس واقعہ کو یاد کر کے خوب ہنستے ہیں۔

احسان صاحب کی اس کتاب میں بھی ایسی ہی عربی پائی جاتی ہے مثلاً ''رسید'' فارسی لفظ ہے۔ احسان صاحب کو شاید اس کا عربی متبادل معلوم نہ تھا، اس لیے ''رسید'' کو ہی نتھی کر لیا، چنانچہ لکھتے ہیں:

فانهم اعطو اللعصاة البغاة رسيد الجنة (ص ۱۳۵)

اس طرح ''بوسہ'' بھی فارسی لفظ ہے۔ احسان صاحب نے اس سے ''**یبوس**'' بنا لیا (صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معلوم، ملاحظہ ہو (ص ۱۳۸)

اس قسم کی اور بھی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

علامہ شرف صاحب کی زیر نظر کتاب۔۔۔ اندھیرے سے اجالے تک۔۔۔ احسان صاحب کی اسی کتاب البریلویۃ کا مسکت جواب ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ ایک لاجواب کتاب ہے اور اس میں جو خالص بات ہے، وہ مصنف کی عالمانہ متانت ہے، جو کتاب کے صفحہ اوّل سے صفحہ آخر تک برقرار رہی، اور کہیں بھی جذباتی رنگ جھلکنے نہیں پاتا۔ بلاشبہ ایسی ہی کتابیں اہل علم میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور بلند پایہ لائبریریوں کی زینت بنتی ہیں۔

کتابت کی غلطیاں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں، مثلاً مولانا رضا علی خان کے واقعہ کے بیان میں ''صورۃ'' کی جگہ ''سورۃ'' لکھا ہوا ہے، مگر اتنی ضخیم کتاب میں کتابت کی چند غلطیاں رہ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ البتہ ۳۶۲ پر ایک مشہور شعر کو مولانا جامی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

نسبت خود بسگت کردم وبس منفعلم
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

حالانکہ یہ شعر جان محمد قدسی کی اس مشہور عالم نعت کا ہے، جس کا مطلع ہے

مرحبا سید کی مدنی العربی

اس غلطی کی اصلاح ضروری ہے

طباعت اور کاغذ نہایت معیاری

(تبصرہ نگار: قاضی عبدالدائم دائم   ماہنامہ جام عرفان، ھری پور)

(شمارہ اکتوبر ۱۹۸۶ء ص ۴۸-۳۶)

نوٹ: اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں امکانی حد تک غلطیوں کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ جن جن حضرات نے اغلاط کی نشاندہی فرمائی مصنف ان کے شکرگزار ہیں ۱۲ اسدیدی،

شیشے کے گھر

حضرت ابوالحسن زید فاروقی مدظلہ

خانقاہ نقشبندیہ، مجددیہ، دھلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تازہ تالیفِ لطیف شیشے کے گھر شنبہ ۲۸ رمضان ۷ جون کو دو نسخے ڈاک سے ملے۔ آپ نے اچھا نام تجویز کیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے۔ **ذ ادك الله فى العلم بسطة۔**

اس قسم کے علمی جواہر پارے وقتاً فوقتاً شائع فرماتے رہیں۔ اللہ تعالےٰ اہل سنت وجماعت کی شوکت میں اضافہ فرمائے۔ آپ دارین میں عافیت سے رہیں۔

جمعہ ۵ شوال ۱۴۰۶ھ   والسلام
۱۳ جون ۱۹۸۶ء   زید ابوالحسن فاروقی

حکیم محمود احمد برکاتی

۱۲۹۸ اے، لیاقت آباد نمبر ۴، کراچی ۱۹

شیشے کا گھر ملا، خوب ہے، بڑی محنت کی ہے آپ نے، مگر بڑا کام ہو گیا، اہل حدیث حضرات کی سرگرمیاں عہد ضیائی میں تیز تر ہو گئی ہیں اور پر اسرار بھی ہیں، اس فرقے کی تاریخ قبل غدر سے ملت دشمنی اور انگریز دوستی کی تاریخ ہے۔۔۔ حکم صاحب محترم (حضرت حکیم نصیر الدین، کراچی) کو بھی ان کا نسخہ پہنچا دیا ہے۔۔۔ اللہ کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

خاکسار

۲۰ جولائی ۸۶   محمود احمد برکاتی

مولانا نور احمد فریدی

قصر الادب ۹۱۔ رائٹرز کالونی، ملتان

مرسلہ کتاب شیشے کا گھر موصول ہوئی، مناظرین کے لیے نہایت عمدہ کتاب ہے، اس کی تدوین میں خاصی محنت کی گئی ہے، میں نے شروع سے اخیر تک پڑھا اور کتاب اپنی جامع مسجد کے امام صاحب کو دے دی۔

۲۶ جون ۱۹۸۶ء

حکیم محمد حسین بدرؔ چشتی

ڈیرہ نواب صاحب، بہاولپور

مرکزی مجلس رضا کی نئی اشاعت شیشے کے گھر موصول ہوگئی ہے، بہترین تحقیقی کوشش ہے، جناب مولانا عبدالحکیم شرف قادری مبارکباد کے مستحق ہیں۔ آپ ازراہ کرم اس کتاب کی دس کاپیاں مجھے بھوائیں میں نے اپنے بعض محسنین کو روانہ کرنی ہیں۔

والسلام

نیاز کیش: محمد حسین بدرؔ چشتی

(افسوس کہ حکیم صاحب موصوف ۲ صفر المظفر مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۶ء کو دار فانی سے رحلت فرما گئے رحمۃ اللہ تعالیٰ)

روزنامہ امن، کراچی

مجلس رضا کراچی نے امام اہل سنت مولانا شاہ رضا کی تعلیمات وخدمات دینی وعلمی پر مبنی مطبوعات کا ایک سلسلہ جاری کیا ہوا ہے۔ جس کی یہ نویں اشاعت ہے جس میں اکابر اہل حدیث کی مستند کتابوں کے اقتباسات کے حوالوں سے ان الزامات کی تردید کی گئی ہے کہ علمائے اہل سنت (مقلدین) انگریزی حکومت کے کبھی وفادار رہے ہوں یا انہوں نے سامراجی استبداد کو قبول کیا ہو۔

تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا کہ برصغیر میں انگریزوں کی آمد بقول مولوی بشیر احمد دیوبندی "ہندوستان میں انگریز کی حکمرانی سے قبل اس گروہ (غیر مقلد) کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ اس فرقہ کا ظہور انگریز کی چشم التفات کا رہین منت ہے"۔ عقائد سے متعلق اور برٹش سرکار سے روابط کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز محدث، سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل، مولوی محمد حسین بٹالوی، نواب صدیق حسن، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا اشرف علی تھانوی، مولوی ثناء اللہ امرتسری، مولانا غلام رسول مہر اور بہت سے زعما وعلما کی تحریروں کے اقتباس شامل کیے گئے ہیں۔ دراصل یہ کتاب ان کتابوں یا مضامین کے جواب میں مرتب کی گئی ہے جو علمائے اہل حدیث کی جانب سے متنازعہ موضوعات پر شائع ہوئی ہیں۔

ہمارے خیال میں امتِ مسلمہ آج جن حالات سے گزر رہی ہے اسے سیاسی سے زیادہ مذہبی ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔ دوسروں کے عقائد چھیڑے بغیر اپنے عقائد کا اظہار وابلاغ مناسب ہوگا۔ ورنہ اس پریشان کن ماحول میں فریقین کے اکابرین کو ہدف ملامت بنا کر امت مسلمہ کو مزید نفاق کی راہ پر لگاتا ہے جو معروضی صورتحال میں مناسب نہ ہوگا جبکہ عام آدمی سے قطع نظر اہل علم وفکر اور

مختلف مسالک کے طلباء کی نظر سے ماضی میں جو کچھ ہوا وہ پوشیدہ نہیں ایسے مباحث منافرت سے زیادہ مناقشوں اور مجادلوں کا باعث بن سکتے ہیں۔ لیکن یہ جبھی ممکن ہے کہ فریقین پہل کرنے سے احتراز کریں ورنہ جوابا زلزلہ اور شیشے کے گھر" جیسی کتابیں منظر عام پر آتی رہیں گی۔ تاہم یہ خوشی ہے کہ مولف نے روایتی جارحیت کے بجائے عالمانہ شائستگی، استدلال علمی اور آداب قلم ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اقتباسات کے ذریعہ التزامی رویئے سے کام لیا ہے۔ (تبصرہ نگار: عاقل بریلوی)

مجاھد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی

بعض بدنہاد اور اور نافرجام لوگوں نے اختلاف اور انتشار پھیلانے کے لیے کتابیں لکھی ہیں اور ان کے عزائم مشؤمہ سے ہماری تحریک (اتحاد) کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہوا ہے۔ مگر ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کو بے نقاب کرنے کے لیے "اندھیرے سے اجالے تک" اور "شیشے کے گھر" جیسی تالیفات نے متلاشیان حق کے لیے کافی مواد فراہم کر دیا ہے اور قارئین کو بتا دیا ہے کہ کتاب وسنت میں کفار ومنافقین کی بابت واضح اشارات کو شمع رسالت کے پروانوں پر چسپاں نہیں کیا جاسکتا ہے۔

(اتحاد بین المسلمین حصہ دوم ص ۱۸ مکتبہ رضویہ، لاہور جنوری ۱۹۸۸ء)

ھفت روزہ الھام، بھاولپور ۷/ جون ۱۹۸۶ء

مولانا احمد رضا خاں پر مدت سے الزام لگایا جارہا ہے کہ وہ انگریزوں کے کاسہ لیس اور ان کی حکومت کے حامی تھے، لیکن آج تک کوئی مائی کا لال ان کی تحریر وتقریر سے یہ ثابت نہ کر سکا، اس کے برعکس اہل حدیث حضرات جو پہلے وہابیت سے مقلب کئے جاتے تھے اور مسلمہ طور پر سرکار پرست اور انگریزی حکومت کے مداح اور بہی خواہ رہے ہیں، اپنی تمام سابقہ روایات کو چھپا کر اہل سنت اور امام احمد رضا خاں بریلوی پر انگریز نوازی کا اتہام عائد کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

زیر نظر کتاب میں ان کو آئینہ دکھایا ہے اور ان کی تحریروں اور کتابوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ انگریزی حکومت کی کاسہ لیسی کا طعنہ دینے والے خود سب سے بڑے انگریزی حکومت نواز رہے ہیں، "شیشے کے گھر" میں نواب صدیق حسن خاں سے لے کر مولوی محمد حسین بٹالوی کی تحریروں تک بے شمار ایسے شواہد پیش کئے ہیں کہ غیر مقلدین کا انگریز پرست ہونا قطعی ظاہر ہے، ان کا یہ کہنا کہ ان کے اکابر نے جہاد آزادی میں بے شمار قربانیاں دیں، جھوٹ کا پلندہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان حجرات نے مجاہدین آزادی کو سرپھرا اور بیوقوف گردانا ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری بڑے محتاط صاحب قلم ہیں، تحقیق وتاریخ پر ان کی گہری نظر ہے، باقی دیگر تصانیف میں بھی یہ پہلو ہمیشہ پیش نظر رہا ہے اور شیشے کے گھر میں بھی انہوں نے یہی طریق استعمال کیا ہے جو لوگ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر سنگ زنی کرتے ہیں انہیں پہلے اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہئے۔